حالات

قسطنطنیہ

جزو اوّل و دوم

جس میں اسلامی دار الخلافہ قسطنطنیہ کی بناء کی مختصر تاریخ کے بعد انگلستان کے مشہور زندہ عالم پروفیسر میکس مولر اور اُن کی لیڈی صاحبہ اور زندہ سیاح مورین کرافورڈ کی کتابوں کا جن میں اُنہوں نے چشمدید حالات۔ سلطانی نوازشات اور اپنی سیر کے واقعات تحریر کئے ہیں ترجمہ دیدیا گیا ہے۔

اور

جا بجا مناسب موقع مفید حواشی اور فٹ نوٹ بھی ایزاد کر دیئے گئے ہیں

مترجمہ و مؤلفہ مولوی محمد انشاء اللہ صاحب زمیندار انعام آباد ضلع گوجرانوالہ سابق ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر و حال ایڈیٹر اخبار وطن لاہور

سنہ ۱۳۳۰ ھ

باہتمام

مولوی محمد انشاء اللہ پرنٹر پبلشر امین حمید سٹیم پریس لاہور میں چھپا

قسطنطنیہ حصۂ اوّل جزوِ اوّل

دیباچہ

قسطنطنیہ کی بُنیاد پڑنے کی وجہ

(۱) سلطنت روۃ الکبریٰ میں آئے دن کی بغاوتوں اور خانہ جنگیوں سے جب سخت ابتری پھیل گئی۔ فوجیں دن بدن کمزور ہوتی چلی گئیں۔ اور سرحدی لوگ ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھاکر زور پکڑتے گئے۔ اور امرأ اور سینیٹ کے عیش و عشرت میں پڑجانے سے تمام ملکی کاروبار فوج کے ہاتھوں سے طے ہونے لگے۔ تو رفتہ رفتہ فوج کو سلطنت کے اندرونی معاملات میں یہانتک دسترس ہوگئی۔ کہ کوئی بادشاہ جسکو سینیٹ نے تخت نشین کیا ہو تخت کا سچا حقدار نہ سمجھا جاتا تھا۔ جب تک کہ فوج اسے منظور نہ کرتی۔ فوج جس بادشاہ کو چاہتی تخت نشین کرتی۔ اور جسے چاہتی معزول کردیتی۔ آخر نوبت بایں جا رسید کہ سینیٹ کے انتخاب کردہ بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل و معزول ہونے لگے۔ اور فوج کے جرنیل اور سپہ سالار فوج کی رائے اور انتخاب سے بادشاہ بنائے جانے لگے۔ جنہیں (اگر وہ فوج کی خلاف مرضی کوئی کام کرتے) فوج قتل کردیتی۔ اور اس کی جگہ نیا سپہ سالار منتخب کیا جاتا ؀

(۲) انہیں دنوں میں ڈایوکلیشین جسکے والدین (کہا جاتا ہے) روم میں غلام رہتے اور اپنی اولیاقتوں کی وجہ سے فوج کا سپہ سالار ہوگیا۔ اور فوج نے اسے اپنا بادشاہ مقرر کیا اور یہ فوج روم کے تخت پر تکیہ زن ہوا۔ یہ بادشاہ عقلمند و دوراندیش تھا۔ اسے اچھی طرح سے روم کے پہلے بادشاہ فوج کے ہاتھوں قتل اور معزول کئے گئے ہیں۔ اور کس طرح فوج کی طاقت اور زور بڑھ گیا ہے پس اُس نے ارادہ کرلیا۔ کہ جہانتک ممکن ہو سکے۔ فوج کے اس زور کو توڑنا چاہیئے اور اُس کو بخوبی بادشاہ کی تحت میں لانا چاہیئے۔ اس ارادہ کو سرانجام تک پہنچانے کے لئے

اس نے سلطنت کو چار حصوں میں تقسیم کیا:

ا۔ تھریس۔ مصر۔ اور ایشیا پر وہ خود حکمران ہوا۔

ب۔ اٹلی اور افریقہ میکسی مین[1] کے سپرد ہوئے

ج۔ فرانس ہسپانیہ اور برطانیہ قسطنطیس کے ماتحت کئے گئے

د۔ صوبجات ملحقہ دریائے ڈینوب پر گلیریس حکمران کیا گیا۔

اس طرح سے فوج کی طاقت بالکل زائل ہوگئی۔ کیونکہ اگر ان چاروں میں سے کسی ایک کی فوج بغاوت کرتی یا باغی ہوجاتی تو دیگر تینوں اسکی سرکوبی کر دیتے۔ دوم فوجوں نے یہ خیال کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو قتل کرنا محض فضول ہے۔ کیونکہ دوسرے تینوں اسکی سرکوبی کرینگے۔ اور اس لئے انہوں نے اپنے حاکم کو قتل کرنا یا معزول کرنا بے حصول سمجھا۔ اور بالآخر زیر ہوگئیں اور بادشاہ کا سکہ ان کے دلوں میں بیٹھ گیا۔

(۳) سینیٹ کا زور بالکل ٹوٹ گیا۔ اور آئندہ کیلئے رُوم دنیا کا پایۂ تخت نہ رہا۔ بلکہ ان چاروں نے وہ وہ مقام رہنے کو پسند کئے جہاں سے وہ سرحدی گولوں کی سرکوبی کر سکیں۔ اور سلطنت کو بیرونی حملوں سے بچا سکیں۔ بادشاہوں کی شان و شوکت حد سے بڑھ گئی۔ اور وہ فوج میں بہت کم آنے جانے لگے۔ وہ بڑے بڑے قیمتی لباس زیب تن کرتے اور کروڑوں روپے انکی تیاری پر صرف کر دیتے۔ انکے شان شوکت کو دیکھکر فوج انہیں انسان کی ایک اعلیٰ قسم خیال کرنے لگی۔ اور ان سے خوف کھانے لگی۔

(۴) ڈائیوکلیشین نے ۳۰۵ء میں تخت و تاج چھوڑ دیا اور گوشہ نشینی اختیار کی۔ لیکن نو سالوں کے بعد اسے اپنے گوشہ سے باہر نکلنا پڑا۔ کیونکہ اوگسٹوں اور قیصروں میں خانہ جنگی ہو پڑی۔ جو ۳۲۳ء میں ختم ہوئی۔ اور فلیویس ویلیریس کانسٹن ٹائین یا قسطنطین اعظم تمام دنیا کا مالک ہوگیا۔ قسطنطین اعظم قسطنطیس قیصر کا بڑا بیٹا تھا۔ اور اپنے باپ کی وفات پر ۳۰۶ء میں برطانیہ کا قیصر ہوا۔ وہ بڑا بہادر اور دانا تھا۔ ۳۱۴ء کی خانہ جنگی میں وہ دوسرے اگسٹس اور قیصر پر غالب آگیا۔ اور ۳۲۳ء میں تمام رومن دنیا کا خود مختار ہوگیا۔

دین عیسوی کی اشاعت

اس ابتری اور خانہ جنگیوں کے دوران میں دینِ عیسوی رومن سلطنت میں آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔ گرجوں اور معبدوں کی تعداد ہر ایک شہر میں دن بدن بڑھتی گئی گو روم کے شہنشاہ عیسائیوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور بہت سے قیصر نیرو کے ہاتھوں قتل بھی کئے گئے تھے

[1] ڈائیوکلیشین اور میکسی مین اگسٹس کہلانے لگے۔ اور قسطنطیس اور گلیریس قیصر کے لقب سے ملقب ہوئے۔ مترجم

اور وقتاً فوقتاً دین علیسوی کی اشاعت بند بھی کر دی جاتی تھی - کیونکہ رومی یہ خیال کرتے تھے کہ علیسائی لوگوں کو نا فرمانبرداری اور فتنہ پردازی سکھلاتے ہیں - اور یہ کہ علیسائی فرمانبردار رعایا نہیں ہوتے - علیسائی لاکھوں اور ہزاروں کی تعداد میں ٹراجان - ڈیسی ایس اور ویلیریئن کے ہاتھوں قتل کئے گئے مگر تاہم وہ اپنے استقلال کی بدولت دن بدن بڑھتے گئے - اور قسطنطین اعظم کے زمانہ میں انہوں نے یہانتک زور پکڑا - کہ قسطنطین کو انکی بغاوت اور فساد کے خوف سے مجبوراً علیسائی مذہب اختیار کرنا پڑا - اور ساتھ ہی اُسنے سلطنت کا مذہب علیسوی ہی کر دیا ؛

(۵) قسطنطین اعظم نے معلوم کر لیا - کہ نئے مذہب کے خیالات اور علیسوی مذہب کو روم میں لے کر رائج کرنا تقریباً ناممکن ہے - روم ہنوز اپنے پرانے خیالات اور پرانے مذہب پر ثابت قدم رہے گی اور صدیوں کی تیار شدہ بنیاد کا دنوں اور ہفتوں میں توڑنا ناممکن ہے - اس لئے اور نیز چونکہ قسطنطین ایشیائی بادشاہوں کی طرز پر رہنا چاہتا تھا اور یہ بات اُس خاص روم میں نصیب نہیں ہو سکتی تھی - اس نے ایک مقام جو ایشیا اور یورپ کے نزدیک ہو - اپنی رہائش کے لئے پسند کیا - اور وہاں ایک نئے روم کی بنیاد ڈالی - جو اسکے نام پر قسطنطنیہ کے نام سے موسوم ہوا اور علیسوی مذہب کا مرکز قرار پایا ؛

توضیح لبعد البیان

قسطنطنیہ کی بنیاد پڑنیکی وجہ مختصراً مذکور ہو چکی ہیں - لیکن اس کا مزید بیان کر دینا بعید از دلچسپی نہ ہوگا - وہ امورات جن پر اب خامہ فرسائی کی جائیگی - مندرجہ ذیل ہیں ؛

(۱) بائی زنٹیئم کی جائے وقوع - جب قسطنطین لیسی نی اس سے جنگ ختم کر چکا تو اس نے اپنی حکمت و تدبر کی بھی ویسی ہی شہرت چاہی جیسی کہ اسے فن سپہ گری میں حاصل ہو چکی تھی - اُس نے خیال کیا - کہ بائی زنٹیئم کی جائے وقوع قدرتی طور سے محفوظ ہے - اور وہاں کسی دشمن کے حملہ کا خطرہ نہیں ہو سکتا - اور نیز وہ تجارتی آمد و رفت کے فوائد کیلئے بڑی کارآمد ہے - قسطنطین کے زمانہ کی

حاشیہ صفحہ ۲ ۱ - اسکا پورا نام لوسی الس ڈومی ٹیس نیرو ہے ۳۷ء میں پیدا ہوا ۶۸ء میں فوت ہوا یہ شخص اس درجہ کا سفاک اور ظالم تھا - کہ چنگیز خاں کو بھی اسکا ثانی نہیں کہہ سکتے - اُسنے ایکدفعہ آدمیوں سے بھرا ہوا شہر کو جلا دیا - کہ انسانوں کو اپنی آنکھ سے تڑپتا ہوا دیکھے ؛ حاشیہ صفحہ ھذا ۱ - مارکس الیئی الیس ٹراجانوس رومن قیصر ۵۲ء میں پیدا ۱۱۷ء میں فوت ہوا - ۲ - یہ ۲۴۹ء میں قیصر ہوا اور پچاس برس کی عمر میں حبشی قوم کے ساتھ لڑائی کرتا ہوا میدان جنگ میں قتل ہوا - گبن اسکی بہت تعریف کرتا ہے - ۳ - پبلیس لوسی نی اس ویلیریانس جو ... [illegible] ۲۷۲ء

پہلے کے ایک پرانے مؤرخ نے اس جائے وقوع کے پُر زور عبارت میں فوائد بیان کیے ہیں۔ جہاں سے ایک کمزور یونانی نوآبادی سمندر کی مالک ہو گئی اور اس نے ایک آزاد جمہوری ریاست کی مستحکم بنا ڈالی۔

۲۔ قسطنطنیہ کی قطع وضع۔ بائی زنٹیئم جس کا مبارک نام قسطنطنیہ ہے ایک مثلث کی شکل میں ہے اس کا ایک ضلع مشرق اور ایشیا کے کناروں کی طرف بڑھتا چلا گیا ہے۔ اور اس ضلع سے تہریشین باسفرس کی لہریں ٹکراتی ہیں۔ شہر کی شمالی جانب بندرگاہ سے گھری ہوئی ہے اور جنوبی پر بحیرہ مارمورا واقع ہے۔ لیکن اس گرد و نواح کی زمین اور پانی کی قابل تعریف قدرتی ہیئت اور تقسیم واضح بیان کیے بغیر اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتی:

۳۔ باسفرس وہ پیچدار آبنائے جس میں بحیرۂ اسود کا پانی بڑی سرعت سے بہ کر بحیرۂ روم میں گرتا ہے۔ باسفرس کے نام سے نامزد ہے۔ اس کے ڈھلوان اور پُر از سبزہ کناروں پر بہت سے مندر اور معبد بنے ہوئے تھے جن سے یونانی ملاحوں کی تباہی، خطرات اور بے ہنری کی شہادت ملتی ہے ان لوگوں نے ارگوناٹ[1] والوں کی پیروی کر کے بحیرۂ اسود کے خطروں کو معلوم کرنے کیلئے اپنی جان جوکھوں میں ڈال دی تھی۔ روایتوں سے پایا جاتا ہے کہ اسکے کنارے پر فائنوز[2] کا محل جس میں محجوب پریاں بھری پڑی تھیں بنا ہوا تھا۔ اور یہیں امی کس[3] جس نے سیس لٹ کی لڑائی میں لیڈا کے بیٹے کو پچھاڑا تھا حکومت کرتا تھا۔ آبنائے باسفرس کا اختتام جن سینیس گھاٹیوں پر ہوا ہے ان گھاٹیوں کے بارہ میں مشہور ہے کہ یہ سطح آب پر تیرا کرتی تھیں۔ انکو لوگوں کی تعجب بھری آنکھ سے بچانے کے لئے دیوتاؤں نے بحیرۂ اسود کے رستہ کی حفاظت کیلئے اُنہیں ٹھیرا دیا۔ سینیین گھاٹیوں سے لیکر بائی زنٹیئم کے بندرگاہ تک باسفرس کا پیچیدہ رستہ قریباً سولہ میل لمبا ہے۔ اور اسکی زیادہ سے زیادہ چوڑائی ۱½ میل ہے۔ یورپ اور ایشیا کے نئے قلعے سکر ییس اور جیوپیٹر یری اسکے مشہور مندروں کی بنیادوں پر بنے ہوئے ہیں۔ یونانی شہنشاہوں کے پرانے قلعے آبنائے کے اس تنگ مقام پر بنے ہوئے تھے جہاں سے بالمقابل کناروں کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ پانچسو قدم ہے۔ محمد ثانی نے جب قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو ان قلعوں کو

[1] یونان کے جزیرہ تماموریا کے شہر ارگوس کے رہنے والے [2] یونانی قدیم افسانوں کا ایک دیوتا
[3] یونانی میتھالوجی کی ایک خوبصورت شہزادی جس پر دیوتا مشتری اُسے غسل کرتے دیکھکر عاشق ہو گیا اور ہنس کی شکل میں اُس سے ملتا رہا۔ اور لیڈا کے دیوتا سے دو بیٹے ہوئے:

گرا دیا۔ اور انکی جگہ زیادہ مضبوط قلعے بنائے۔ لیکن ترکی فاتح کو غالباً اس امر کی خبر نہ تھی کہ اسکی سلطنت سے دو ہزار سال پیشتر دارا نے بھی دو براعظموں کو کشتیوں کے پل سے باہم ملا دینے کے لئے یہی مقام پسند کیا تھا۔ پرانے قلعوں سے تھوڑے ہی فاصلہ پر کرسوپولیس یا سقوطری[1] کا شہر آباد ہے۔ جسے قسطنطنیہ کا ایشیائی حصہ خیال کرنا چاہیئے۔ باسفرس جب پر پونٹس سے ملنے لگتی ہے تو بائی زنٹیم اور کلسیڈان کے درمیان سے گذرتی ہے۔ کلسیڈان کو یونانیوں نے بائی زنٹیئم سے چند سال پیشتر آباد کیا تھا۔ اور اسکے بانیوں کے اندھے پن پر جنہوں نے ساحل مقابل کے فوائد کو نظر انداز کر دیا تھا۔ عام نفرت ظاہر کی جاتی ہے۔

۴۔ بندرگاہ قسطنطنیہ کا لنگرگاہ جسے باسفرس کا بازو سمجھنا چاہیئے قدیم زمانہ سے شاخ زرین کے نام سے مشہور ہے۔ اسکا خم کسی قدر بارہ سنگا کے سینگ سے مشابہ ہے۔ لیکن زیادہ تر یہ بیل کے سینگ سے مشابہت رکھتا ہے۔ زرین کا لقب ہی اس امر کی کافی دلیل ہے۔ کہ ہوا دُور دراز ملکوں سے قسطنطنیہ کے وسیع اور محفوظ بندرگاہ میں کیا کیا دولتیں لاتی تھی۔ دریائے لائیکس جو دو ندیوں کے ملنے سے بنتا ہے۔ بندرگاہ میں تازہ پانی متواتر ڈالتا رہتا ہے۔ جس سے نہ صاف ہو جاتی ہے۔ اور مچھلیاں اس آرام دہ مقام میں جمع رہتی ہیں۔ کیونکہ لہریں ان سمندوں میں اکثر بحیثیت ساکن رہتی ہیں بندرگاہ کی گہرائی اس قدر ہے۔ کہ جہاز اسباب کو کشتیوں کے بغیر ہی لنگرگاہ میں اتار سکتے ہیں اکثر اوقات دیکھا گیا ہے کہ بعض بعض مقامات پر بڑے بڑے جہاز مکانوں کی دیواروں تک آسکتے ہیں دہانہ لائیکس سے لیکر دہانہ لنگرگاہ تک باسفرس کا یہ بازو سات میل لمبا ہے۔ داخل ہونیکا رستہ پانسو گز چوڑا ہے۔ اور اکثر اوقات بندرگاہ اور شہر کو دشمن کے بحری حملے سے بچانیکے لئے ایک مضبوط زنجیر اسکے آرپار ڈالدیجاتی تھی۔

۵۔ پروپانٹس۔ باسفرس اور ہلیس پانٹ کے درمیان اور ایشیا اور یورپ کے کناروں کے مابین بحیرہ مارمورہ جو زمانہ قدیم میں پروپانٹس کے لقب سے ملقب تھا۔ واقع ہے باسفرس کے دہانہ سے لیکر ہلیس پانٹ کے آغاز تک جہاز رانی کا رستہ قریباً ایک سو بیس میل لمبا ہے ان جہازوں کے سوا جو بحیرہ مارمورا کے وسط سے مغرب کی جانب چلتے ہیں۔ تھریس[2] اور بی تھنیا[3] کی سطح آب سے بلند قطعات زمین اور کوہ اولمپس کی بلند چوٹیوں کو جو ہمیشہ برف سے

[1] ترک اسے اسکودار کہتے ہیں [2] یوروپین ٹرکی کا صوبہ واقع برلب بحیرہ مارمورا۔
[3] ایشیائی کوچک کا صوبہ واقع برلب بحیرہ مذکورہ

ڈھکی رہتی ہیں دیکھے بغیر نہیں رہ سکتے۔ انکی دائیں جانب ایک گہری خلیج پڑ گئی جسکے سرے پر ڈائیو کلیشین کی شاہی رہائش گاہ شہر نکومیڈیا آباد تھا۔ اور گالی پولی میں جہانکہ سمندر جو ایشیا اور یورپ کو علیحدہ کرتا ہے۔ پھر ایک تنگ آبنا ہو جاتا ہے لنگر زن ہونیسے پیشتر سنزی کس اور پروکونی سس کے چھوٹے چھوٹے جزیرے انکے راستہ میں پڑیں گے۔

۶- ہیلس پانٹ جغرافیہ دان جنہوں نے نہایت ہوشیاری سے تحقیق کی ہے بیان کرتے ہیں کہ ہیلس پانٹ کا پیچدار راستہ ساٹھ میل لمبا ہے۔ اور اس آبنا کی معمولی چوڑائی قریباً تین میل ہے لیکن آبنا کا نہایت ہی تنگ راستہ پرانے ترکی قلعوں کے شمال کی طرف سیس ٹس اور ابی ڈس شہروں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے کہ جہاں بہادر لی انیڈر نے اپنی معشوقہ کو ہاتھ میں لانیکی خاطر دریا کی بلاخیز موجوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں خسرو نے بالمقابل کناروں کے درمیان جو پانچسو قدم کے فاصلہ پر ہیں اپنی ستّرہ لاکھ فوج کو یورپ میں داخل کرنیکے لئے کشتیوں کا پل بنوایا تھا۔ جو سمندر اس حد تک تنگ ہوا سے فراخ نہیں کہہ سکتے۔ کہ ہومر اور آرفیوز نے ہیلس پانٹ کو فراخ بیان کیا ہے۔ لیکن بڑائی اور چھٹائی نسبتاً قیاس کی جاتی ہے۔ وہ مسافر اور خاصکر شاعر جو کہ ہیلس پانٹ میں سے گذرتے ہیں۔ اسکے پیچدار رستوں کے خیال اور اس قدرتی دہقانی نظارے کے جو دونوں طرف برابر برابر چلا گیا ہے دیکھنے میں ایسے محو ہو جاتے ہیں کہ انہیں بیابانک خبر نہیں ہوتی۔ کہ وہ سمندر میں ہیں۔ اور انکا خیال اس مشہور آبناء کو ایک ایسا تند اور تیز رفتار دریا قیاس کر لیتا ہے جو کہ درخت دار اور اندرونی ملک سے بہ کر آخرش ایک فراخ دہانہ کی راہ ایجیئن[1] یا آرکی پلیگو میں جا گرتا ہے۔ قدیم شہر ٹرائے سے جو کوہ ایڈا کی ایک چوٹی پر واقع تھا ہیلس پانٹ کا دہانہ جسمیں سیمو اس اور سکامنڈر کی دائمی اور ابدی ندیاں گرتی ہیں۔ بخوبی دیکھا جاتا تھا۔ اور یونانی فوج محافظ کا لشکر گاہ سیجئیم سے لیکر رسیٹیم کی پہاڑی تک کنارہ کے ساتھ ساتھ بارہ میل میں پھیلا ہوتا تھا۔ بائی زنٹیم کے موقع کے پسند آنے سے پیشتر قسطنطین نے اس وسیع میدان کو جو قدیم ٹرائے کے پاس رِٹیُن پہاڑی اور ایجکس کی قبر کی طرف واقع ہے۔ اپنے نئے دار السلطنت کیلئے پسند کیا تھا اور تعمیر کا کام بھی شروع ہو گیا تھا۔ مگر اُسے جلدی ہی ترک کر دیا گیا۔ تاہم نا مکمل دیواروں اور برجوں کے نشانہ بقیہ ان لوگوں کی توجہ کو جو ہیلس پانٹ کی آبناؤں سے گذرتے ہیں مدتوں تک اپنی طرف کھینچتے رہتے۔

[1] بحیرہ مجمع الجزائر۔

۷- فوائد قسطنطنیہ۔ قسطنطنیہ قدرتاً ایک ایسے مقام پر واقعہ ہے کہ اس کیلئے ایک بڑی سلطنت کا دار الخلافہ یا مرکز ہونا ضروری ہے۔ اسکی جائے وقوع سے بڑے بڑے فوائد ملحق ہیں۔ یہ شاہی شہر سات پہاڑیوں پر بنا ہوا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خوشگوار و معتدل ہے۔ زمین سرسبز اور بندرگاہ محفوظ اور وسیع ہے۔ خشکی کے رستہ اسکی طرف بڑھنا نہایت مشکل اور اسکی حفاظت بہت آسان تھی۔ باسفرس اور ہیلیس پانٹ قسطنطنیہ کے دو دروازے خیال کرنے چاہئیں۔ یہاں کے بادشاہ ہمیشہ انکو دشمن کے جنگی بیڑہ جہازات کے برخلاف بند کر دیتے اور تجارتی جہازوں کی آمد و رفت کیلئے کھلا رکھا کرتے تھے۔ قسطنطین کی یہ پالیسی تھی کہ شرقی صوبجات کو محفوظ رکھے۔ چنانچہ یوکسائین کے باشندے جو زمانہ گذشتہ میں بحیرۂ روم میں اپنی فوجیں لے آتے تھے لوٹ مار سے باز آگئے۔ اور ناقابل فتح حد پر حملہ کر نیمیں مایوس ہو گئے۔ جب باسفرس اور ہیلیس پانٹ کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ تب تو دار الخلافہ کے وسیع احاطہ میں ہر ایک پیداوار مہیّا ہوتی تھی۔ اور وہ اسکے بیشمار باشندوں کی ضروریات اور سامان عیش کیلئے کفایت کرتی تھی۔ تھریس اور بی تھینیا کے سواحل بحر گو بدنصیبی سے بہت کچھ برباد ہو گئے ہیں۔ تاہم ابھی تک وہاں انگورستان۔ باغیچے اور فصلیں بہت اچھی حالت میں رکھی جاتی ہیں اور مشہور ہے کہ پروپانٹس میں اس کثرت سے مچھلیاں موجود ہیں کہ انکو موسم بہار میں بغیر کسی مشکل یا محنت کے پکڑ سکتے ہیں اور پھر بھی انکا ذخیرہ ختم نہیں ہوتا۔ لیکن جبکہ تجارت کا رستہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر قسطنطنیہ یوکسائین اور بحیرۂ روم کے جنوب اور شرق کی قدرتی اور مصنوعی دولتوں سے مالا مال ہو جاتا تھا۔ اور وہ ذخائر وغیرہ جو جرمنی اور سیدیا کے جنگلوں میں ٹینی آس اور بورس تھینیز کے منبعون تک سے اکٹھے کئے جاتے تھے جو کچھ یورپ اور ایشیا کے کاریگر تیار کرتے تھے۔ مصر کا غلہ اور دور دراز ہندوستان کے جواہر و موتی قسطنطنیہ کے بندرگاہ میں جسنے کئی زمانوں تک قدیم دنیا کی تجارت کو اپنی طرف کھینچ رکھا تھا۔ لائے جاتے تھے۔

۸- شہر کی بنا۔ خوبصورتی۔ مضبوطی اور دولت کا ایک مقام پر جمع ہونا قسطنطین کی پسند کی کافی تصدیق ہے۔ ہر ایک زمانہ میں رواج چلا آیا ہے۔ کہ جب کسی بڑے شہر یا قصبہ کی بنیاد ڈالی جاتی ہے تو اس کے بارے میں بہت سے قصے اور کہانیاں بنائے جاتے ہیں۔ اسی طرح قسطنطین نے قسطنطنیہ کی بنیاد ڈالتے وقت یہ اظہار کیا کہ مجھے اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں خدا کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ یعنی خدا کے احکام کی فرمانبرداری میں میں اس شہر کی ہمیشہ تک قائم رہنے والی بنیاد ڈالتا ہوں۔ لیکن اسنے یہ کبھی بیان نہیں کیا تھا کہ اسے الہام کس طریقہ سے ہوتا ہے۔ اس امر میں خاموشی اختیار کرنیسے مورخین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسکو الہام نہ ہوا کرتا تھا۔ بلکہ جب وہ بائی زینٹیم کی دیواروں کے اندر سویا کرتا تھا۔ تو اسکی وہم خوابیوں میں اسکے خیالات کی مجسّم تصویر اسکے رُوبرو پیش کر دیا کرتے تھے۔ خواب میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ پیرانہ سالی اور کمزوریوں کی وجہ سے

دبی ہوئی معزز بوڑھی عورت جو شہر کی نگہدار چڑیل تھی دفعتاً ایک نوجوان دوشیزہ نازنین کی شکل میں بدل آئی ہے جسکو خود اُسنے اپنے ہاتھوں سے تمام شاہانہ عظمت کے نشانوں کے ساتھ بار سنگار کیا ہے - یہ دیکھکر وہ چونک پڑا - اور یہ خواب اوروں کو سنایا - اور بغیر کسی تاخیر کے خدا کی مرضی کی تعمیل کی - رومنیز میں یہ رسم مدتوں سے چلی آتی تھی کہ جب کسی نئے شہر یا نو آبادی کی بنیاد ڈالی جاتی تو وہ بڑی خوشی مناتے اور جلسے کرتے - گو قسطنطین عام لوگوں کی رسموں کے ادا کرنیکا زیادہ خواہشمند نہ تہا - لیکن پھر بھی اُسنے عوام کے دلوں پر اپنا کچھ اثر جمانیکے لئے چند رسومات کو بڑی دہوم دہام سے ادا کیا - ایک جلوس شاہانہ کو ساتھ لیکر شہنشاہ پیادہ پا انکے آگے آگے چلا اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تہا جس سے وہ نئے دارالسلطنت کی حدود کو نشان کرتا ہوا چلا گیا - اور اسکا محیط یہانتک بڑھ گیا - کہ اسکے نائبین دیکھکر حیران رہ گئے - لیکن شہنشاہ ابھی نشان کئے جا رہا تھا - آخر اُن سے نہ رہا گیا - اور یہ کہنے سے باز نہ رہ سکے - کہ حضور بس فرمائیے شہر کی حدود بہت بڑھ گئی ہیں قسطنطین نے جواب دیا - میں ابھی اور آگے بڑھونگا جبتک کہ میرا رہنما کسی کو نظر نہیں آتا - اور جو میرے آگے آگے چل رہا ہے - شہر نامناسب خیال نکرے ہم اس عجیب رہنما کی خود کوئی تحقیقات کرنا نہیں چاہتے اور اسکو یہیں چھوڑ کر قسطنطنیہ کی حدود اور وسعت کو بیان کرتے ہیں -

۹ - وسعت بقول گبن :- شہر کی اصلی حالتیں سراگلیو کے باغات اور محلات جو سات پہاڑیوں میں سے سب سے پہلی پہاڑی پر بنے ہوئے ہیں - اکیسو پچاس ایکڑ رقبہ پر ہیں - ترکی غیرت اور مطلق العنانی کی یہ نشیب گاہ گریشین جمہور کی بنیادوں پر بنی ہوئی ہے - لیکن یہ بتا دینا مناسب ہے - کہ باشندگان بائی زنطیم بندرگاہ کی راحت و آرام کو مدنظر رکھکر سراگلیو یعنی قدیم محل شاہی کی موجودہ حدود سے پرے آباد ہے قسطنطین کی نئی دیواریں اُن پرانی فصیلوں سے پندرہ سٹیڈیا[ا] کے فاصلہ پر بندرگاہ سے لیکر پروپانٹس تک پھیلی ہوئی تھیں - اور شہر بائی زنطیم اور سات میں سے پانچ پہاڑیوں کے گرد جو ایک ناظر کی نظر میں نہایت خوبصورت ترتیب سے اٹھتی چلی گئی ہیں - بنی ہوئی تھیں - بانی کی وفات سے ایک صدی بعد بندرگاہ اور پروپانٹس کے اطراف میں اور بہت سی عمارات بن گئیں - اور چھٹی پہاڑی کا تنگ کنارہ اور ساتویں پہاڑی کی فراخ چوٹی بھی اُن میں گھر گئی - شہر اور اسکی نواحیات کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کیلئے ینگر و خورد تھیوڈوسیس ثانی نے دارالسلطنت کے گرداگرد ایک بڑی مضبوط فصیل بنوائی - مشرقی پہاڑی سے لیکر زرین دروازہ تک قسطنطنیہ کی زیادہ سے زیادہ لمبائی تین رومن میل تھی - محیط دس اور گیارہ میلوں کے بین بین تہا - اور اسکی سطح قریباً دو ہزار انگریزی ایکڑوں کے برابر تھی - موجودہ زمانہ کے سیاحوں کی جو یورپ اور ایشیا کے متصلہ دیہات کو قسطنطنیہ کی حدود میں شامل بناتے ہیں -

[ا] ایک سٹیڈیا = ۲۰۲ گز ۹ انچ

مبالغہ آمیز تحریروں کی تصدیق کرنی ناممکن ہے لیکن پیرا اور گلاٹا کے محلے گو وہ سمندر سے پرے واقع ہیں شہر کا ایک حصّہ خیال کئے جاسکتے ہیں۔ اور یہ زیادتی بائی زینٹیم کے اس رُخ کی تصدیق کرو گی جس نے قسطنطنیہ کے محیط کو سولہ یونانی میل بتایا ہے اتنی بڑی وسعت ایک شاہی رہائش گاہ کیلئے کچھ کم نہیں ہے۔ تاہم قسطنطنیہ قدیم بابل اور تھیبز۔ قدیم روم۔ لندن اور نیز پیرس سے نسبتاً چھوٹا شہر ہے۔

۱۰۔ صنعت و حرفت کی ترقی۔۔ رومن دنیا کے مالک نے جب اپنی سلطنت کی سطوت و شوکت قائم رکھنے کیلئے ایک یادگار بنانیکی تجویز کی۔ تو اس نے زر۔ محنت اور اپنی لکھو کھا رعایا کی ہنر و فنون سے پورا پورا کام لیا۔ قسطنطنیہ کی دیواریں رواق اور حوض بنانے پر پچیس لاکھ پونڈ کی لاگت آئی۔ یوکسائین کے جنگلوں اور جزیرہ پروکونیسس کی سفید سنگ مرمر کی کانوں سے مصالحہ کا ذخیرہ سہولیت کے لئے کشتیوں پر لاد لاکر بائی زینٹیم کے بندرگاہ میں لایا گیا۔ کام کو انجام تک پہنچانیکے بیشمار مزدور اور کاریگر لگائے گئے۔ جنہوں نے بڑی جانفشانی سے کام کو تمام کیا۔ لیکن قسطنطنیہ کو اسوقت معلوم ہو گیا کہ صنعت و حرفت کی تنزّل سے اسکی تجاویز شان و شوکت میں اسکے حسبِ منشا پوری نہیں ہوئیں اور یہ کہ عمارات کی خوبصورتی و زیبائش اُس سے نسبتاً بہت ہی کم ہے۔ جو اس نے خیال کر رکھی تھی پہلے صوبجات کے اعلیٰ حکام کے نام حکم نافذ ہوئے کہ ہر ایک جگہ سکول بنائے جاویں معلم مقرر کئے جاویں۔ اور انعام و اکرام اور حقوق کی امید دلاکر ذہین طلبا کی ایک کافی جماعت کو جنہوں نے معقول کتابی تعلیم پائی ہو صنعت و حرفت کی طرف مشغول کیا جاوے۔ نئے شہر کی عمارات اُنہی کاریگروں نے بنائیں جنہیں قسطنطین بروقت مہیا کر سکا۔ لیکن انکی زیبائش کا کام پیریکلیز اور سکندر کے زمانہ کے لوگوں کے ہاتھوں سے اہتمام پایا۔ قدیم صنّاعوں فیڈیاس اور لسی پس کی الیفی نامت کو از سر نو تازہ کرنا تو روشن شہنشاہوں کی حد قدرت سے اعلیٰ و برتر تھا۔ لیکن اعلیٰ فنون و ہنر کی یادگاریں جو وہ پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ بغیر کسی حفاظت کے ظالم کے یغما کے لئے کھولدی گئیں۔ اسکے حکم سے یونان اور ایشیا کے شہروں سے قیمتی زیور و جواہرات لوٹ لئے گئے فاتح یا جنگوں کی نشانیاں مذہبی عزت کی اشیا۔ اور قدیم زمانہ کے دیوتاؤں۔ بہادروں۔ رشیوں اور شاعروں کے نہایت ہی خوبصورت بت قسطنطنیہ کی نذر کر دیئے گئے۔

۱۱۔ عمارات۔ بائی زینٹیم کے محاصرہ میں فاتح نے اپنا خیمہ دوسری پہاڑی کی چوٹی پر نصب کیا تھا اپنی فتح کی یادگار قائم رکھنے کیلئے تو اُسنے بڑی بھاری فورم (چبوترا) کے لئے جو دائرہ کی شکل میں یا کسی قدر بیضوی صورت میں ہے۔ یہی کارآمد مقام پسند کیا بالمقابل کے دو دروازوں پر بڑی بڑی عالیشان محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ اور رواقوں میں جو چبوترہ کے چاروں طرف بنے ہوئے تھے۔ بُت بھرے پڑے تھے اور اسکے

وسط میں ایک بلند مینار بنا ہوا تھا۔ اور اُس کا بدنما بچا کھچا حصہ اب برنٹ پلر (جلا ہوا ستون) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مینار ایک سو بیس فٹ بلند سنگ مرمر کے پایۂ ستون پر بنا ہوا تھا۔ اور اُسمیں رنگ سماق کے دس ٹکڑے جن میں سے ہر ایک کی لمبائی دس فٹ اور محیط قریباً تنتیس فٹ تھا۔ لگے ہوئے تھے مینار کی چوٹی پر جو زمین سے ایک سو بیس فٹ بلند تھی۔ اپولو کا ایک بہت بڑا بت نصب تھا۔ یہ پیتل کا بنا ہوا تھا۔ اور ایتھنز یا فریجیا کے کسی شہر سے یہاں لایا گیا تھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ فیڈ اس نے اسے بنایا تھا۔ یہ بُت دن کے دیوتا کی تصویر تھی یا جیسا کہ بعد ازاں بیان کیا گیا ہے خود شہنشاہ قسطنطین کی تصویر تھی۔ جسکے بائیں ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ اور دائیں میں کرۂ زمین اور سر پر ایک روشن تاج جگمگا رہا تھا۔ سرکس یا ہپوڈروم ایک عالیشان عمارت تھی جسکی لمبائی چار سو قدم اور چوڑائی ایک سو قدم تھی۔ دونوں نشانوں کے درمیان کی جگہ میں بت اور مربع مینار بنے ہوئے تھے۔ اور ابھی تک قدیم زمانہ کا بچا ہوا ایک حصہ موجود ہے۔ یعنی تین سانپوں کے جسم جو ایک تانبے کے مینار کی شکل میں لپٹے ہوئے ہیں۔ کسی زمانہ میں اُن کے تین سروں پر ایک طلائی تپائی جچھی ہوئی تھی جسے فتحمند یونانیوں نے خرخس کی شکست کے بعد ڈیلفی کے مندر میں نذر کر دیا تھا۔ ہپوڈروم کی خوبصورتی کو ترک فاتحوں کے سخت ہاتھوں نے بالکل بدنما کر دیا ہے یہ آت میدان (میدانِ اسپان) کے نام سے ابھی تک انکے گھوڑوں کے مشق کا کام دیتا ہے تخت سے جسپر شہنشاہ بیٹھ کر سرکس کے کرتب دکھایا کرتا تھا۔ ایک پیچدار زینہ ایک عالی شان محل کو جو معہ اپنے ایوانوں اور رواقوں کے پروپانٹس کے کناروں پر ہیں۔ اور گرجا سینٹ صوفیا کے درمیان ایک بڑے احاطۂ زمین پر بنا ہوا تھا جاتا تھا۔ اسی طرح وہاں غسل خانے بھی تھے جو ابھی تک زیوکسیپس کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کو قسطنطین نے اپنے مالِ خیرات سے تیار کروایا تھا۔ اور ان میں مختلف قسم کے پتھروں کے بلند مینار اور ترسیٹھ سے اوپر پیتل کے بُت بنے ہوئے تھے۔ اگر شہر کی ہر ایک عمارت کا مفصل ذکر کیا جائے۔ تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائیگی اسلئے یہ کہدینا کافی ہے کہ ایک بڑے دارالسلطنت کے زینت و زیبائش اور اسکے باشندوں کے تفریح گاہ کے لئے جو کچھ ضروری ہے وہ سب قسطنطنیہ کی دیواروں کے اندر موجود تھا۔ اس کی بنیاد سے سو برس بعد جو حالات لکھے گئے ہیں اُن کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس وقت قسطنطنیہ میں ایک تعلیم و تربیت کا سکول ایک سرکس۔ دو تھیئٹر۔ آٹھ عام اور ایک سو ترپن پرائیویٹ غسل خانے۔ باون رواق۔ پانچ غلّہ کے گھتے۔ آٹھ تالاب۔ سینٹ یا عدالت کے اجلاسوں کے لئے چار وسیع

کمرے۔ چودہ گرجے۔ چودہ محل اور چار ہزار تین سو اٹھاسی عالیشان اور خوب صورت مکانات تھے۔

۱۲۔ آبادی۔ قسطنطین کی دوسری بڑی خواہش یہ تھی کہ اُس کے پیارے شہر میں آبادی کی خوب رونق ہو۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ روم کے شریف خاندان ممبران سینیٹ حکام اور ان کے بیشمار نوکر چاکر سب اپنے بادشاہ کے پاس بیروبانٹس کے کناروں پر چلے آئے۔ اور پرانے دار الخلافہ میں صرف رذیل قومیں ہی آباد رہ گئیں۔ اٹلی کی زمینیں جن پر اب تک باغات لگے ہوئے تھے۔ خوب کاشتکاری کی جاتی تھی۔ فوراً زراعت اور آبادی سے محروم ہوگئیں۔ یہ خیال نہ کر لینا چاہیئے۔ کہ قسطنطنیہ کی آبادی انسان کی تعداد اور محنت میں اضافہ ہوجانے سے بڑھ گئی تھی۔ بلکہ یہ سلطنت کے دیگر شہروں کی تباہی سے بڑھی تھی۔ روم اور شرقی صوبجات کے دولت مند سینیٹرز کو قسطنطین نے مدعو کیا تھا۔ اور یہیں رہنے اور اپنی قسمت آزمائی کرنیکی فہمائش کی۔ تمام لوگوں نے اسے قبول کر لیا۔ اور سب کو رہنے کے لئے محلات زمینیں۔ وظیفے اور پونٹس اور ایشیا میں جاگیریں عطا کیں۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد یہ سب کچھ بند کر دیا گیا۔ کیونکہ جہاں کہیں بادشاہ رہے وہیں وُزراء اُمراء اور دیگر باشندوں کو رہنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح دار السلطنت میں بہت ترقی ہوسکتی ہے۔ اور وہاں مزدوروں سوداگروں اور کاریگروں کی بہت مانگ رہتی ہے اس طرح پر قسطنطنیہ میں ہر قسم کا آدمی موجود پایا جاتا تھا۔ اور یہی اس کی آبادی میں ترقی ہونیکی وجہ تھی۔ باشندوں کی روز افزوں ترقی کے باعث پہلا احاطہ زمین کم ہوگیا۔ اور اس میں بہت سا قطعہ زمین شامل کر لیا گیا۔

قسطنطین اور شاہانِ روم کے زمانہ میں قسطنطنیہ کی یہ حالت تھی۔ جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کئی ایک بادشاہ گردیوں اور انقلابوں کے بعد ترکوں نے اُس پر حملہ کیا۔ لیکن کئی دفعہ انہیں منّہ کی کھانی پڑی۔ بایزید یلدرم سا بہادر بادشاہ جس نے ایشیا اور یورپ میں اپنا سکّہ بٹھا لیا تھا۔ اس پر حملہ کرنے سے جھجکتا رہا۔ اور آخرش جب اس نے فتح کر لیا تو تیمور کی پیش قدمی نے اُسے روک دیا۔ بالآخر سلطان محمد ثانی نے اسے فتح کیا۔ اور ترکی گورنمنٹ کا دار الخلافہ

قرار دیا۔ اس زمانے سے لے کر یہ آج تک خاندانِ عثمانیہ کا پایۂ تخت چلا آتا ہے قسطنطنیہ کی فتح کے بعد بھی اس میں بہت سے تغیرؔ واقع ہوئے۔ اور اس نوجوان دوشیزہ نازنین نے آخرش آج کل وہ روپ اختیار کیا جسکی کیفیت بیان کرنے کے لئے سینکڑوں جادو نگاروں نے زورِ قلم دکھایا۔ اور ہزاروں آئندہ دکھاتے رہیں گے۔ قسطنطنیہ کی بنا۔ ایّام گذشتہ کی تاریخ۔ وہاں کی قدیم عمارات۔ اور موجودہ شاہی محلّات کا مفصل بیان حصّۂ دوم میں درج کیا جائیگا جو کافی مصالحہ بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے اب تک تیار نہیں ہو سکا۔ مگر مخدوم منشی عزیز احمد صاحب لکھنوی مقیم گلاسگو کی امداد و نوازش سے یہ کمی تقریباً اب پوری ہوگئی ہے اس حصّہ میں صرف موجودہ نقشہ ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اور اس غرض کے لئے لیڈی میکس مولر اور ایف موریِن کرافورڈ کی کتابوں کا بجنسہٖ ترجمہ دینا کفایت کریگا۔ قسطنطنیہ پر یہ تازہ ترین تصنیفات یورپین کی ہیں۔ ترجمہ میں جابجا حسب ضرورت حواشی بھی ایزاد کر دیئے گئے ہیں۔

(خاکسار)

(مترجم)

خطوط

از

قسطنطنیہ

محررہ

لیڈی میکس مولر صاحبہ

فہرست مضامین

فہرست تصاویر عکسی

دیباچہ لیڈی صاحبہ

تین برس ہوئے جو خطوط میں نے قسطنطنیہ سے جہاں چند ایام میں نے نہایت خوشی اور مسرت سے بسر کئے تھے تحریر کئے تھے۔ اُن میں اور مضامین بڑھا کر یہ خطوط لکھے گئے ہیں۔ میں وہاں اپنے خاوند کے ساتھ جسے آب و ہوا کی تبدیلی اور آرام کرنے کی ضرورت تھی اپنے بیٹے کو جو انگریزی سفارت کا سکریٹری تھا اور اب بھی ہے ملنے گئی تھی۔ ہمارے فرزند نے باسفرس کی بہار اور فرحت بخش خوبصورتی کے متعلق ہم کو اپنے خطوط میں مفصل لکھ کر بہت کچھ تیار کر دیا ہوا تھا۔ تاہم اُس دریا کی پُر فضا نظاری اور قسطنطنیہ اور اس کے قرب و جوار کی پرانی یادگاروں کے عجائبات اور دلکشی کے مشاہدہ سے ہم ششدر رہ گئے۔ سر کلیر فورڈ انگریزی سفیر اور سفارت کے تمام دیگر ارکان ہم سے کمال خوش اخلاقی اور تواضع سے پیش آئے اعلیحضرت سلطان المعظم نے ہمارے حال پر ایسی شاہانہ عنایات مبذول فرمائیں۔ کہ محض مسافروں اور سیّاحوں پر پہلے شاذ و نادر ہی انکو کبھی مبذول کیا گیا ہوگا۔ ہمنے کئی ایسی چیزیں دیکھیں جو بہت کم اجنبیوں کو دیکھنی نصیب ہوئی تھیں اور اکثر کو نہایت ہی اطمینان کے ساتھ خوب سیر ہو کر دیکھا۔ کیونکہ پورے تین مہینوں کی اقامت کے اوران میں محل سرائے ہمایوں کا ایک ایڈیکانگ ہمارے ساتھ رہا۔ اور اسکی سرکاری۔ درباری وردی کی طفیل ہم کو کئی ایسے مقامات میں گذر اور دخل نصیب ہو گیا۔ جہاں اس کے بغیر خواہ ہم کتنی رقم انعام و بخشش پر خرچ کرتے۔ ہم کو ایک قدم بھی نہ رکھنا ملتا۔ یاور کی ہمراہ ہونے کی وجہ سے ہم کو استنبول کے پر ہجوم بازاروں میں سے گذرتے وقت اور مساجد یا سلطنت قیاصرہ کی پرانی اور متروک الاستعمال عمارات اور یادگاروں کو جاتے ہوئے ذرّہ بھر خطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ہم اس سیاحت و اقامت سے ایسے خوش آئے کہ روانگی کے وقت ہمنے پھر بھی وہاں جانیکا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اس امر کی ہمیں سخت تمنا اور خواہش رہتی۔ مگر افسوس پچھلے برس کے واقعات لہ سے اب اس تمنّا کے پورے ہونیکے بہت کم آثار دکھائی

لہ مسِس میکس مولر صاحبہ جو انگلستان کے مشہور و معروف پروفیسر اور ماہر علوم و السنہ مشرقی مسٹر میکس مولر کی زوجہ محترمہ ہیں۔ ان واقعات سے آرمینیوں کی بغاوت اور قسطنطنیہ میں انکے پے درپے فساد و ہنگامہ پردازی سے

دیتی ہیں نہ اب یہی توقع ہو سکتی ہے کہ جس غرض سے یہ خطوط لکھے گئے تھے وہ حاصل ہو سکیگی۔ اور ان کو پڑھکر اوروں کو بھی رخصت یا فراغت کے دن باسفورس کی لطیف آب و ہوا اور دلفریب منظروں میں بسر کرنے کی ترغیب ہو گی۔

ان خطوط میں سے چند ایک جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہو جائیگا میرے خاوند کے لکھے ہوئے ہیں

جارجینا میکس مولر (جنوری ۱۸۹۷ء)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵ - مراد لے رہی ہیں۔ لیکن میں حیران ہوں کہ ان جیسی قابل اور منصف مزاج عورت ان واقعات سے یہ نتیجہ کس طرح اخذ کر رہی ہے۔ اگر ان کا یہ منشا ہے کہ ان فسادوں سے ظاہر ہو گیا کہ قسطنطنیہ میں جان و مال کی حفاظت کا اندیشہ ہے اور اسلئے وہ یا اور لوگ وہاں جانے سے خوف کرنے لگ گئے ہیں تو شاید بہت کم لوگ ان سے اتفاق کرینگے۔ آرمینوں کا فساد ایک اتفاقیہ معاملہ تھا۔ اور یورپ کا کوئی ایسا دارالخلافہ نہیں جہاں مفسدہ مذکورہ سے بڑھکر سخت اور قسطنطنیہ کی نسبت بہت زیادہ بلوے اور ہنگامے ہر سال نہ ہوتے ہوں اور اگر وہ انگریزی اخبارات کی تحریروں کو درست تسلیم کر کے ترکوں کی متعصب مزاجی اور عیسائیوں کے خون کی پیاسا ہونے پر اتہام پر یقین کر بیٹھی ہیں۔ اور قسطنطنیہ میں آرمینوں کے قتل عام کی مبالغہ آمیز خبروں کو انہوں نے درست سمجھکر پھر قسطنطنیہ جانے کا ارادہ فسخ کر دیا ہے۔ تو یہ امر بھی انکی وسیع الخیالی اور منصفت پسندی سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ اپنی مبالغہ آمیز خبروں کے مشتہر کنندہ اخبارات سے انکو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ کم و بیش جو سزا دیگئی۔ وہ آرمینوں ہی کو ملی تھی۔ کسی اور فرنگی یا دیسی عیسائی کو مسلمان رعایا یا حکومت نے میلی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اور ان فسادوں سے پہلے یا بعد دارالخلافہ یا صوبجات میں ان کو کبھی ذرہ بھر تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ ناظرین اس سے یہ خیال نہ کریں۔ کہ میں نے قسطنطنیہ میں اجنبی لوگوں کی آمد و رفت بغرض سیر و تفریح کے بند ہو جانے کو حکومت کیلئے مفر سمجھکر مسز میکس مولر کی تحریر سے اختلاف ظاہر کیا ہے اس کے برعکس میری ذاتی رائے ہے۔ کہ ٹرکی میں بہت سی خرابیاں انہی اجنبی لوگوں اور دین کے حصہ کثیر کی طفیل ظہور میں آتی ہیں۔ اور ان کی آمد و رفت میں جس قدر کمی ہو۔ اسی قدر ٹرکی کو ان کا زیادہ ممنون ہونا چاہیئے مگر اسکے ساتھ ہی کوئی منصف مزاج یہ گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ وہاں کی حکومت یا انتظام یا رعایا کے بہت بڑے حصہ پر بیجا بہتان یا الزام لگایا جائے اور وہ اسکی تردید یا تکذیب کی کوشش نہ کرے خواہ وہ الزام متذکرہ بالا ضروری مدعا کے حصول ہی میں بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر کیسا ہی ممد کیوں نہ ہو۔

مترجم

قسطنطنیہ میں ورُود

مئی کا مہینہ تھا۔ اور ہمارا جہاز بحیرۂ مارمورا سے چلا جا رہا تھا۔ کہ صبح کے سات بجے ہماری کوٹھری کے دروازہ پر کسی نے آواز دی "اُٹھنے کا وقت آگیا ہے جزائر شہزادگان دکھائی دینے لگ گئے ہیں" اس کیلئے دوبارہ تقاضے کی ضرورت نہ تھی ہم سُنتے ہی جلد جلد کپڑے پہن جہاز کے تختہ پر چڑھ گئے مگر تاریکی اور دُھند کو دیکھکر ہمیں سخت مایوسی ہوئی۔ اسکی وجہ سے ہم اُن مشہور جزیروں کو جو استنبول سے ایک گھنٹہ کے دخانی سفر کی مسافت پر بحیرۂ مرمرا میں واقع ہیں۔ اچھی طرح دیکھ نہ سکے۔ رات کے سات بجے کے قریب ہم ڈارڈ نلز کے دہانہ پر پہنچے تھے۔ یوم ماقبل کو جہاز بحیرہ مجمع الجزائر سے گذرا تھا یہ دن نہایت صاف و دلاویز تھا۔ اور چلتے چلتے ہم کو دُور سے کئی جزیروں کا نظارہ ہوگیا تھا۔ جہاز پر ہم گہری شام کیوقت پائیرس (اتھنز دار الخلافہ یونان کا بندرگاہ) سے سوار ہوئے تھے۔ اسٹیمر پر بھانت بھانت کے مسافر پہلے سے سوار تھے۔ جن میں سے بعض بہت ہی عجیب غریب تھے۔ تختہ زیریں[1] پر البانوی اور مانٹی نگروی وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ معاش کی تلاش میں استنبول کو جا رہے تھے۔ اُن میں سے جو متاہل تھے۔ ان کے عیال بھی ساتھ تھے۔ وہ وحشی مزاج اور غلیظ الشکل تھے اور کارفو میں سٹیمر پر سوار ہوتے وقت بڑی احتیاط کے ساتھ ان سب کے ہتھیار لیلئے گئے تھے تاکہ جہاز میں آپس میں یا کسی اَور کے ساتھ دنگہ و فساد نکریں) وہ اپنے بستر۔ چٹائیاں اور کھانے پکانے کے برتن ساتھ لائے تھے۔ اور کھانے پینے سونے یا جب ان تینوں کاموں سے فارغ ہوں تو جوا اور تاش کھیلنے کے سوا انکو اور کوئی کام نہ تھا جنکے پاس تاش کے پکیٹ تھے۔ وہ ان سے کھیلتے تھے۔ اور باقیماندہ نے کاغذ کے ٹکڑے پھاڑ کر اُن پر ایسی طرح جسکو وہ خود ہی اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ نشان کر لئے ہوئے تھے۔ اور معلوم ہو رہا تھا۔ کہ یہ ٹکڑے ان کو برابر چھپے ہوئے پتوں جیسا کام دے رہے ہیں۔ ہمارے کمرہ اور خزانہ کی دریائی چوبی دیوار میں در یچے تھے۔ افسران جہاز نے ہم کو خبردار کر دیا تھا۔ کہ ان کو کبھی کھلا چھوڑ کر باہر نہ آیا کریں۔ پہلی رات سخت گرمی ہونیکی وجہ سے میں نے انکو سونے کے وقت کھلا رہنے دیا تھا مگر لیمپ گل ہونیسے تھوڑی سی دیر بعد محافظ نے انکو آہستگی بند کر دیا۔ اول درجہ کے مسافروں نے ان عجیب الخصلت ہم سفروں کے پاس نیچے جانیکی کبھی کوشش نہ کی۔ ہم اکثر بالائی چھت پر کٹہرے کے پاس کھڑے ہو کر اُن کو

[1] معمولی جہازوں میں عموماً دو ڈیک یا دو تختے ہوتے ہیں ایک بالائی یعنی چھت دوسرا زیریں جسکو خزانہ بھی کہتے ہیں یہ عموماً دریائی

مختصر سے کہانے پکانے۔ تمکنت کے ساتھ تمباکو پیتے ہوئے تاش وغیرہ کھیلتے یا اپنے ملک کے دلیرانہ راگ گاتے ہوئے دیکھتے رہتے۔ جن رومالوں یا دسترخوانوں میں وہ اپنے کھانیکی چیزیں چولہوں کے پاس لیجاتے تھے۔ وہ نہایت ہی غلیظ اور گندے ہوتے تھے عورتیں الگ بیٹھی ہوئی بچوں کو بہلایا کرتی تھیں۔ ان کے چہروں پر بھی مردوں سے کچھ کم وحشت نہ برستی تھی۔ خیر ہم پائیرس سے روانہ ہوئے۔ فرانسیسی بیڑہ بندر مذکور کے قریب لنگرزن تھا۔ اور اسکے کمانڈر نے شاہ و ملکۂ یونان کی دعوت کی تھی۔ چنانچہ رات پڑتے ہی بیڑہ کے تمام جہازوں پر چراغاں کی گئی۔ انکی روشنی نے سمندر کے شفاف پانی پر عجیب دلفریب سماں باندھ دیا تھا۔ اور جب ہمارے جہاز نے حرکت کی تو ہم رات کی تاریکی میں عرصہ تک اسکا نظارہ کرتے رہے۔ جہاز پر ہمارے فرزند کا ایک یونانی دوست بھی سوار تھا۔ وہ قسطنطنیہ کے محلہ پیرا میں سوداگری کرتا ہے۔ اسکی بیوی اور بیٹیاں بھی ساتھ تھیں۔ بعد ازاں پیرا اور تھراپیا کی اقامت کے دوران میں ہمنے انکی صحبت میں کئی مرتبہ چند چند گھنٹے نہایت لطف سے بسر کئے

جزائر شہزادگاں تعداد میں نو ہیں۔ بائی زنطینی قیاصرہ ان کو بہت پسند کرتے تھے اور تفریح و آرام کیلئے اکثر ان میں رہائش رکھا کرتے تھے۔ اسی سے انکا یہ نام پڑگیا۔ چار میں ابھی تک آبادی ہے۔ باقی غیر آباد چٹان پڑے ہیں۔ گو ان میں سے بھی بعض میں پرانے راہب خانوں کے کھنڈرات موجود ہیں۔ بڑے چاروں جزیروں میں سے ہر میں کئی یونانی راہب خانے اب بھی موجود اور آباد ہیں۔ ترک ان جزائر کو سرخ جزیرے کہتے ہیں جسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہاں کے چٹان لوہا بہت زیادہ ہونے سے سرخ رنگ کے ہیں۔ ہم ان میں سے صرف جزیرہ پلیٹ (ہموار چٹان) کے پاس سے گذرے۔ اس پر سر ہنری بلور[1] نے جبکہ وہ قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر تھا۔ اینگلو سیکسن یعنی زمانہ متوسط کی انگریزی طرز کا) قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ اور افواہ ہے کہ اس میں بالکل ترکی پاشاؤں جیسے ٹھاٹھ اور تزک و احتشام سے رہتا تھا۔ اور کل نوکر چاکر بھی ترک ہی رکھے ہوئے تھے۔ اب یہ تقریباً منہدم ہو گیا ہے۔ اور اس کا بہت تھوڑا حصہ باقی کھڑا ہے۔ سب سے بڑے جزیرہ کا نام "پرنکیپو" ہے۔ قسطنطنیہ پہنچنے سے چند دن بعد ہم اپنے سفیر کے ساتھ یہاں آئے تھے۔ اور ایک سربرآوردہ یونانی خاندان کے ہاں کھانا تناول کیا تھا۔ یہ جزیرہ سمندر سے

[1] یہ انگریزی مدبر اور مصنف لارڈ لٹن مرحوم سابق گورنر جنرل ہند کا والد سنہ ۱۸۵۸ء میں لارڈ سٹریٹفورڈ ڈی ریڈکلف سے بعد قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر ہوا۔ سنہ ۱۸۰۴ء میں پیدا اور سنہ ۱۸۷۲ء میں فوت ہوا۔ مترجم

بالکل سیدھا اُٹھا ہُوا ہے اور دو پہاڑیوں سے بنا ہُوا ہے جن کے درمیان ایک عمیق گھاٹی حائل ہے۔ جزیرہ کے درمیانی حصہ پر صنوبر کے گھنے جنگل موجود ہیں۔ دونوں پہاڑیوں میں سے شمال کی طرف کی پہاڑی کے اُس کے گرداگرد خوبصورت سڑک بنی ہوئی ہے جس پر کھڑے ہونے سے ایشیائی ساحل تک سمندر کا خوب نظارہ ہوتا ہے۔ سڑک کی بائیں پہاڑی پر خوبصورت بنگلے بنے ہوئے ہیں جنکے چاروں طرف کمال رُوح افزا باغات ہیں جو ساحل کیطرف ڈھلتے چلے جاتے ہیں جیسی کثرت گلاب کے پھولوں کی میں نے ان باغوں میں دیکھی ہے ویسی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ انکی زرخیزی منطقہ معتدلہ کی قوت نمو یہ اور باروری کو خجل کرتی ہے۔ پرنکیبو کے بعد ہلکی آور انٹی گونی باقی سب سے بڑے جزیرے ہیں۔ ہم ان میں سے کبھی کسی پر نہ اُترے لیکن کئی مرتبہ اُن کے پاس گذرنے کا اتفاق ہُوا۔ اُن پر بھی پرنکیبو کی طرح خوب گھنے جنگل موجود ہیں۔ مگر ان کا ساحل نسبتاً زیادہ چٹانی ہے ان سب جزیروں کی آب و ہوا معتدل ہے اور قسطنطنیہ یا تھریسیا کی نسبت آب و ہوا کی نسبت اس میں زیادہ یکسانی ہے۔ چنانچہ اگر گرمی جلد پڑنے لگ جائے تو سفرائے دول (شہری محلات کو چھوڑ کر) باسفرس کے کنارہ کے بنگلوں میں جانے سے پیشتر اکثر دن گذارنے کے لئے پرنکیپو چلے جاتے ہیں کیونکہ اس کے لئے انکو کوئی خاص تردد کرنا نہیں پڑتا غلطہ کے بیرونی رہا پیلے، پل اور جزیرہ کے درمیان ہر وقت سٹیمر آتے جاتے رہتے ہیں۔

جزائر شہزادگاں کے پاس سے گذرنے کے بعد ہم استنبول کے پہلے نظارہ کو دیکھنے کیلئے بڑے اشتیاق سے منتظر ہو بیٹھے۔ اور تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں سات پست قامت پہاڑیوں پر جن میں سے ہر ایک کی چوٹی پر شاہی تاج کی طرح مسجد موجود ہے بنی ہوئے اور بتدریج اُٹھتے ہوئے خوبصورت شہر کا بعید سی نظارہ دکھائی دینے لگ گیا۔ اسکا یہ نظارہ جس کا اتفاق ہم کو پہلی مرتبہ ہُوا تھا۔ گو ہمنے ایسے وقت کیا جبکہ مطلع مکدّر اور موسم غلیظ تھا۔ تاہم اُسے دیکھتے ہی ہمیں تسلیم کرنا پڑا۔ کہ جتنے مقام ہمنے اب تک دیکھے ہیں یہ اُن سب سے بڑھ کر خوبصورت ہے۔ بعد میں اسی نظارہ کو اکثر مرتبہ اور مختلف وقتوں میں دیکھکر ہمنے دل کے ارمان سیر ہو کر نکال لئے دوپہر کی تیز اور چلکتی ہوئی اور سہ پہر کی نرم روشنی میں۔ تاریک رات کو جبکہ صرف مکانات کی بیشمار چراغوں سے شہر کے وجود کا پتہ ملتا تھا۔ اور چاند کی سہانی چاندنی میں جسمیں سب سے بڑھ کر کیفیت حاصل ہوئی اور جو ایسی تھی کہ ایک ایک مکان جدا جدا صاف صاف دکھائی دیتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا۔ کہ ہم نے اس میں اس نظارہ کا لطف نہ

لہ بحری فوج کے افسروں کی تعلیم و تربیت کیلئے اس جزیرے میں عالیشان سرکاری کالج ہے جسکی مفصل حالات واقعات روم سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مترجم

اُٹھایا ہو - یہ فخر قسطنطنیہ ہی کو حاصل ہے - کہ اسے کسی وقت اور کسی روشنی میں مرمرا سے دیکھو - اسکے نظارے کی دلفریبی میں کوئی فرق نہیں پڑیگا - پست پہاڑیوں کی بتدریج بلندی - گونان گوں رنگوں کی آمیزش اور شاندار عمارات ایک دوسری سے ملکر اب مکمل نقشہ بنارہی ہیں کہ اسٹاک ہولم[۲] وینس[۱] - اور خلیج نیپلز[۳] کی خوبصورتیاں سب ایک ہی جگہ آ میں مجتمع ہورہی ہیں - دھوپ میں طرح طرح کے رنگ ایسی شوخی سے چمکتے ہیں - کہ اُن پر نظر نہیں ٹھیر سکتی - نظر ایک مسجد سے دوسری مسجد کو جنکے برف ایسے سفید مینار سرو کے سبز درختوں کے مقابلہ پر جو ہر مسجد کے متصلہ قدیم اور متروک الاستعمال مزاروں یا سکوترے (اسکو درہ) پیرا کے پرلی جانب اور پرانی شہر پناہ سے باہر کے بڑے بڑے شہر ہائے خموشاں میں سیدھے کھڑے ہوئے پہرہ دے رہے ہیں اور زیادہ سفید نظر آتے ہیں تیرتی ہوئی چلی جاتی ہے - تقریبًا تمام ترکی مکانات کی چھتیں شوخ بادامی رنگ کی دکھائی دیتی ہیں - انکے دوش بدوش ہر باغ میں بلند صنوبر کے درخت کھڑے ہیں جن کے پتے سبزی میں طوطی کے پروں کی سبزی کو شرمندہ کر رہے ہیں - اور ان سب کے اوپر عظیم الشان چھتری کی طرح ایسا صاف شفاف اور نیلگوں آسمان چھایا ہوا ہے کہ چند ہفتوں کی اقامت کے بعد طبیعت خواہ مخواہ محض تغیر و تبدل کیلئے انگلستان کے مکدر اور غلیظ مطلع کیواسطے للچانے لگ جاتی ہے:

ہم دُھندا ور کُہر میں سے جو کچھ نظر آسکتا تھا - اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے - کہ اتنے میں ہمیں خبر دیگئی - کہ انگریزی سفارت خانہ کی دُخانی کشتی تیز رفتاری کے ساتھ جہاز کی طرف چلی آرہی ہے - تھوڑی ہی دیر بعد ہمیں بھی وہ نظر آگئی - انگریزی علم کی بیرق اس پر لہرا رہی تھی - اور ہمارا بیٹا جو سفارت میں سکرٹری ہے اسپر سوار تھا - جبتک ہمارا جہاز محلسرائے کے گوشہ کی جیپر سفید سنگ مرمر کے مکان اور سرسبز باغ موجود ہیں نہ مڑا وہ ہمیں برابر دکھائی دیتی رہی - جہاز "گولڈن ہارن" (خلیج قسطنطنیہ) کے دہانہ پر بیرونی یعنی غلطہ پل کے پاس جاکر لنگر انداز ہوگیا - چند لحظوں کے بعد کشتی اسکے ساتھ آلگی اور ہمارا فرزند اوپر جہاز پر

---

۱ اٹلی کے شمال مشرقی حصے کا مشہور شہر اور بندرگاہ ہے جو بحیرہ اڈریاٹک کے شمالی گوشے میں واقع ہے اس شہر میں سڑکوں سے زیادہ چھوٹی بڑی نہریں ہیں جو بازاروں کا کام دیتی ہیں - اور ان پر چارسو کے قریب پل بنے ہوئے ہیں یہ شہر سنہ ۴۲۱ء میں تعمیر کیا گیا تھا اور عرصہ دراز تک یہاں کی جمہوری ریاست کو اقتدار عظیم حاصل رہا۔

۲ سویڈن کا دارالخلافہ - یہ شہر متعدد جزیروں اور اس موقع پر جہاں جھیل ملار بحیرہ بالٹک کی ایک کھاڑی سے ملتی ہے بنا ہوا ہے اسکا اکثر حصہ پلوں پر اور بقیہ ستونوں پر بنا ہوا ہے آبادی دو لاکھ کے قریب ہے

۳ نیپلز کی نسبت ایک عام انگریزی مثل ہے کہ مرنے سے پہلے اسے ایکدفعہ ضرور دیکھ لینا چاہیئے: مترجم

اس جہل پہل کا مزا لینے میں جو ہمارے اردگرد ہو رہی تھی ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ ہماری دائیں طرف غلطہ و پیرا کے محلے ۔ باسفرس کا دہانہ اور سقوطری تھے ۔ جو اسکے دوسرے ساحل پر واقع ہے ۔ بائیں طرف محل سرائے کا گوشہ اور تمام پرانا استنبول تھا ۔ اور سامنے گولڈن ہارن خشکی کے اندر یورپ کے چشمہ ہائے شیریں تک چلی گئی تھی ۔ گو اس وقت وہ غلاطہ پل کی وجہ سے ہماری نظروں سے پوشیدہ تھی ۔ قدیم زمانہ میں جنگی جہازوں کو داخل ہونیسے روکنے کیلئے اسی گولڈن ہارن کے دہانہ پر بڑی موٹی آہنی زنجیر پھیلا دیجاتی تھی سینکڑوں چھوٹی چھوٹی کشتیاں اور قائقین (ترکی سبک کشتی)، جہاز کو گھیرا ڈالے ہوئے تھیں اور ملاح مسافروں کو اپنی طرف کھینچنے کیلئے یورپ اور ایشیا کی بھانت بھانت کی بولیوں میں چیخ چیخ چہاڑ امچا رہے اور گلے پھاڑ رہے تھے ۔ سب سے اول حبشی البانوی و مانٹی نگرو جہاز سے نیچے اُترے ۔ اور بستروں اور چٹائیوں سمیت کشتیوں پر سوار ہو گئے ۔ کئی مسافروں کو کُک اور کمپنیوں کے ایجنٹ جہاز پر آکر اپنے ہمراہ پرمٹ خانہ کو لیگئے ۔ اور جو مسافر شہر کے باشندے تھے ان میں سے اکثر اپنی اپنی قائقوں پر سوار ہو گئے ۔ سفارت کے ایک قواص نے ہمارے اسباب کو احتیاط کے ساتھ جلد جلد کشتی میں رکھوا دیا جسکو سفارت خانہ کی کشتی ہونیکی وجہ سے پرمٹ خانہ جا کر اسباب کا محصول ادا کرنیکی ضرورت نہ تھی [۱] یہ ایسی بڑی عزت تھی ۔ کہ ہم اپنے دلوں میں پھولے نہ سماتے تھے ۔ اور بزعم خود سب مسافروں سے بڑے آدمی بنے ہوئے تھے ۔ مسافروں کا تماشہ دیکھنے کے لئے ہم سب سے پیچھے جہاز سے رخصت ہوئے ۔ کشتی پر سوار ہو کر جسے اہالی پیرا موشی پکارتے ہیں ہم توپخانہ عامرہ کی گھاٹ کی طرف جو گوشہ محلسرای کے مقابل کے ساحل پر اس موقع پر جہاں خلیج باسفرس کو باسفرس مرمرا سے ملتی ہے بنی ہوئی ہے چلدیئے ۔ ہمارے مقابل باسفرس سے پرے سقوطرے نظر آرہا تھا جسکو دیکھتے ہی ہمیں محاربہ کریمیا اور کئی پرانے دوست جو اس محاربہ میں اپنے ملک پر فدا ہو کر سقوطرے کے دلکش انگریزی قبرستان میں دامی نیند سو رہے تھے یاد آگئے ۔ کشتی سے خشکی پر اتر کر ہم گاڑی میں جسکے آگے دو چھوٹے چھوٹے عربی گھوڑے جتے ہوئے تھے ۔ سوار ہو گئے ۔ اور قواص کو اسباب اٹھوا لانیکے لئے پیچھے چھوڑ گئے ۔ گاڑی توپخانہ کے خوبصورت فوارہ کے پاس سے گذر کر جسکی جالیدار عمارت اور بیل بوٹے سفید سنگ مرمر کے ہیں ۔ یینی چارشی کے فراخ و خوبصورت بازار کو اور وہاں سے پیرا کے بڑے بازار کی طرف ہو گئے بیادر ننھے ننھے سے گھوڑے بلند بازار پر تیز رفتار کے ساتھ چڑھ گئے ۔ ان کو رستہ میں بار بار سوئے ہوئے کتوں سے بچنے کیلئے

[۱] عثمانیہ گورنمنٹ نے اسلامی یا ایشیائی دریادلی سے کام لیکر ان تمام اسباب و اشیا کا محصول درآمد معاف کر رکھا تھا جو دول اجنبیہ کے سفراء اور متعلقین کیلئے باہر سے آئے ۔ سفراء کے ساتھ غالباً کسی اور ملک میں یہ رعایت نہیں کیجاتی ۔ مگر ممنون ہونیکی بجائے اکثر قونصل اور سفیر اس رعایت سے بیجا فائدہ اٹھانے سے بھی دریغ نہیں کرتے ۔ مترجم

ادھر اُدھر ہونا پڑتا تھا - سارا بازار کتوں سے بھرا ہؤا تھا - کوئی سوتے تھے اور کوئی ادھر اُدھر بدر روؤں اور موریوں میں سے اپنی غذا ڈھونڈتے پھرتے تھے - اُن کی شکلوں سے معلوم ہوتا تھا - کہ زمانہ کے ہاتھوں وہ چنداں خوش نہیں ہیں - اور بصد مشکل شکم پری کرتے ہیں چہرے بھوک سے ایسے سکڑے ہوئے تھے - کہ کتوں کی بجائے وہ زیادہ تر بھیڑیوں سے مشابہ معلوم ہوتے تھے - مجھے بدوران اقامت ان کتوں سے بتدریج ایک طرح کا انس سا ہو گیا - ہمارے ہوٹل کے قریب کے چوک میں تیرہ کتے رہتے تھے میں ان سب سے واقف ہو گئی تھی - اور ہر صبح انکو فرداً فرداً رات کی آوارہ گردی اور قزاقانہ مہموں سے واپس آتا ہوا دیکھا کرتی تھی - یہ عموماً دن سونے میں بسر کرتے ہیں اور جو شخص انکے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اسکے ہمیشہ ممنون اور شکرگذار رہتے ہیں ان کا اصلی رنگ تو ہلکا سا زرد تھا - مگر اب سیاہ - سفید اور زرد رنگوں کی جسقدر آمیزشیں ممکن ہیں وہ سب اُن میں دکھائی دیتی ہیں اُن کے پلّے بھی جو بازاروں میں ہی پیدا ہوتے ہیں - نہایت شوخ اور بیباک اور پورے آوارہ گرد ہوتے ہیں -

ینی چارشی کی چوٹی سے ہم پیرا کے بڑے بازار کو مڑ گئے قسطنطنیہ کی بہترین دوکانیں اور اکثر سفارتخانے اسی بازار میں ہیں ہم بازار کے اندر جانیکی بجائے عرضاً اُس میں سے گزر کر بائیں طرف کو مڑ گئے - اور اپنی سفارت کے پھاٹک اور دیوار کے پاس سے گذر کر اس ہوٹل میں پہنچ گئے جہاں ہمارے لڑکے نے ہمارے لئے کمرے لے رکھے تھے - ان کمروں میں سے جو ہماری نشستگاہ کا کام دیتا تھا - اس سے ایسا وسیع اور دلاویز نظارہ دکھائی دیتا تھا - کہ اس کا عشر عشیر بھی بیان کرنا مشکل ہے - اسکے نیچے گولڈن ہارن اور سامنے استنبول تھا - گولڈن ہارن کا اندرونی پل کھڑکیوں کے نیچے کسی قدر فاصلہ پر ہٹ کر تھا اور اس سے اوپر خلیج میں دس یا بارہ خوشنما آہن پوش لنگر انداز تھے - یہ برسوں سے وہیں پڑے تھے اور ایک دفعہ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے تھے کہا جاتا ہے - کہ وہ ایسے بوسیدہ ہو گئے ہیں کہ اگر ان کو حرکت دیجائے تو فوراً ہی سمندر کی تہ میں چلے جائیں - ایک انگریز نے جو عثمانیہ بحری فوج میں امیر البحر ہے - مجھ سے ذکر کیا - کہ اُسے کبھی ان جہازوں میں سے کسی پر جانیکی اجازت نہیں دی گئی - میرا خیال ہے اُسے غالباً اس اندیشہ سے نہیں جانے دیا جاتا - کہ وہ انکی بوسیدہ حالت پر ضرور رپورٹ کر دیگا - [1]

بائیں جانب ہم کو وہاں سے محل سرا کا گوشہ واقع بر دہانہ خلیج اور گرجا سینٹ ارین و ایا صوفیا جو اس سے پیچھے ہیں - دکھائی دیتے تھے - ہمارے والے ساحل پر عین دریچوں کے نیچے فرانسیسی

[1] اس بارہ میں میں مسٹر سٹیڈ کے اعتراضوں کے جواب میں کتاب بست سالہ عہد حکومت اور واقعاتِ روم میں مفصل لکھ چکا ہوں اس لئے یہاں مختصر طور پر یہی بتا دینا کافی سمجھتا ہوں -

قبرستان تھا۔ جو اب عرصہ سے متروک الاستعمال ہے۔ اور اکثر ترکی مدفنوں سے بھی زیادہ خراب وخستہ حال ہو رہا ہے۔ اس سے ایک ڈھلوان رستہ خلیج کے ساحل والے بازار کو جو پیرا کے آباد ترین اور بارونق بازاروں میں سے ہے۔ جاکر غلطہ کے بڑے بازار کو جو قسطنطنیہ کا سب سے بڑا تجارتی مرکز اور انجینئروں کے ذریعہ سے چلنے والے ریلوے اور ٹریموے کے ذریعہ سے پیرا سے ملا ہوا ہے نکل جاتا ہے۔ ہماری دائیں طرف ہمارے اور اسلام بول کے درمیان خلیج محلہ ایوب اور وہاں کی مسجد کو بڑھی چلی جاتی ہے۔ اس مسجد میں آج تک کبھی کوئی عیسائی داخل نہیں ہو سکا۔ اور غازی عثمان بانی خاندان عثمانیہ کی تلوار جو ہر نئے سلطان کو تخت نشینی کے وقت باندھی جاتی ہے۔ اسی مسجد میں بحفاظت رکھی رہتی ہے۔ شمشیر بندی کی رسم جو ہمارے عیسائی بادشاہوں کی رسم تاجپوشی کے مساوی ہے۔ حال کھیلنے والے درویش ادا کرتے ہیں۔ گولڈن ہارن چشمہ ہائے شیریں محل سرائے۔ ایا صوفیا اور بازارات۔ ان سب چیزوں کے نام سنکر ہزاروں باتیں گذشتہ زمانہ کی ہماری نظروں میں پھر گئیں۔ اور ہم سخت بے قرار ہو گئے۔ کہ کب وہ وقت آتا ہے۔ جبکہ ہم بچشم خود اس خوبصورت شہر کی یادگاروں کا جو ہمارے سامنے پھیلا ہوا ہے اچھی طرح مشاہدہ کرینگے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ کہ مس میکس مول صاحبہ کا بیان اس حد تک بالکل درست ہے کہ اکثر آہن پوش کئی برسوں سے اپنی جگہ سے متحرک نہیں ہوئے تھے۔ اور کہ عدم استعمال اور سکون سے ان کا وہ حصہ جو پانی میں غرق رہا۔ لازمی طور پر بہت کچھ مرمت طلب ہو گیا مگر یہ سہل انگاری یا لاپروائی عمداً نہ تھی۔ نہ ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی۔ کہ وہ سمندر میں چلنے کے قابل نہ رہ گئے ہوں۔ جس امر کی تکذیب کالشمس فی النہار ۱۸۹۷ء کے محاربہ روم و یونان سے ہو گئی ہے۔ یہ جہاز پورے نو مہینوں سے سمندر میں حرکت کر رہے ہیں۔ اور ابتک اُن میں سے کسی نے غرق ہونے پر آمادگی ظاہر نہیں کی۔ مگر جیسا کہ میں تسلیم کر چکا ہوں۔ مرمت طلب وہ ضرور ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس معمولی مرمت کے بعد جو سمندر کو جانے سے پہلے مئی و جون ۱۸۹۷ء میں کی گئی تھی۔ اب ان میں سے اکثر کی باقاعدہ مرمت بلکہ کلی تجدید کا کام شروع ہو گیا ہے۔ مترجم

غلطہ کا پُل

میں حیران ہوں۔ کہ وہ لوگ جو ہر سال بہ تعدادِ کثیر رہائن (واقع جرمنی) سوئٹزرلینڈ اور روما کو جاتے ہیں۔ کیوں قسطنطنیہ نہیں جاتے۔ وہاں دوچار دن کے مزید سفر سے وہ بآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ جہاں ایک بالکل نئی دنیا انکے مشاہدہ میں آئے۔ اور وہاں کی آب و ہوا بہی سال کے بعض حصوں میں ایسی عمدہ صحت بخش اور کامل ہوتی ہے۔ کہ ویسی بہت تھوڑی جگہوں کو نصیب ہے۔ روما کے چشمہ ٹریوی اور دریائے نیل کی تعریف میں جو کچھ آجتک لکھا گیا ہے وہ باسفرس کے دریا پر بھی مو بمو صادق آتا ہے۔ جنہنے ایکدفعہ ان کا نظارہ کر لیا۔ اسکا دل ہمیشہ ادہر ہی کھنچا چلا جاتا ہے۔ اور اُسے یہی تمنّا رہتی ہے۔ کہ میں پھر وہاں پہنچوں۔ قسطنطنیہ بذاتہٖ خ ید آرام کی جگہ نہیں ہو سکتی۔ مگر ان لوگوں کی صحّت کی تازگی اور دماغی تفریح کیواسطے جو دماغی محنت سے تھک کر کچھ عرصہ سستانا چاہتے ہوں۔ تھراپیا[1] جیسا کہ خود اسکے نام سے ظاہر ہو رہا ہے۔ نہایت عمدہ اور مناسب مقام ہے۔ قسطنطنیہ کے قریب پہنچنے اور گولڈن ہارن میں داخل ہونیکا نظارہ ہزاروں جادو بیان تحریر کر چکے ہیں۔ تاہم میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ جو عظیم الشان نقشہ باسفرس میں داخل ہونے پر آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اُسے نہ کوئی قلم بیان کر سکتی ہے۔ نہ کوئی مصوّر اس کا خاکہ اتار سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس پرستانی نظارہ کی پوری کیفیّت صرف دھوپ ہی میں نظر آسکتی ہے۔ لیکن دہوپ اس نواح میں کوئی نادر شے نہیں مئی مہینہ سے بعد موسم عموماً خوشگوار اور بحیرۂ مرمرا طلائی کرنوں سے جگمگاتا رہتا ہے۔ مساجد کے سنہری گنبد۔ سفید موم بتیوں ایسے سپید ہے اور شفاف مینار جو ہر مسجد کے گرد موجود ہیں بیشمار قصروں اور محلات کی سفید سنگ مرمر سے بنی ہوئی چمکدار پیشانیاں ترکی مکانوں کی بادامی رنگت کی چھتیں اور پیلی رنگ کے چوبی جہروکے سمندر پر جھکے ہوئے۔ ان مکانوں کے اِرد گرد کے سیاہ سرو ہی اور آبنائے کے دونوں سواحل کی پہاڑیوں کے گھنے سبزہ زار اور بالآخر خود دریا بذاتہٖ نقرئی دھاریوں والے نیلگوں ساٹن کے رومال کی طرح بچھا ہوا۔ اور ہر رنگ کے بادبانوں سے از اوّل تا آخر بھرا ہوا۔ یہ سب باتیں ملکر ایسی عالیشان تصویر بنا دیتی ہیں جنکی دنیا میں

---

[1] قسطنطنیہ کا مضافاتی موضع جو باسفرس کے یورپین ساحل پر پیرا اور بویوک درہ کے درمیان واقع ہے۔ اکثر سفرا موسم گرما میں وہاں رہتے ہیں جنکی رہائش کیلئے وہاں عالیشان محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔

غلطہ کے مشہور پل پر پہلا قدم دھرتے ہی انسان متحیر رہ جاتا ہے۔ کہ یہاں کا نقشہ تو ہمارے گمان وخیال سے بھی بدرجہا بڑھا ہُوا ہے۔ سیّاح کو وہاں دنیا کی کل اقوام کے نمونے دیکھنے کی توقع ہوتی ہے۔ اور اس کی ہر توقع درست ثابت ہوتی ہے۔ اس طرح نہیں جیسے کہ تھیئٹر کی سٹیج پر سوانگ بھر کر دکھا دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ تمام ممالک کے واقعی اور سچ مچ کے باشندے جو پل پر اس طرح سے چلے آتے ہیں۔ کہ گویا بابل کا مینار ابھی گرا ہے۔ اور یہ مخلوق شنار کے میدان سے امڈی چلی آرہی ہے۔

وہاں (لندن یا پیرس کی طرح) سامی نسل سے صرف ایک قسم کے یہودی ہی نظر نہیں آتے بلکہ سجیلے مضبوط اور چست وچابک عرب بھی۔ جنکے خط وخال واضح اور ناک کا انداز متکبرانہ ہے، اپنے موٹے جھوٹے سفید یا خاکی جُبّے پہنے ہوئے۔ عموماً برہنہ پا اور سروں پر سفید ململ کے عمامے باندھے ہوئے۔ افریقہ کی بدشکلی کے تمام نمونوں کے حبشی اور حبشنیں حتیٰ کہ گول چہروں چھوٹی آنکھوں اور بے معلوم سی ناک والے اصل منگولی قوم کے آدمیوں کا وجود بھی وہاں ناپید نہیں۔ یہ لوگ نسبتاً بیشک بہت کم ہیں۔ تاہم زرد فام دراز چوٹی والے جو صرف آسمانی بادشاہت (چین)، یا جزائر ملایا ہی کے باشندے ہوسکتے ہیں۔ کہیں کہیں برابر دکھائی دے جاتے ہیں۔ آریا نسل کے ایشیائی اور یورپین دونوں اقسام کے نمونوں کی تو کوئی کمی ہی نہیں۔ ان میں سب سے نمایاں سفید شلوار اور سنہری حاشیہ دار واسکٹوں کے پہننے والے خوبصورت یونانی۔ گھیرے دار جُبّوں اور سیاہ ٹوپیوں کے شائق ایرانی۔ قدیم پوشک بھیڑ کی کھال کی پوستیں پہننے والے البانزی اور آرمینیوں کے گروہ در گروہ ہیں۔ جو عموماً ترکی لباس اور سُرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ مگر یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا۔ یہ بانکے ٹیڑھے اور وحشی مزاج ہیش قبض لگائے سینہ پر کارتوسوں کو جمائے اور تلوار کو پرتل سے لٹکائے کون جا رہے ہیں؟ یہ چرکس ہیں۔ دنیا کے تمام حصص کے درویش لمبی خاکی کلاہیں سروں پر رکھے ہوئے۔ اور ہندوستان و بخارا کے باشندے ان سب کا دریا دونوں طرف ترکوں کے دَل بادَل سے جو کم وبیش اپنی قومی پوشک مگر سُرخ فیس بالالتزام پہنے ہیں بہتا چلا جا رہا ہے۔ راہروؤں میں عورتیں بھی ہیں۔ اور سیّاح کی توقع سے زیادہ۔ جو مردوں کے جم غفیر سے بے خوف وخطر پل پر سے گذری چلی جا رہی ہیں

اُن کی پوشاکوں کے سُرخ۔ سبز۔ نیلگوں۔ ارغوانی اور سفید اور شوخ اور چمکدار رنگ تو سب کو نظر آرہے ہیں۔ مگر سیاہ آنکھوں کے سوا جو انکے باریک و شفاف نقاب کی تہوں میں سے چمک رہی ہیں اُن کے چہروں کا باقی حصہ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے۔ ایشیائیوں کے چہرہ کا بہترین حصہ بھی عموماً یہی سیاہ آنکھیں ہوتی ہیں۔ نزدیک سے شفاف نقاب میں سے چہرہ کو بغور دیکھا جائے تو چہرہ کو دیکھکر طبیعت خوش نہیں ہوتی۔ اور جس حُسن و خوبصورتی کی توقع ہوتی ہے۔ اُس کا نام و نشان نہیں پایا جاتا[1]۔ ترکی۔ ایرانی۔ یونانی اور چرکس عورتیں اپنے بدشکل جبّوں اور سایوں کی رنگوں کی شوخی دوسروں سے بڑھانے میں جنکو فرجہ پکارا جاتا ہے۔ ضد بضد کوشش کرتی ہیں۔ اکثر عینک یا نقاب پہنتی ہیں اور بعض اپنے چہروں کو سفید گاچ کی تہوں سے اسطرح لپیٹ لیتی ہیں کہ گویا دانتوں کا علاج کرانیکے لئے معالج امراض دندان کے پاس جارہی ہیں ان کی رفتار خوش ادا نہیں۔ پیر و جوان دونوں مٹک مٹک کر چلتی ہیں۔ البتہ پیرا کی فرنگن خاتونیں جنمیں سے بعض کی پوشاکیں پیرس کے تازہ ترین نمونہ اور فیشن کے مطابق ہوتی ہیں ویسی ہی سبک خرامی اور خوش ادائی اور تیزی کے ساتھ چلتی ہیں جسطرح انکی دوسری بہنیں یورپین شہروں کی گول سڑکوں پر چلتی ہیں۔ رہروؤں کے جمگھٹے میں طرح طرح کے گداگر بھی موجود پائے جاتے ہیں جنکی کپڑوں میں کوئی ایسا لوتھڑا نہیں جس رنگ کا چیتھڑا نہ لگا ہو۔ اور اگر سارے کپڑے کا رنگ سفید ہی تو اسکی بھی چیتھڑے لٹکے ہوئے ہیں۔ ان بوسیدہ کپڑوں کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے۔ کہ وہ انکو اتارتے اور پہنتے کیونکر ہیں میرا خیال ہے وہ کبھی ایسا کرتے ہی نہیں۔ گو انکا مذہب (یعنی اسلام) دن میں ایکدفعہ کامل (پورا غسل[2]) اور چار دفعہ جزوی غسل (وضو سے مراد ہے) کا حکم دیتا ہے۔

غلطہ کے پل پر ہر وقت چہل پہل رہتی ہے۔ شور و غل کبھی بند نہیں ہوتا یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو خلیج کے اس طرف یا دوسری طرف یعنی پیرا یا استنبول میں بہت ہی ضروری کام ہے۔ لوگ اندھا دُھند قدم اُٹھائے اور ایک دوسرے کو کندھوں سے اِدھر اُدھر دباتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ مستین نقہ زر کونکو

[1] ایشیائی پروفیسر صاحب کے اس بیان پر برافروختہ نہوں ہر ایک قوم کا مذاق اور حُسن کا معیار جدا جدا ہے۔ یعنی بعینہٖ وہی بات ہے جس طرح ہم لوگوں کو ان لُعبتانِ فرنگ سے جو دُور سے اندر کے اکھاڑے کی پریاں معلوم ہوتی ہیں نزدیک سے دیکھنے پر ۹۹ فیصدی چڑیلوں سے بھی بدشکل نظر آتی ہیں۔ مترجم

[2] مسلمان ناظرین کو اسبارہ میں پروفیسر صاحب کی غلط فہمی بتانیکی کوئی ضرورت نہیں انکو بخوبی معلوم ہے کہ گو یومیہ غسل کیسا ہی مستحسن اور مستحب ہے۔ مگر سوائے خاص خاص صورتوں کے یومیہ غسل مسلمانوں پر فرض یا واجب نہیں ہے۔ مترجم

بھی اس سیلاب کی رو میں آ کر وہی رفتار اختیار کرنی پڑجاتی ہے۔ گداگروں جیب کتروں اور رہنماؤں سے
جو نو وارد کو دیکھکر انہیں چمٹ جاتے ہیں باحذر رہنا لازم ہے۔ گاڑیاں اور گھوڑے بھی بکثرت پرانے
پل پر سے گذرے جا رہے ہیں اور وہ انکے بوجھ سے لرزاں اور آہ سرد بھر رہا ہے۔ ادہر دوسری طرف
سٹیمر برابر چلتے رہکر جبتک کہ راہرو پل سے نہ گذر جائے اسکا دماغ چاٹتے رہتے اور نہایت ہی سخت
غلیظ دہواں چھوڑکر اسکی آنکھوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ ہر پیدل کو آدہ آنہ اور ہر گاڑی کو
۵ر محصول پیر بحری ادا کرنا پڑتا ہے یومیہ آمدنی اس محصول کی چار سو پونڈ ترکی ہوتی ہے۔ ترکی پونڈ (سوا ۱۸) اٹھارہ شلنگ کا ہوتا

قسطنطنیہ کو دیکھتے ہی انسان کو اسکی جانداری کا یقین ہوجاتا ہے اور اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ زمانہ وسطی
کا اجڑا ہوا بازنطیم (قسطنطنیہ کا ابتدائی نام) یا بیرونق قصبہ نہیں ہے۔ وہ دنیا کے خوبصورت
قطعات میں سے ہے۔ نصف ایشیائی اور نصف یوروپین اور کل دنیا کی تجارت کے لئے بہترین منڈی
ہے۔ ترک اسپر جتنا ناز کریں بجا ہے۔ اور اگر انکے ہمسائے اُسے ہی نبوتھ کا باغ سمجھکر اسپر نگاہ رکھے
ہوئے ہیں۔ تو اس پر انکو متعجب ہونا چاہئے۔ قسطنطنیہ چیز ہی ایسی ہے جسے دیکھکر بے اختیار ہر ایک
سلطنت کے منہ سے رال ٹپک پڑتی ہے۔ ترکوں کو لاکھ "مرد بیمار" کہو سبات کی بے شمار
علامتیں موجود ہیں کہ ترک ابھی مرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ اور جو کوئی انکو نگلنے کا خواہشمند ہو اسکا
حلق انکو نرم نوالہ کی بجائے خشک ہڈی سے بہی سخت پائیگا۔ خالص ترک برابر مضبوط اور ثابت قدم ہیں
اور جسکو وہ چار سو برس سے زیادہ عرصہ کا اپنا پکارتے ہیں اسکو حوالہ کرنے سے پہلے آخری دم تک جان
توڑکر لڑنے کا عزم بالجزم رکھتے ہیں۔ ترکوں کے خصائل سے واقف ہونا اور انکے اوصاف اور نقصوں کو
معلوم کرنا مشکل کام ہے میں ان لوگوں کی شوخ چشمی پر اکثر متحیر ہوتا ہوں۔ جو دس لاکھ میں سے
صرف ایک شخص کے راہ و رابطہ ہوجانے پر اسی سے کل قوم کے عام کیرکٹر اور خصائل کو قیاس کرکے
اپنا قیاس دنیا میں مشتہر کر دیتے ہیں۔ میں بہی یہی استقرائی غلطی کرنا نہیں چاہتا۔ میں نے جو کچھ ترکوں
کی نسبت کہا ہے وہ صرف انہی معدودے چند آدمیوں پر صادق آتا ہے۔ جس سے قسطنطنیہ کی اپنی
مختصر سی اقامت میں میری ملاقات ہوئی۔ یہ کام میں دوسروں پر چھوڑتا ہوں کہ اگر چاہیں تو وہ خود
میری تحریر کے دائرہ کو وسیع کرکے عام قاعدہ وضع کرلیں۔ علاوہ بریں جہانتک مجھے ذاتی تجربہ کرنے کا
موقع ملا ہے میں نے یہی پایا کہ ترک اجنبیوں سے ہرگز لمبی چوڑی باتیں کرنا انکو اپنے خیالات یا راز
بتانا نہیں چاہتے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ انکی خانگی طرز معاشرت تو ہماری نظروں سے بالکل ہی
پنہاں ہے۔ تاہم بات یہ ہے کہ بارونق اور بہرے ہوئے بازاروں میں بھی انسان ان کی ثقاہت

اور متانت کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ نو وارد بھی اکثر یہ مشاہدہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ غریب ترین ترک بھی اپنی اولاد سے کیسی محبّت کرتا ہے۔ فقیروں کو خیرات کرنیسے دریغ نہیں کرتا۔ اور بے زبانوں کے ساتھ کیسی شفقت سے پیش آتا ہے جیسی نرم دلی سے قسطنطنیہ میں کتوں کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے ویسا دُنیا کے کسی قصبہ میں نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کتّے ہی ویسے۔ ایذا رساں اور خونخوار ہیں جیسا کہ اکثر سیّاحوں نے جو چند دنوں کیلئے بھولے بھٹکے قسطنطنیہ پہنچ گئے۔ ان کو ظاہر کیا ہے۔ انہوں نے شہر کو اپنے درمیان تقسیم کر رکھا ہے۔ اور ہر ایک گلی کو پانچ یا دس بیس کی ٹولی اپنا ملک سمجھتی ہے۔ اگر کوئی اجنبی کتا۔ خاصکر اگر وہ یورپین اور خوب صاف ستھرا ہو کسی محلہ میں داخل ہو گیا ہو تو سمجھو اسکی شامت آگئی۔ قدیم روما کی طرح وہ ہر اجنبی کو دشمن تصور کرتے اور اسکے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتے ہیں۔ اسکے سوا اور ہر طرح سے گلیو نکے کتّے نہایت شریف امن پسند اور بکمال شکر گذار حیوان ہیں۔ جسنے انکو کبھی ہڈی کا ٹکڑا پھینکا ہو یا کوئی اور مہربانی کی ہو۔ اس کا احسان کبھی فراموش نہیں کرتے۔ انکی مذمت میں ابتک جو لکھا گیا ہے وہ غلط ہو یا صحیح۔ ان میں یہ وصف تو بالضرور موجود ہے۔ کہ جب انہوں نے کبھی ان کا شکریہ ادا کرنا ہو تو بعینہٖ دوسرے کتوں کی طرح دم ہلاتے ہیں اپنے مالک کتوں کی طرح وہ بھی تقدیر کے قایل معلوم ہوتے ہیں بازاروں میں لیٹے ہوئے ہیں۔ اور گاڑی بالکل پاس سے گذر رہی ہے مگر اٹھ کر پرے ہو جانیکا نام نہیں لیتے۔ اگر کار قضا کبھی پہیہ انکے اوپر سے بھی گذر جائے تو ایک دفعہ پُر درد نعرہ مار کر راضی برضا ہو جاتے ہیں کوچبان گاڑیوں کو سرپٹ دوڑاتے ہیں مگر خوابیدہ کتوں کو بے آرام نکرنے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں اور گاڑی کو ایک طرف کر لیتے ہیں کہ انکو اور انکے کثیر التعداد کنبوں (پلّوں) کو ایذا نہ پہنچے۔ مجھ سے کسی نے ذکر کیا۔ کہ چند برس ہوئے سخت جاڑا پڑنے پر بلقان کے بھیڑیئے بھوک سے لاچار ہو کر میدانوں کو اُتر آئے اور شہر کے قریب پہنچگئے اسپر شہر کے تمام کتے باہمی جھگڑوں اور مقامی تنازعوں کو فراموش کر کے متفق ہو گئے اور بھیڑیوں کے ساتھ لڑائی کرنیکے لئے سینکڑوں کی تعداد میں شہر سے باہر جا کر انپر حملہ آوروں کو قتل کیا کہ باقیماندہ اپنی اصلی پہاڑی مسکنوں کو دم دبا کر بھاگ گئے۔ اور فاتح و منصور واپس آکر ہر جماعت پھر اپنے اپنے محلوں میں چلی گئی۔ اور اتحاد سے پہلے جو تنازع تھے۔ وہ پھر ان میں پیدا ہو گئے اور کوئی فریق دوسروں کو اپنے محلہ میں گھسنے نہ دیتا۔

شہروں کے بازاروں کے فرش عمدہ نہیں۔ علاوہ بریں تر بیرون۔ گاڑیوں اور حمالوں کی وجہ سے پیدل چلنا آسان کام نہیں اور نہ تیز قدمی کے ساتھ ہی چلا جا سکتا ہے۔ بازاروں میں بہت غل برپا رہتا ہے عام لوگ بہت بلند بولتے ہیں مگر لڑائی جھگڑے بہت کم ہوتے ہیں اور سب سے بڑی بات جسے کبھی

فراموش کرنا چاہیئے یہ ہے کہ بدمست مرد یا عورتیں کہیں نظر نہیں آتیں اور اگر شاذ و نادر کوئی ایسا شخص پایا ہی جاے تو یہ یقین رکھو کہ وہ ترک مرد یا عورت نہیں ہی۔ اسکا جو کچھ مطلب ہو سکتا ہے اُسے وہ لوگ اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں جنکو معلوم ہے کہ ہمارے ملک میں ہر فساد بلکہ تقریباً ہر جرم کا اصل موجب یہی میخواری اور بدمستی ہے۔ ایک انگریز بشپ (لاٹ پادری) نے ایک دفعہ اپنی رائے ظاہر کی تہی۔ کہ مجھے انگلستان کو مجتنب الخمر یا غیر مخمور دیکہنے کی نسبت آزاد دیکہکر زیادہ خوشی ہو۔ ترک مجتنب الخمر یا غیر مخمور ہیں اور بشرطیکہ یہ خبریں درست ہوں کہ اعلیٰ جماعتوں کے بعض افسر شام ہین بلکہ زیادہ تیز شراب ین بالکل آزادی کے ساتھ پیتے ہیں اور انکو کوئی روک ٹوک نہیں تو اسکے ساتھ ہی وہ آزاد بہی ہیں اعلیٰ جماعتیں ہر جگہ مستثنیات میں داخل ہیں اور یہی کلیہ ٹرکی کی ایسی جماعتوں پر حاوی ہے کل قوم کی نسبت متوسط اور ادنیٰ درجہ کی جماعتوں سے رائے قایم کرنی چاہیئے۔ نہ کہ نام نہاد طبقۂ امرا کو دیکھکر یہ متوسط اور ادنیٰ طبقے۔ جو کہ قوم کی واقعی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ ابتک میخواری اور بدمستی کی برائی سے محفوظ اور بچے ہوئے ہیں۔ مگر وہ کسی دباؤ یا قانونی تعزیر کے خوف سے نہیں بلکہ محض اپنے خود مختارانہ مرضی اور اپنے رسول کریم کے فرمان کے لحاظ سے۔

اگر ادنیٰ جماعتوں کے لوگ کبہی شراب کے عادی ہو جائیں۔ تو ٹرکی میں اس سے جو خرابی پیدا ہو جاے اس کو خیال کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے۔ تعلیم اس تندمزاجی کو جو ترکوں کو اپنے تاتاری اور منگولی (مغل) آبا و اجداد سے ورثہ میں ملی ہی۔ اب تک بہت کم نرم کر سکی ہی۔ جب کوئی عیسائی سیّاح انکو مساجد میں جمع دیکھتا ہے تو اسکے دل میں فوراً وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ ممکن ہے کہ کسی ذرا سے اشتعال پر یہ شیر و پلنگ مجھ کو دبوچ نہ پڑیں مگر یہ خیال کرنا سخت غلطی ہے۔ کہ ترک عیسوی مذہب سے نفرت کرتے ہیں نہیں بلکہ برعکس وہ اس مذہب کا ادب کرتے ہیں۔ اور وہ عیسائیوں سے انکے عیسائی ہونیکی حیثیت سے نہیں بلکہ بلغاری۔ ارمنی۔ روسی وغیرہ وغیرہ ہونیکی حیثیت سے نفرت کرتے ہیں۔ کسی دوسرے ملک میں غیر مذاہب والے ٹرکی کی طرح اعلیٰ ترین عہدوں پر مقرر نہیں کئے جاتے۔ اور نہ غالباً کئے جائینگے وہاں عیسائی وزیر ہی نہیں بلکہ ممالک غیر کے سفراء بھی ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ سفراء کو سلطنت کے نہایت ہی اہم راز لازمی طور پر بتانے پڑتے ہیں یہ درست ہی کہ جب کوئی شخص قتل ہو چکا ہو۔ اوسوقت یہ حد مقرر کرنا کہ آیا وہ بحیثیت ایک بلغاری ہونیکے یعنی بلحاظ قومیت قتل کیا گیا ہے۔ یا بحیثیت عیسائی ہونیکے مشکل امر ہے اور نہ یہ تعیین متوفی کے کسی کار آمد ہو سکتی ہے۔ خواہ باعث کچھ ہو۔ مرنے والا تو مر چکا۔ تاہم جو کچھ بابت اس کے میں اپنی ذاتی مشاہدہ اور تجربہ سے کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ نفرت اور بغض کا اصل باعث قومی عناد ہے

نہ کہ مذہبی۔

ترکوں کو بوجہ ہمسایگی یورپ کی تہذیب سے سابقہ پڑ رہا ہے۔ اُسے دیکھکر ایک حد تک انکے دماغ متحیر سے تو ہو گئے ہیں اور کبھی کبھی انہیں رشک بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر درحقیقت دل میں وہ اس کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ انکے اعلیٰ طبقوں میں یورپین تہذیب کا دخل ہو گیا ہے۔ اور تعلیم یافتہ ترک سے ملکر جیسی طبیعت خوش ہوتی ہے۔ اور کسی دوسرے کی صحبت سے نہیں ہوتی۔ ہم کو یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ من حیث القوم ترک یورپین نہیں بنے۔ اور میرا خیال ہے کہ نہ کبھی بنیں گے۔ وہ جسمانی قوت کے لحاظ سے اور نیز اخلاقاً بھی قابل تعریف زبردست مضبوط اور توانا ہیں اور طبعاً تند خو بھی ہیں انکی خون کی حرارت اور تیزی انکی ماؤوں کی خون کی آمیزش سے جو اکثر ترکیبیں نہیں ہوتیں ممکن ہے ایک درجہ تک کم ہو گئی ہو۔ باہم بایں ہمہ ترک خوش نہیں معلوم ہوتے۔ وہ یورپ کو اپنا مناسب ٹھکانا سمجھتے معلوم نہیں ہوتے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یورپ کی اقوام ہمکو اجنبی سمجھتی ہیں۔ اور ہم صلیبی لڑائیوں کے زمانہ کی طرح اب بھی صرف یورپ کی عیسائی سلطنتوں کی باہمی رقابت کے طفیل یورپ میں ٹھیرے ہوئے ہیں پس جبتک وہ پل جو ایشیا اور یورپ کے درمیان ہے۔ انکے قبضہ میں ہے۔ وہ ان دہمکیوں کی جو ان کو دیجاتی ہیں خس برابر پرواہ نہیں کرتے۔ وہ روسیوں کی بائیزنطیم کی پرانی فصیلوں سے ایک گولی کے ٹپہ پر بمقام سین سٹیفانو دیکھ چکے ہیں جہاں سے وہ اگر انگریزی بیڑہ ڈارڈنلز سے گذر کر روسی فوج کے غیر محفوظ کیمپ پر آتشبازی کی دہمکی نہ دیتا۔ تو قسطنطنیہ پر گولہ باری کر سکتے۔ اور بآسانی تمام تہ کر کے اُسے فتح کر سکتے تھے۔ حکمران جماعتوں کا عندیہ خواہ کچھ ہو مجھے خیال ہے کہ ترکی آبادی کے حصہ کثیر کو ایشیا واپس چلا جانا چنداں ناگوار نہ ہوگا۔ بشرطیکہ اسے اپنا کل مال و اسباب ساتھ لے جانے دیا جائے۔ اُن کا قدیم مذاق خانہ بدوشی تھا۔ اور اب تک بھی یہ مذاق اُس میں باقی ہے۔ میری رائے میں وہ پشت توسن پر اپنے دیوان خانوں کے گدیلے دار تختوں سے زیادہ خوش رہیں گے۔ لیکن اگر کبھی ایسا ہو گیا۔ تو اسوقت شام۔ آرمینیا۔ اور شاید مصر کا بھی جو کچھ حشر ہو گا۔ اس کو قیاس کرنا مشکل کام ہے۔

قسطنطنیہ کے بازاروں کا ایک اور عجیب خاصہ دیکھکر یورپین سیاح متحیر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ اُن میں علانیہ حرامکاری کا کوئی وجود نہیں پائیں گے۔ اور اگر شاذ و نادر کہیں ایسا ہو بھی تو وہ اور اقوام کی عورتیں ہونگی۔ ترکی عورت ایک بھی نہیں ہوگی۔ گداگروں کی البتہ کثرت ہے۔ خاصکر غلطہ پل پر۔ ان میں سے بعض نہایت مکروہ اور غلیظ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی

جب پولیس کی دوڑ پڑتی ہے۔ تو وہ تھوڑی دیر کیلئے غائب ہو کر پھر اپنے اپنی پہلے اڈوں پر آکر ڈٹ جاتے ہیں۔

انگلستان کی طرح یہاں بھی لڑکے اور لڑکیوں کے غول درغول مدرسوں کو جاتے دیکھکر طبیعت بہت خوش ہوتی ہے۔ مدرسے ابتدائی ہیں۔ اور سرکاری خرچ سے چلائے جاتے ہیں۔ ان میں کر اکثر سلطان[1] حال کی ہمت و کوشش اور تحریک سے قایم ہوئے ہیں۔ جناب ممدوح تخم بو رہے ہیں۔ جس کا پھل دوسرے اٹھائینگے۔ پرانے خیال والوں اور خاصکر طبقہ علماء نے سرکاری ابتدائی مدارس قایم کئے جانیکی بہت ہی سخت اور زبردست مخالفت کی تھی جسپر سلطان المعظم کو وہ اپنے خرچ سے قایم کرنے پڑے اور ان کا خرچ اپنی ذاتی آمدنی سے دے رہے ہیں۔ جو شخص بینا آنکھیں رکھتا ہے۔ اُسے قسطنطنیہ کے بازاروں میں ہر وقت کوئی نہ کوئی نئی اور قابل دید چیز دکھائی دیگی۔ صراف۔ بازیگر۔ جپسی۔ رنٹ! مٹھائی فروش۔ خوانچہ والے۔ ناچنے والے۔ ریچھ اور قلندر۔ جنازے۔ گدھوں والے۔ حمال بڑے بڑے بوجھ اٹھائے ہوئے۔ سیاہ فام خواجہ سرا سفید رو۔ کوڑھی۔ الغرض ہزاروں ایسی چیزیں نظر آئینگی۔ جن کو یورپین نظروں نے پہلے نہ دیکھا ہو۔ جس مکان کے دریچے جالی دار ہوں۔ فوراً سمجھ لو۔ یہ کسی ترک کا مکان ہے۔ کبھی کبھی ان دریچوں میں سے مکان کے اندرونی حصّہ کی کیفیت نظر آجاتی ہے۔ مگر یہ اندرونی حصّہ عموماً سلاملک یعنی مردوں کی رہائش کے کمرے ہوتے ہیں جالی دار کھڑکیوں کے پیچھے جو خاتونیں رہتی ہیں۔ ان کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہاں بس نامحرم کا گذر نہیں۔ یا شاذ و نادر کبھی دیکھنے کا اتفاقیہ موقع مل جائے تو یہ ع

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

---

[1] سلطان حال سے مراد سلطان عبد الحمید خان غازی ہے، جو اندنوں معزول ہے۔

محل سراء اور خزانۂ عامرہ

قسطنطنیہ کی نہایت مشہور، قابل دید چیزوں میں سے ایک قدیم محل سرائے کا خزانہ عامرہ ہے وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ اس کے دیکھنے میں اِس قدر بخشش دینی پڑتی ہے کہ اس خرچ کے بنانے کے لئے عموماً بڑی بڑی جماعتیں بناکر اس کی سیر کو جایا جاتا ہے۔ خاص حکم کے بغیر جس پر خود سلطان المعظم کے دستخط ہوتے ہیں کوئی شخص وہاں نہیں جا سکتا۔ درخواست سفرائے دول میں سے کسی ایک کی معرفت کی جاتی ہے۔ اور سلطانی حکم بھی اسکی معرفت وصول ہوتا ہے۔ مقررہ دن کو جماعت اس سفارت میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور محلسرا ہمایوں کا ایک ایڈیکانگ سلطانی پروانہ لیکر وہاں پہنچ جاتا ہے اور جماعت کو اپنی نگرانی میں لے لیتا ہے۔ اس سلطانی حکم کے بغیر اورطہ کپو (درمیانی دروازہ) جس کو گذر کر محل سرا کے اندرونی صحن میں پہنچا جاتا ہے ہرگز نہیں کھُل سکتا۔ درخواست پر میرے خاوند کا نام بھی درج تھا۔ اور غالباً اُسی سے سلطان المعظم کو اسکے ورود کا علم ہوا تھا۔ جماعت میں بلجیم کا سفیر، اسکی لڑکی، کئی دیگر انگریز سیاح اور چند شہر کے باشندے شامل تھے۔ کیونکہ شہر والا اپنے لئے سلطانی حکم تقریباً قطعاً حاصل نہیں کر سکتے سب تعداد میں بیس سے اوپر تھے۔ ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار ہو گئی تھی۔ سب سے آگے منیر پاشا رئیس التشریفات کا نوجوان بھتیجا نجیب بک سلطانی یاور تھا۔ اس سے بعد بھی ہم کو کئی دفعہ مختلف سفارت خانوں اور نیز اسکے چچا کے مکان پر نجیب بک سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ وہ کمال خوش اخلاق اور راحت بخش راہنما ثابت ہوا۔

اس پہاڑی یا گوشہ کے مشرق اور جنوب میں جس پر محل سراء ہے بحیرہ مرمرا اور شمال میں خلیج ہے۔ اس کے اوپر تلے تین تختے ہیں۔ بلند ترین تخت پر مختلف متعدد کوشکیں جن سے ملکر محلسراء بنا ہوا ہے۔ ینگچری کا صحن اور سینٹ ارین کا گرجا ہے۔ جو اب اسلحہ خانہ کا کام دیتا ہے نچلے دونوں تختوں پر باغات تھے۔ انگریزی سفارت سے چلکر ہماری گاڑیوں کی لمبی قطار پیرا کی نشیب دار سڑک سے تیزی کے ساتھ اتر کر غلطہ کے پل پر سے استنبول میں داخل ہو گئی۔ اور پھر بائیں ہاتھ کو ہو کر ٹریم لائین کے ساتھ ساتھ پہاڑی پر چڑھ کر ایک چھوٹے سے دروازہ سے جو محل سرائے کی بیرونی دیوار میں بنا ہوا ہے۔ قدیم شاہی باغات میں داخل ہو گئی۔ کسی زمانہ میں یہ باغات جو اب حالت کس مپرسی میں پڑے ہوئے ہیں۔ دنیا میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے یہ بل بناتے وقت

جو محل سرائی گوشہ کے گرداگرد جاتی ہے۔ یہ کم و بیش برباد کر دیئے گئے تھے پہلے یہ تالاب دریا تھے۔ اب ریل کی سڑک بیچ میں حائل ہوگئی ہے جب آہنی سڑک کیلئے زمین کھودی جا رہی تھی۔ تو ایک بہت بڑی مسقف ڈھلوان سرنگ محل سرائے سے مرمرا کو جاتی ہوئی برآمد ہوتی تھی جس کے رستہ وہ بدقسمت حرمیں اور کنیزیں کہیں جو سلطانی غضب کی مورد ہو جاتی تھیں بوروں میں سی کر سمندر کو لڑھکا دی جاتی تھیں یہاں تک سے گذر کر ہم کو ایک سیدھی بلندی پر جہاں سڑک بُری حالت میں تھی۔ چڑھنا پڑا مضبوط عرب گھوڑے اس مرحلہ کو بھی مردانگی کے ساتھ طے کر گئے۔ بعد ازاں چینی لی کوشک اور دو تین دیگر منفرد کوشکوں کے پاس سے گذر کر جن کی کل عمارت پر چینی کا کام تھا۔ ہم بالائی منزل پر پہنچ گئے۔ چینی لی کوشک اب عجائب خانہ کا کام دیتی ہے اس کو ہم نے پھر بعد میں دیکھا تھا۔ ہم اب گاڑیوں سے اُتر پڑے اور باب ہمایوں یعنی محل سرا کے بڑے دروازہ سے گذر کر اندر داخل ہوگئے۔ سلطان المعظم ہر سال رمضان کے مہینہ میں (خرقہ شریف کی زیارت کیلیئے) بجلوس شاہانہ اس دروازہ سے محل سرا میں داخل ہوتے ہیں دروازہ کے قریب ہی باہر کی طرف احمد ثالث کا فوارہ ہے جو ان تمام خوبصورت عمارتوں میں سے خوبصورت ترین گنا جاتا ہے۔ وہ ایک چھوٹے سے مکان کے برابر ہے اور سفید سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے۔ حاشیہ پر نیلگون اور سبز میناکاری کا اور چار و طرف پتھر کو تراش کر باریک جالی کا کام اور طلائی کتبے کندہ ہیں۔ یہ گذشتہ صدی کے شروع میں تعمیر ہوا تھا۔ مگر ایسا صاف اور چمکدار ہے۔ کہ گویا کل کام ختم ہوا تھا۔ دروازہ میں داخل ہونے سے پہلے تھوڑی دیر ہم اُسے دیکھتے رہے تھے۔ دروازہ سے گذرنے پر ہم ینگچریوں کے صحن میں داخل ہوئے۔ وہاں سے بحیرہ مارمورا کے اوپر سے کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیوں تک نظر کام کرتی تھی۔ کوہ اولمپس ایشیائے کوچک کے صوبہ بیتھنیا میں ہے۔ اور بروصہ اس کے دامن میں آباد ہے۔ اس صحن میں ہم گرجہ سینٹ آرین یعنی اسلحہ خانے کے پاس سے گذرے۔ اسمیں داخل ہونیکی ہمنے بعد ازاں کئی مرتبہ کوشش کی۔ کیونکہ روایت مشہور ہے کہ بعض نادر یونانی قلمی کتابیں وہاں رکھی ہوئی ہیں۔ یہ قلمی نسخے خواہ کسی جگہ رکھے ہوں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ متلاشیانِ صناوید کی نظروں سے ان کو بڑی احتیاط سے بچا کر رکھا جاتا ہے۔ چنانچہ سلطانی یاور صادق بک بھی جو سلطان المعظم نے ہمراہ ساتھ کر دیا ہوا تھا ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہ دلا سکا۔ وزیر حرب کے پاس جب درخواست کیگئی تو اس نے جواب دیا۔ "یہ محض وہم ہے۔ کتاب وہاں کوئی نہیں"۔

چنانچہ ہم کو محاربہ کریمیا کے ایک پرانے فنر جنرل کنٹ کی زبانی جو اسوقت ہمارے والے ہوٹل

میں ٹھہرا ہوا تھا معلوم ہوا کہ جب اُس نے بارکوں اور جنگی مدارس وغیرہ کا معاینہ کیا تو سلطانی اجازت سے گرجا سینٹ ارین کو بھی دیکھا تھا - اور چونکہ اُسے معلوم تھا - کہ پروفیسر کو ان قلمی نسخوں کو دریافت کرنیکی بڑی خواہش ہی اسنے اسلحہ خانہ میں سب جگہ اونکی تلاشی کی - مگر اس میں سے اُسے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جسکی نسبت گمان کیا جا سکتا کہ یہ نادر کتابیں اس میں رکھی ہونگی جرنیل کو غالباً اسلئے اجازت ملگئی ہوگی کہ اس کو پرانی چیزوں کا کوئی شوق نہ تھا - بہرحال ہمیں اس گرجہ کو نہ دیکھ سکنے کا افسوس رہا - کیونکہ اس کے گرداگرد چند بڑے بڑے تعویز رکھے ہوئے ہیں - جن پر صلیب اور مسیح کا طغرا بنا ہوا ہے انکی نسبت خیال ہی کہ وہ بعض یونانی قیاصرہ کی قبروں کے تعویز ہیں اور قسطنطین اعظم کی قبر کا تعویز بھی ان میں ہی - مگر اس بحث کو چھوڑ کر میں بر سر مطلب آتی ہوں -

ینگچریوں کے صحن کا نام ہی ہم کو سخت مہیب معلوم ہوا - ہمکو ایک روش کے دوسرے سرے پر ان کا وہ مشہور صنوبر کا درخت دکھائی دیتا رہا تھا - جسکے نیچے وہ بغاوتوں کی بحث و بزیا جن وزیروں سے خفا ہو جاتے تھی - اونکی ہلاکت یا برطرفی کا سلطان سے مطالبہ کرنیکے متعلق صلاح و مشورہ کرنیکے لئے جمع ہوتے تھی انکی بارکیں ایاصوفیہ سے پرے آت میدان میں تھیں - مگر انکی سطح محل سرا کی سطح کے متوازی تھی یعنی دونوں یکساں بلندی پر تھیں بغاوت کے اظہار میں وہ اپنی دیگچیوں کو الٹ دیا کرتے تھی جس کا مطلب یہ ہوتا تھا - کہ حکمران سلطان سے وہ آئندہ کوئی رسد نہیں لیں گے - اس اعلان سے تمام شہر پر دہشت چھا جایا کرتی تھی صحن کے گرداگرد اصطبل اور غلاموں کی رہائش کیلئے مکان بنے ہوئے ہیں اس سے گذر کر ہم اورطہ کپور پہنچے - وہاں سلطانی حکم دکھا کر ہم اندر داخل ہوئے - اب تو اس دروازہ کی قطع وضع بالکل سیدہی سادی ہے - مگر کسی وقت اس کے دونوں سروں پر مضبوط پھاٹک لگے ہوئے تھی اور دونوں پھاٹکوں کے درمیان کی گنبددار جگہ مقتل کا کام دیتی تھی جہاں سیاہ فام بہرے اور گونگے اس صدر اعظم یا وزیر کو جو معتوب ہو گیا ہو - سلطان کے آخری سلام سے واپس آتے وقت فی الفور کمان سے ہلاک کر دینے کیلئے ہر وقت تیار کھڑے رہتے تھے - اس دروازہ سے ہم جس صحن میں داخل ہوئے - اس میں درخت اور پھول لگے ہوئے ہیں - اور دائیں طرف کو نو باورچیخانے ہیں - یہ گنبددار ہیں اور ہر گنبد میں دھوئیں کے نکلنے کے لئے ایک ایک سوراخ ہے - پہلا باورچیخانہ سلطان کے لئے - دوسرا سرکردہ حرموں کیلئے اور اسی طرح درجہ بدرجہ نواں باورچیخانہ سب سے ادنےٰ درجہ کے خادموں کیلئے ہوتا تھا ہم ایک خوشنما روش کے رستہ جسکے دونوں طرف خوبصورت سروں کی قطاریں تھیں باب سعادت پہنچے اور اس میں سے محل سرا کے اندرونی حصہ میں داخل ہوئے - خزانہ کا محافظ ہمکو اسکی سیر کرانیکے لئے

ابھی تیار نہ تھا۔ ہم ذرا سویرے پہنچ گئے تھے۔ اس لئے اسکے تیار ہونے تک نجیب بک ہمکو مجیدیہ کوشک میں لیگیا۔ یہ کوشک ایک خوبصورت گلشن میں بنی ہوئی ہے۔ وہاں سے ایک طرف ہم کو جزائر شہزادگان تک بحیرہ مارمورا اور اولمپس کی برفانی چوٹیاں۔ اور بائیں طرف خلیج کا دہانہ اور ایشیا اور یورپ کی پہاڑیوں کے درمیان نقرئی دھاری کی طرح پیچ در پیچ گذرتا ہوا باسفرس کا دریا دکھا دیا۔ اسکی آرائش فرنچ طرز میں کی گئی ہوئی ہے۔ چو طرفہ کے نظاروں سے سیر ہوکر ہم اسکے بڑے کمروں میں سے ایک میں چلے گئے اور وہاں ہمارے سامنے کھانا چن دیا گیا۔ دعوت میں ایک عجیب واقعہ گذرا۔ ایک خدمتگار بلوری برتن میں کوئی لیسدار شیرینی یا مربہ لاکر مہمانوں میں تقسیم کر رہا تھا۔ کہ جونہی وہ ایک لیڈی کے قریب پہنچا۔ اس کا پاؤں فرش کی نہایت ہی صاف اور چکنی چوبی تختہ بندی سے جسپر سیب اور ہاتھی دانت کا کام تھا پھسل گیا۔ اور اس وقت جب وہ آگے کو جھکا تو مربہ برتن سے اچھل کر لیڈی مذکورہ۔ فرش اور اسکے کپڑوں پر گر پڑا۔ اس سے کوئی چنداں نقصان نہ ہوا۔ تھوڑے سے پانی سے سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ مگر غلام کے چہرہ پر کچھ ایسی مردنی سی چھا گئی ہوئی تھی کہ ہم سب کو خیال پیدا ہو گیا۔ کہ اس غریب کو کوئی بہت ہی سخت سزا ملیگی۔ کھانیکے بعد سگرٹ تقسیم کئے گئے۔ بعد ازاں غلاموں کی ایک جماعت جن کی پوشاک اور عمامے سفید تھے۔ طلائی طاشتوں میں قہوہ کی پیالیاں لیکر آئے۔ جو پیالیاں مرد مہمانوں کو دی گئیں۔ انکی پرچیں ٹھوس سونے کی تھیں۔ جن پر نقش و نگار کا بہت کام تھا۔ اور جو لیڈیوں کو دیگئی تھیں۔ انکی پرچیں نہایت ہی نفیس طلائی تاروں سے بُنی ہوئی تھیں اور انپر اسقدر ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ کہ تل بھر جگہ خالی نہ تھی۔ سب سے آخر قہوہ جی آیا۔ وہ اپنی بائیں بازو اور کندھے پر نہایت ہی بیش قیمت قرمزی دسترخوان جسپر طلائی بیل بوٹے کاڑھے ہوئے تھے۔ ڈالے ہوا تھا۔ اُسکو ایک دوسرے غلام نے اٹھا لیا۔ اور اس وقت ہم کو معلوم ہوا کہ اُسنے ایک لمبی اور نازک قہوہ دانی خالص سونیکی ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی جس سے اُسنے ہماری پیالیوں میں قہوہ ڈالدیا۔ جب ہم نے پیالیاں واپس کیں تو انکو بڑی احتیاط سے گن لیا گیا۔ خدام کی اس احتیاط اور خبرداری کو ہم بڑی دلچسپی سے دیکھتے رہے۔

آخرش نجیب بک نے ہم کو اطلاع دی کہ اعلیٰ خزانچی تیار ہو گیا ہے ہم سب جلد عمارت کے دروازہ پر پہنچ گئے۔ اسکی پیشانی پر بھی چینی کا کام بنا ہوا ہے۔ دروازہ صرف اسی وقت کھولا گیا۔ جبکہ ہم داخل ہونیکے لئے تیار ہو گئے۔ خزانہ تین کمروں میں ہے۔ جو ایک دوسرے کے پیچھے ہیں۔ ہر ایک چیز بلوری الماریوں میں بند ہے۔ پھر بھی ہر ایک کمرہ خادموں سے بھرا ہوا تھا۔ جو کسی وقت بھی

ہم سے نظر نہ ہٹاتے تھے۔ سب سے عجیب چیز پہلے کمرہ میں ہی۔ یہ خالص سونے کا بہت بڑا تخت ہے
سونے پر مینا کاری ہے۔ اور بیشمار الماس لعل۔ زمرّد اور موتی اسپر جڑے ہوئے ہیں یہ ایران سے
غنیمت میں ملا تھا۔ ایرانی دستکاریاں نزاکت اور چمک دمک میں شہرہ آفاق ہیں یہ دونوں باتیں
اس تخت میں بھی پائی جاتی ہیں اس ستارکو ایک نظر دیکھنے سے کوئی ایذا رساں چمک یا خنیاء
عظیم انسانی نہیں پائی جاتی۔ وہ شکل میں ایک بہت ہی بڑی ایسی مدوّر کرسی کے مشابہ ہے۔ جو ٹیکنے
پڑھنے کے کمروں میں استعمال کی جاتی ہیں جواہرات میں سے موتی بالخصوص بڑے بڑے اور کمال
آبدار ہیں۔ اور خوب موقع بموقع نصب ہیں۔ اسی کمرہ کی گیلری (برآمدہ) میں ایک اور تخت ترکی
ساخت کا رکھا ہے۔ وہ آبنوس اور چوب صندل کا ہے جسپر سیپ اور سونے چاندی کا نفیس
کام بنا ہوا۔ اور لعل زمرد اور موتی جڑے ہوئے ہیں اس کا چھتر خالص سونے کا ہے جسکے وسط
میں مرغی کے انڈے کے برابر ایک زمرد لٹک رہا ہے۔ وہ گاؤن کٹا ہے۔ اور ترچھوا کر درست نہیں
کیا گیا ہے تاہم آب و تاب میں بے مثال ہے۔ دیواروں کے گرداگرد کے تمام خانے اور اسلحہ اور
زرہوں سے بھرے ہوئے ہیں یہ سب کے سب اعلیٰ درجہ کے مرصع ہیں۔ اور بعض دمشق کی ساخت ہیں
جن پر جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ ایسی کئی تلواریں ہیں۔ جن کے قبضے ازسرتاپا جواہرات سے
ڈھنپے ہوئے ہیں۔ زیتون کے چارجامے اور گھوڑوں کے ساز و یراق جملہ اقسام کے قیمتی پتھروں سے
مرصع ہیں اور انہی بیش بہا چیزوں کے دوش بدوش بالکل بے قیمت اور ناکارہ چیزیں مثلاً
خوق البھڑک کلاک معمولی چینی اور گلٹ کے برتن۔ جو غالباً پیرس کے شاہی محل سے حاصل کئے گئے
تھے۔ بناؤ سنگار کے فضول لوازمات باجے اور معمولی ریوالور اوپر تلے کسی سلیقہ یا لیاقت کے
بغیر رکھے ہوئے ہیں ایک کمرہ کے وسط میں خانہ دار گول میز ہے۔ اس میں سونے اور چاندی
کے سکوں سے بھرے ہوئے پیالے رکھے ہیں۔ دُنیا کا کوئی سکہ نہیں جو وہاں نہ ہو
اکثر بہت ہی پرانے زمانے کے ہیں۔ جن میں ایران کے ساسانی بادشاہوں کے وقت
کے ایسے طلائی سکے بھی ہیں۔ جو پرانے سکوں کے شائقین کی نظر سے ابتک نہیں گذرے
ہر ایک پیالہ میں جدا جدا قسم کے سکے ہیں۔ دوسری میز میں ان کٹے جواہرات قسم وار
متعدد پیالوں میں اتنے اتنے رکھے ہوئے ہیں۔ کہ انسان ان کی کئی مٹھیاں بھر سکتا ہے
یا بالفاظ دیگر اگر چاہے تو جواہرات سے ہاتھوں کو غسل دے سکتا ہے۔ دوسرے کمرہ کی دیواری
الماریوں میں سلطان محمد فاتح سے لیکر جس نے سنہ ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کیا سلطان محمود ثانی

مصلح تک جو سنہ ۱۸۳۹ء میں فوت ہوا۔ کل سلاطین کی درباری پوشاکیں رکھی ہیں۔ آخر الذکر سلطان نے ہی عماموں کی جگہ فز کو رواج دیکر قدیم ترکی لباس بڑی بڑی شلواروں اور وزنی خمدار تلواروں کو مسترد کر کے موجودہ سادہ ترکی لباس رائج کیا تہا۔ یہ لباس بیش قیمت ریشمی زربفت کے ہیں جن پر طلائی اور نقرئی کام بہت کثرت کے ساتہہ ہے۔ اور ہر ایک کے کمر بند میں ایک ایک بیش بہا پیش قبض لگا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک کا قبضہ ایک سالم بڑے زمرد کا ہے۔ ہر ایک شاہی دستار کے ایک طرف مرصع کلغی ہے۔ خدا نے ہم کو کمروں میں پھیلنے نہ دیا۔ نہ ایک ہی چیز کے سامنے زیادہ عرصہ ٹھہرنے دیا۔ گو جیسا کہ میں اوپر لکھ چکی ہوں۔ ہر ایک چیز بلوری خانوں میں بند اور محفوظ ہے۔ خزانہ سے باہر نکلنے پر ہمیں بتایا گیا۔ کہ اس سامنے کی عمارت میں جو چھوٹی سی مسجد معلوم ہوتی ہے۔ ملبوسات متبرکہ یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا جبّہ۔ علم نیز ان کا عصا۔ تلوار اور کمان رکہے ہوئے ہیں۔ سلطان سال میں ایک دفعہ بماہ رمضان مع اعیان و امراء وہاں جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے جبّہ مبارک کو نکال کر پہلے خود چومتے ہیں اور پھر باقی کل حاضرین کو اسکی زیارت کراتے ہیں۔ پیغمبری جھنڈا اگر کھڑا کیا جائے۔ تو اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ دنیا کے کل مسلمان غزا کے لئے اسکے گرد جمع ہو جائیں۔ اسلئے اس کو صرف سلطان بحیثیت خلیفہ اور بادشاہ کھڑا کر سکتے ہیں۔ اسی سنہ ۱۸۲۶ء میں سلطان محمود مصلح نے ینگچریوں کے مقابلہ کیوقت باہر نکالا تھا جس لڑائی میں ینگچریوں کی طاقت ہمیشہ کے لئے معدوم ہو گئی۔ اور مردانہ مقابلہ کے بعد ان کے سات ہزار آدمی تلوار اور توپ کا شکار ہوئے تہے نوعمر سلطان نے جسے اونہی نے تخت پر بٹھایا تہا۔ ان کو ایسی نیست و نابود کر دیا تہا۔ کہ وہ اسکے کہے پر نہیں چلتے تہے۔ استنبول اور پیرا کے تمام باشندے بکمال تردّد اور فکر سے لڑائی کے نتیجہ کا انتظار کر رہے تہے۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتے تہے۔ کہ اگر ینگچری غالب آ گئے۔ تو وہ کل آبادی سے نہایت سنگدلی اور سفاکی کے ساتھ بدلہ لیں گے۔ خزانہ کے بعد ہم نے کتب خانہ کی سیر کی اس میں کہا جاتا ہے۔ کئی ہزار قلمی نسخے عربی۔ فارسی۔ اور ترکی زبان میں موجود ہیں۔ اور ممکن ہے کہ گم شدہ یونانی نسخے بھی شاید کسی دن یہیں سے برآمد ہو جائیں۔ مگر ہمنے وہاں ایک کتاب یا قلمی نسخہ نہ دیکھا۔ سب اونچی اونچی بلند الماریوں میں جو دیواروں کے ساتھ لگی ہوئی تھیں۔ مقفّل تھیں بند تھیں۔ اور مکان کی ظاہری صورت دیکھکر اسکے کتب خانہ ہونیکا کبھی گمان بھی نہیں ہو سکتا تہا۔ چنانچہ اس مایوسی بخش کمرہ سے ہم جلد جلد باہر نکلکر دیوان یعنی ایوان تختِ شاہی کو چلے گئے۔ وہاں سلاطین ایک جالی دار کٹہرے کے پیچھے تخت پر

بیٹھ کر سفرائے دول کو شرف باریابی عطا کیا کرتے تھے۔ ایوان کی تمام دیواروں پر عجیب و غریب بیل بوٹوں اور چینی کا کام ہے۔ اور ایک بہت بڑا دیوان یا تخت جسکے چھتر پر قیمتی پتھر جڑے ہیں۔ ایوان کے بہت سے حصّے کو روکے ہوئے ہے۔

ناظرین کو خیال رہے کہ ۱۸۶۵ء کی عظیم آتشزدگی میں کئی کوشکیں اور چھوٹے چھوٹے محل جل گئے تھے۔ مگر سلاطین اس سے پہلے محل سرا کی رہائش ترک کرکے باسفرس کے جدید قصرات چراغان اور دولما باغچہ میں چلے گئے تھے۔ اس میں اب صرف سابق سلاطین کی حرمین اور منظور نظر کنیزکیں رہتی ہیں۔ جن میں سے بعض بہت ہی معمّر ہیں۔ دیوان خانہ سے نکلکر بغداد کوشک کو جاتے وقت ہم محل سرا کے ایسے حصّے سے گذرے۔ جہاں دوسرے حصوں کی نسبت باغات عمدہ حالت میں تھے۔ اور بناؤ سنگار کی نقرئی اشیاء کی کچھ مقدار دھوپ میں پڑی ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ انکو ابھی صاف کیا گیا ہے۔ میرے بیٹے نے پتہ لگایا کہ یہ چیزیں ان منظوران نظر میں سے بعض کی ملکیت ہیں۔ جو کسی وقت سیاہ و سفید کی مالک رہ کر اب محلسرا کی ان کوشکوں میں جن کی حالت باقی سے بہتر ہے موت کے دن پورے کر رہی ہیں۔ آخری سلطان جو محل سرا میں سویا وہ عبدالعزیز مرحوم تھا۔ جو معزولی کے بعد پہلے وہاں بھیجدیئے گئے۔ اور پھر چند دنوں کے بعد چراغان محل کو جہاں وہ فوت ہوئے بھیجدیئے گئے تھے۔ بغداد کوشک بلندی پر واقع ہے۔ اور سنگ مرمر کے زینوں پر چڑھ کر اس تک پہنچا جاتا ہے۔ جس قدر ترکی عمارتیں اس وقت موجود ہیں۔ وہ سب سے خوبصورت تصور کی جاتی ہے۔ دیواریں از سر تا پا نیلگوں چینی کی ہیں۔ دروازے ہاتھی دانت اور سیپ کے اور جس قدر قالین دیوان اور پردے اس میں موجود ہیں۔ وہ سب مشرقی صناعی اور دستکاری کے بہترین نمونے ہیں۔ گو رنگ شوخ ہیں مگر ایسی استادی سے ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہیں۔ کہ کل مجموعہ کو ایک نظر دیکھنے سے کوئی بیہودہ بھڑک نہیں پائی جاتی۔ اس کوشک سے ہم نے خلیج (یا بندرگاہ) سے پرے جو ہلکی پھلکی قایق سے لیکر بڑے بڑے بدشکل سٹیمروں تک ہر ایک قسم کی مرکب تری سے پُر تھی۔ پیرا اور غلطہ کا خوب نظارہ کیا۔ یہ بڑے سٹیمر جن سے ہمہ وقت غلیظ دھواں نکلتا رہتا ہے۔ باسفرس میں یا جزائر شہزادگاں تک بحیرہ مرمرا میں آمد و رفت کرتے رہتے ہیں۔ کوشک کے پائیں میں جو باغات تھے۔ ان میں ہمنے

کارنتھی طرز کی ساخت کا ایک ستون دیکھا۔ جو قصر تھیوڈوسی اس اعظم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس پر ایک آدھ مٹا کتبہ ہے جس سے بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ ستون قیصر کلاڈی اس گوتھی کس کے وقت کا ہے۔ اگر یہ خیال ٹھیک ہے۔ تو ستون مذکور شہر کی قدیم ترین اشیاء میں شمار کئے جانیکا مستحق ہے۔ سب سے پرانی چیز وہ ستون باران ہے۔ جو آت میدان میں کھڑا ہے۔ اور اس پر کسی وقت دلفی کے مندر کی بت اپولو کی پجارن کا طلائی ترسولا نصب تھا۔ اس کو قسطنطین وہاں سے بانی زنطیم لایا تھا۔ سانپ کے تینوں سر اب غائب ہیں ایک کو سلطان محمد فاتح نے فتح کے دن ایا صوفیا کو جاتے وقت اپنے گرز سے توڑا تھا۔ تین میں سے ایک سر عجائب گھر میں پڑا ہے۔ ابتدائی قیاصرہ کے زمانہ میں محل سرائے گوشہ پر کئی سرکاری عمارات موجود تھیں۔

ہم اب محل سراء کے اس حصہ میں تھے۔ جو حرم سرا کا کام دیا کرتا تھا بغداد کوشک حرم کے وسط میں واقع ہے۔ ہمارا دل تو یہی چاہتا تھا۔ کہ خوبصورت بغداد کوشک میں او رعرصہ ٹھیرے رہ کر اس کے نرم اور گدگدے دیوانوں پر استراحت کریں۔ اور اس وحشیانہ شوکت۔ سفاکیوں اور پُر از درد وغم واقعات پر جنکو یہ باغ مشاہدہ کرتے رہے ہیں خیال کریں یا ایک کمرے سے دوسرے میں گلگشت کرتے پھریں۔ مگر وقت گذرتا جاتا تھا اور ہم نے خلیج کے پار جاکر ابھی بگلر بک اور دولما باغیچہ کے محلات کو بھی دیکھنا تھا چنانچہ ہم متروک الاستعمال اور سنسان صحنوں میں سے واپس ہوتے ہوئے جن میں کبھی وزراء امراء۔ عساکر۔ غلامانِ شاہی۔ خواجگان۔ اور مشرقی مطلق العنان بادشاہوں کے دوسرے وسیع و عظیم لوازمات اور خدام و حشم کا جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ اورطہ کاپو سے باہر نکل آئے اور ہمارے تواض نے جو ہر دروازہ اور ہر عمارت میں علیحدہ علیحدہ انعام و اکرام خدام کو دیتا رہا تھا۔ آخری بخشش۔ محافظ اورطہ کاپو کو دی۔ وہاں سے ہم گاڑیوں پر سوار ہو کر پل کو دوبارہ عبور کر کے غلطہ کے پرلے بازاروں سے تو پخانہ کی گھاٹ پر پہنچے۔ وہاں خاص سلطانی قائقین جن میں سے ہر ایک پر دس دس چپے تھے۔ ہمارے انتظار میں کھڑی تھیں جیسا آرام اور مزہ اس کشتی پر حاصل ہوتا ہے۔ اور کسی قسم کے جہاز یا مرکب تری کی سواری میں نہیں ملتا۔ اُن پر میں اور میرا خاوند پہلی مرتبہ سوار ہوئے۔ شاہی قائقچی بڑی گھیرے دار شلواریں۔ بر وصہ کے سفید باریک ریشمی کپڑے کے کھلے کُرتے جن پر طلائی ڈوری

لگی ہوئی تھی۔ اور فیس پہنے ہوئے تھے۔

ان پر ہم پہلے محل دولما باغچہ کو گئے۔ سفید سنگ مرمر کی یہ عظیم الشان عمارت باسفرس کے یورپی ساحل پر واقع ہے۔ اور موجودہ مذاق کے مطابق نہایت شان و شوکت کے ساتھ سجائی گئی ہوئی ہے۔ وہاں کی سب سے عجیب چیزیں بڑا درباری ہال (ایوان) جس کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے۔ اور عجیب و غریب حمام ہے۔ حمام بھی وسعت میں لاثانی ہے۔ اسکی دیواریں شفاف سنگ سفید کی۔ اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ ہم وہاں کے مرقع یا کمرہ تصاویر کو دیکھکر بہت حیران ہوئے۔ اس میں زیادہ تر فرانسیسی یا دیسی مصوروں کی تصاویر تھیں جو سب کی سب نہایت ادنیٰ درجہ کی تھیں۔ درباری ایوان سے پرے حرم سرا ہے۔ جس میں اب وہ کنیزکیں رہتی ہیں۔ جو منظور نظر نہیں رہ گئیں۔ انکے واسطے محل میں ایک خوبصورت باغ بھی ہے۔ اس موقع سے بعد ہم کئی دفعہ گاڑی پر سوار اس محل کے پاس سے گذرے۔ مگر خشکی کی طرف بیرونی دیواریں بہت بلند ہیں جن کی وجہ سے محل نظر نہیں آتا اس دیوار میں جدا جدا دو نہایت ہی خوبصورت پھاٹک ہیں۔ سلطان المعظم بیرام کے دن اُن میں سے ایک میں سے اپنے درباریوں سمیت جو سب کے سب گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ گذر کر محل میں رونق افروز ہوتے ہیں اور وہاں عید کا دربار کرتے ہیں محل کا وہ حصہ جو باسفرس کی طرف ہے۔ کمال دلاویز اور خوشنما ہے۔ سنگ مرمر کے زینے محل کی لیکر جبکی عمارت نفاست کے ساتھ ہی پائیدار بھی غضب کی ہے۔ پانی تک چلے گئے ہیں۔

یہ تمام سلطانی محلات سے بہت ہی بڑا ہے۔ مگر سال میں صرف دو دفعہ چند گھنٹوں کے لئے سلطان المعظم کے استعمال میں آتا ہے۔ اسکے سیر سے فارغ ہو کر ہم پھر کشتیوں پر سوار ہو کر باسفرس کو عبور کر کے ایشیائی ساحل پر پہنچ گئے جس براعظم کی سرزمین پر ہم میں سے اکثر نے اب پہلی مرتبہ قدم دھرا۔ بگلر بک کا خوبصورت محل جسے بے نصیب عبدالعزیز نے تعمیر کرایا تھا خالص سنگ مرمر کا ہے۔ اس میں اب کوئی نہیں رہتا۔ اور کو سلطان المعظم وقتاً فوقتاً اس میں اپنے شاہی مہمانوں کو اتارتے رہتے ہیں۔ مگر وہ ابھی تک پورا مکمل بھی نہیں ہوا۔ اس کی اندرونی آرائش کمال شاندار اور بالکل ایشیائی مذاق کے مطابق ہے پہلی منزل میں ایک بڑا ستون دار ایوان ہے جس کی وسط میں سنگ مرمر کا حوض معہ فوارہ بنا ہوا ہے۔ محل کے اس حصے کے دریچے جالی دار ہیں جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی وقت وہ حرم سرائے

کا کام دیتا تھا۔ ہمارے چند رفقاء چڑیا خانہ دیکھنے کے لئے جسے عبد العزیز نے بنایا تھا۔ اس پہاڑی باغ پر جو محل کے پچھواڑے میں ہے چڑھ گئے۔ لیکن اکثر نے چونکہ دن بہت گرم تھا۔ سنگ مرمر کی ایک خوبصورت اور سرد کوشک میں جو باسفرس کے ساحل پر تھی استراحت کرنیکو ترجیح دی۔ گلاب ہر کنج و گوشہ میں بافراط اُگے ہوئے تھے۔ باغبان نجیب بک کے حکم دینے پر ہمارے لئے اُن کے گلدستے بنا لائے۔ یہاں سے ہم نائیقون پر سوار ہو کر توپخانہ کی گھاٹ کو واپس گئے۔ وہاں قائقچیوں کو فراخ دلی سے انعام و اکرام دیکر رخصت کر دیا گیا۔ ہمارے رفیق ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ اور اس دن کی یہ تفریح بخیر و خوبی ختم ہو گئی +

۴۔ سلاملک

ہمیں قسطنطنیہ میں آئے۔ چند دن ہی ہوئے تھے۔ کہ ایک دن ہمارے سفیر نے ہم کو کہا۔ "مجھے سلطان المعظم کا پیغام پہنچا ہے۔ کہ حضور ممدوح اب تک پروفیسر کے ورود کی اطلاع نہ دیئے جانے پر حیران ہیں۔ جلالت مآب کی اس شفقت آمیز یاد آوری کے جواب میں تم پر واجب ہے کہ اگلی سلاملک میں ضرور موجود ہو جاؤ۔ سلطان المعظم اس حاضری کو حاضر ہونے والے کی طرف سے آداب بجا لائے جانے کے برابر تصور کرتے ہیں" سلاملک جمعہ کے دن سلطان المعظم کے بجلوس شاہانہ مسجد کو جانیکی رسم کو کہتے ہیں

چنانچہ جمعہ کے دن ہمارا بیٹا گیارہ بجے کے وقت گاڑی لیکر پہنچ گیا۔ اس کے کوچ بکس پر سفارت کا ایک قواص بیٹھا ہوا تھا۔ قواص ان دیسی ملازموں کو کہتے ہیں جنہیں سلطان المعظم سفراء اور ایلچیوں کی حفاظت کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ ان کو تنخواہ اور وردی سفراء دیتے ہیں۔ اور سلطان المعظم کے حضور وہ اپنے اپنے سفراء اور ان کے ماتحتوں کی حفاظت کے ذمہ وار ہوتے ہیں۔ زمانہ سابق میں اگر سفارت کے کسی عہدہ دار پر کوئی حادثہ ہو جاتا تھا۔ تو بدنصیب قواص خواہ اس کا قصور ہو یا نہ ہو اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا تھا۔ جن لوگوں نے پال پانوٹ کا قصہ پڑھا ہے۔ ان کو یاد ہوگا کہ آیا صوفیا سے سکندر پانوٹ کے نامعلوم طور پر گم ہو جانے سے قواص کے کیسے حواس باختہ ہو گئے تھے۔ انگریزی سفارت میں چھ قواص ہیں۔ ان کی غیر رسمی وردی سیاہ نیلگوں کپڑے کی جس پر گنجان سیاہ ڈوری بھری ہوئی ہوتی ہے۔ پیٹی سنہری اور چوڑی ہوتی ہے۔ اور کندھوں پر پرتل بھی سنہری ہوتی ہے۔ وہ سب تلوار اور خنجر ایک

سنہری چرمی تھیلے میں جو کمربند سے لٹکا ہوتا ہے۔ ریوالور رکھتے ہیں۔ اُن کی رسمی پوشاک ہلکی سی قرمزی رنگ کی ہے۔ جسپر ڈوری بھی اسی رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ صرف درباری موقعوں پر جبکہ وہ سفیر کے ساتھ ہوں پہنی جاتی ہے۔

ہم سب صباحی پوشاک میں تھے قسطنطنیہ کے سفراء اور انکے ماتحت رسمی لباس بہت کم پہنتے ہیں ہم پہلے بڑے بازار کے نئے حصہ سے گذرے۔ کل پیرا میں یہی بازار خوبصورت ہے وہ ۱۸۷۰ء کی عظیم آتشزدگی کے بعد جسمیں انگریزی سفارت خانہ بھی جل گیا تھا۔ از سر نو تعمیر کیا گیا ہے۔ تمام بہترین دوکانیں۔ کلب اور ہسپانوی سفارت خانہ یہیں ہے۔ اس بازار سے دائیں طرف چکر کاٹ کر ہم قبرستان کی طرف ہو گئے۔ اس میں ابھی تک مردے دفن کئے جاتے ہیں۔ یہ پہلا ترکی قبرستان تھا۔ جو ہماری نظر سے گذرا۔ مردوں کی قبروں کے سرہانے جو ستون کھڑے کئے جاتے ہیں۔ ان پر شناخت کیلئے عمامہ بنا دیا جاتا ہے۔ کئی ستون گر گئے ہوئے تھے اور باقی میں سے بہی سیدھا کھڑا ہوا کوئی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کم و بیش سب ٹیڑھے ہو رہے تھے تمام ترکی قبرستانوں کی یہی کیفیت ہے جس سے دیکھنے والے کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ ترک اپنے قبرستانوں کو درست رکھنے کی چنداں پروا نہیں کرتے۔ اسکے مقابلہ پر اچھی بات یہ ہے۔ کہ ہر قبرستان میں چھوٹا ہو یا بڑا اسینکڑوں سرو اتنے بڑے قد و قامت کے لگے ہوئے ہیں جن کا انگلستان میں کبھی خیال بھی نہیں ہو سکتا۔ شہر کو دور سے دیکھنے پر خواہ کدہر سے اور کب دیکھا جائے۔ انکی وجہ سے بہت دلاویز نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر مسجد کے گرداگرد کھڑے ہیں۔ اور چمکدار سفید میناروں کے مقابلہ پر ان کی سیاہ سبزی عجیب بہاؤنی معلوم ہوتی ہے۔ سقوطری اور قبرستانوں کی طرح پہاڑیوں پر بھی سیناستونوں کی مانند سر بفلک کھڑے ہیں۔ ترکی مستورات قبرستانوں میں قالین بچھا کر سارا سارا دن انکے سایہ میں گذار دیتی ہیں۔ وہ ایسا اس لئے نہیں کرتیں۔ کہ انکو متوفیوں سے کوئی گہری محبت ہوتی ہے۔ برعکس اس کے ترک مردہ جسم کی جبکہ وہ ایک دفعہ آغوش لحد میں چلا جائے بہت کم پروا کرتے ہیں ان کا قول ہے۔ کہ جسم کے قبر میں پڑتے ہی روح بہشت میں پہنچ جاتی ہے۔ اور روح ہی وہ چیز ہے۔ جس سے ہم کو الفت تھی۔ اسی وجہ سے ترک لوگ اپنے جنازوں کو ایسی جلدی سے لیکر چلتے ہیں۔ کہ ہم عیسائی لوگوں کو یہ حرکت بہت نازیبا معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ جلدی اس لئے کر رہے ہیں۔ کہ جس قدر جلد مردہ قبر میں جائیگا۔ اسی قدر اسکی

روح کو بہشت میں جلد جانیکا موقع ملیگا۔ اگر کسی نیک بخت اور نیک ترک کے پاس سے جنازہ گذرے تو وہ جنازہ برداروں کا جو جلد جلد چلنے سے جلد تھک جاتے ہیں ضرور ہاتھ بٹائیگا ایسا کرنے والا اگر چالیس قدم چلے تو اس کا ایک کبیرہ گناہ بارگاہ خداوندی سے معاف ہو جاتا ہے۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ ترکی مستورات تفریح کے لئے قبرستانوں کو جاتی ہیں۔ قلعہ ومیلی حصار کے بائیں ایک چھوٹا سا متروک الاستعمال قبرستان ہے۔ جو باسفرس کی کنارہ تک ڈھال کھاتا چلا گیا ہے۔ اس نواح کی ترکی مستورات کیلئے وہ عام تفریح گاہ ہے۔ مجھے خیال ہے کہ کبھی باسفرس سے نہ گذرے ہوں گے۔ جبکہ ہم نے قبرستان میں ادہر اُدہر اور بالخصوص اسکی حد پر کے خوبصورت سرو کے درخت کے نیچے سبزہ زار پر چمکدار قالین بچھائے ہوئے ان پر سفید پوش مستورات کے جمگھٹ کو نہ بیٹھا دیکھا ہو۔ عورتوں کی قبر کے سرہانے پتلے سے سیدھے ستون کھڑے کئے جاتے ہیں جنپر سنہری رنگ سے ایک شاخ بنادی جاتی ہے۔ اور جسقدر متوفیہ کے بچے ہوں۔ اسی قدر اس شاخ پر پھول بنا دیئے جاتے ہیں جو پتوں میں باہر نکلے ہوئے ہوتے ہیں جس قدر ستون مجھے دیکھنے کا اتفاق ہوا ان میں سے بہت ہی کم ایسے تھے جن کی شاخوں میں فقط پتے ہی ہوں۔ پھول کوئی نہ ہو۔ سرو کی میٹھی اور بھینی بھینی خوشبو کی وجہ سے قبرستان میں زیادہ عرصہ بیٹھنے سے کوئی مسرت نہیں پہنچتی۔ پہلے قبرستان کے مقابل جرمنی سفارت کا گرانڈیل محل ہے۔ جہاں سے باسفرس کے اوپر سے دور تک نظارہ ہوتا ہے۔ سڑک یہاں بہت ڈھالو اور پیچ در پیچ ہے۔ اُسپر سے ہم سنگ مرمر کے محل دولمہ باغچہ پہنچے یہ باسفرس پر ہے۔ اور صرف عیدین کے بڑے درباروں کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اسے سلطان عبدالمجید نے بنایا تھا۔ وہ اور اس کا جانشین بدقسمت عبدالعزیز اکثر اسی میں رہائش رکھتے تھے۔ عبدالعزیز جب ۱۸۷۶ء میں معزول کئے گئے تھے تو وہ اس وقت اسی محل میں سکونت گزین تھے۔ یہاں سے پہلے ان کو محل سرا اور پھر چراغان محل کو جو اس سے کچھ پرے باسفرس پر ہے۔ اور جہاں ان کی زندگی کا بے وقت خاتمہ ہوا بھیجدیا گیا تھا۔ محل مذکور سے لیکر لشکر طاش کے کل مضافات کی سڑک فوج سے بھری ہوئی تھی۔ جو سلانک کو چلی جا رہی تھی۔ ہر چوک پر ہم کو سالم کی سالم کمپنیاں ملیں جو غبار آلود سڑکوں پر لمبا سفر کرنیکے بعد وردیوں اور بوٹوں کو جھاڑ رہی تھیں۔ کئی رجمنٹیں سلانک کے موقع پر استنبول کے بعیدی حصوں بلکہ شہر پناہ کے باہر سے

آتی ہیں۔ ان کے افسر زرق برق وردیاں پہنے قہوہ خانوں کے دروازوں پر جو بازار میں بہ تعداد کثیر موجود ہیں۔ آرام کر رہے اور قہوہ و تمباکو پی رہے تھے۔ وہاں سے بائیں طرف خشکی کی جانب سیدھا چکر کاٹ کر ہم اس سیدھی چڑھائی پر ہو گئے۔ جو یلدز محل کو جاتی ہے۔ سلطان المعظم ہمیشہ اسی محل میں رہتے ہیں۔ اور صرف مسجد کو جانیکے لئے جو محل کے ایک گولی کے ٹپے پر ہے۔ یا عیدین کے موقع پر دولمہ باغچہ میں اعیان و اراکین سلطنت کو شرف باریابی عطا کرنیکے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں۔ خرقہ شریف کی زیارت کیلئے جو رمضان میں کی جاتی ہے۔ وہ ہر سال قدیم محلسرا کو نہیں جاتے۔ اور جس سال وہ جانیکا عزم کر لیتے ہیں۔ تو جس رستہ سے تشریف لے جانیکا قصد ہوا سے آخری وقت تک خفیہ رکھتے ہیں۔ تاکہ اعداء اور مفسدین انکی ذات خلافت پناہی پر کسی قاتلانہ حملہ کا کوئی انتظام پہلے سے نہ کر سکیں۔ پہلے جبکہ سلاطین باسفرس کے ساحلی محلات میں سے کسی ایک میں رہتے تھے۔ تو شاہانہ جلوس بڑی بڑی گلٹ شدہ قایقوں پر جو ایک سو فیٹ لمبی ہیں۔ اور ہر ایک میں ۲۶ قایقچی ہوتے تھے۔ باسفرس کو رستہ محل سرائی گوشہ کے پائیں تک جاتے تھے۔ اور وہاں قایقوں سے اتر کر سب شاندار گھوڑوں پر سوار ہو کر باغوں میں سے باب ہمایوں کو جاتے تھے۔ اب یہ کشتیاں خلیج کے دہانہ پر ایک عمارت میں جو بندرگاہ پر بنی ہوئی ہے بند ہیں۔ اس درباری جلوس کا نظارہ واقعی بہت ہی شاندار اور خوشنما ہوتا ہو گا۔ کیونکہ تمام درباری اور امراء و وزراء سلطان کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ پہلے سلاطین میں سے اکثر رمضان کے آخری سات راتوں کو جن میں قرآن شریف آسمان سے نازل ہوا ایا صوفیا کو بھی جایا کرتے تھے۔ اور ان موقعوں پر بھی تزک و احتشام اور ٹھاٹھ ہوتا تھا۔ جیسا اب عیدین کے دربار کیلئے دولمہ باغچہ کو جاتے وقت ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا تھا۔ کہ ان جلوسوں میں تمام بڑی بڑی مساجد کے امام بھی جلوس میں شامل ہوتے تھے موجودہ فرمانروا نے ایا صوفیا جانا بالکل ہی ترک کر دیا ہے۔ مکانوں کی جالی دار کھڑکیوں سے معلوم ہو رہا ہے۔ کہ یہ سارا محلہ ابشکطاش ترکوں کا ہے۔ غربا کے مکانات کے کل دریچے جنکی مستورات کو گھر کا کل کاروبار کرنا پڑتا ہے۔ جالی دار ہیں۔ اور متمولوں کے مکانوں میں جنکے پاس خدمتگاری کے لئے باندیاں موجود ہوتی ہیں۔ صرف حرم سرا کے دریچے اس طرح محفوظ ہیں۔ سلاملک یعنی مردانہ حصوں کے دریچے جن میں مستورات کبھی داخل نہیں ہوتیں بلا جالی ہیں۔ پست قامت مگر مضبوط و چابک عربی گھوڑے سیدھی پہاڑی پر ایسی تیزی سے چڑھے کہ ہمکو ان پیدلوں کے

متعدد جھنڈوں کو بھی جو ایک ہی جگہ جانیکے لئے پہاڑی پر چڑہے چلے جارہے تہے۔ دیکہنے کا پورا موقع نہ ملا۔ کہیں عرب عمامے باندہے اور لمبے لمبے بے تشکل جغے پہنے۔ کہیں متین وثقہ ترک فیس اور لمبے کوٹ پہنے اور ان میں سے بعض بعض اپنے خوردسال بچوں کو بھی جو نیز اسی طرح کوٹ اور فیس ڈاٹے ہوئے تہے ساتھ لئے ہوئے تہے۔ کہیں ادنی جماعتوں کی مستورات سفید برقعے لئے۔ کہیں درویش لمبی لمبی بھوری کلاہیں اوڑہے۔ اور کسی جگہ حرکی سائیس فرق البھرکر کے وردیوں میں اپنے اپنے آقاؤں کیلئے جو پہاڑی کی چوٹی پر محل کے قریب منتظر کہڑے تہے۔ خوبصورت اور شاندار گھوڑے جن پر ساز بہی نہایت زرق برق کے پڑے ہوئے تہے لئے چلے جارہے تہے ان کے علاوہ علماء شیوخ اور مفتی گروہ در گروہ سڑک پر موجود تہے۔ جو سب کے سب سلطان المعظم کے دیدار کیلئے جن کا وہ بحیثیت اپنے شہنشاہ کے ہی نہیں۔ بلکہ بحیثیت نائب رسول اللہؐ وخلیفۃ المسلمین بہی ادب و عزت کرتے ہیں چلے جا رہے تہے۔

آخر ہم مسجد (جامع حمیدیہ) کے مقابل ایک پست سفید عمارت کے سامنے جا کر جس کی دریچوں سے وہ لوگ جنکو سفارتی وکلاء اور ایلچی ساتھ لیجائیں یا معرفت کرائیں جلوس کو دیکھ سکتے ہیں۔ گاڑی سے اتر پڑے اور صحن میں سے گذر کر جس میں وہ لوگ جن کے پاس داخلہ کے ٹکٹ نہ تہے۔ اور نیز بیشمار پاشا اور یاور اپنے اپنے مقررہ مقام پر قائم ہونیکے وقت کے پہنچنے کے انتظار میں کہڑے تہے۔ گذر کر دروازہ پر پہنچگئے۔ اور اپنے نام کے کارڈ دیکر عمارت کی اندر داخل ہو گئے۔ ہم کسی قدر سویرے پہنچ گئے۔ ابھی سارے دریچے نہیں رُکے تہے جس سے ہم کو ایک دریچہ میں اگلی کرسیاں مل گئیں۔ اور گو جلوس کے آنے میں کچھ دیر تہی۔ مکان سے باہر میدان میں خاصی چہل پہل اور رونق ہو گئی ہوئی تہی۔ ہمارے سامنے سڑک سے پرے وسیع پختہ فرش پر وہ چہوٹی سی سفید مسجد تہی جس میں سلطان نماز ادا کرتے ہیں دائیں طرف اس سڑک کے پرے کنارہ پر جسکے رستہ ہم پہاڑی پر چڑہے تہے۔ فوج سواران کے دو زبردست بیڑے بڑے باندہے کہڑے تہے۔ ایک بیڑہ کے گھوڑے سمندر اور دوسرے کے بادامی رنگ کے تہے۔ سواروں کے ہاتھ میں نیزے تہے۔ جنکی سرخ بیرقیں دھوپ میں آب و تاب کے ساتھ چمک رہی تہیں۔ انکے سامنے کئی سو ترکی عورتیں سروں پر سفید ململ کا بڑا رومال برقعہ کا کام دینے کے لئے باندہے ہوئی کھڑی تہیں۔ یہ غریب لوگوں کی مستورات کا لباس ہے۔ امراء اور متمولین کی عورتیں لیشمک یعنی باریک ململ کا نقاب پہنتی ہیں۔ غریب عورتیں اس رومال

کا ایک سرا منہہ کے اوپر سے بہی باندھ لیتی ہیں - مرد تماشائی طرح طرح کی پوشاکیں پہنے جہاں انکے سینگ سما سکے کہڑے تہے - تہوڑی ہی دیر میں پہلے بینڈ (فوجی باجہ) کی آواز سنائی دی - اور پیدل رجمنٹیں یکے بعد دیگرے بسرعت پہاڑی پر پہنچکر ان تمام سڑکوں پر جو مسجد کے ارد گرد ہیں اپنے اپنے موقع پر صف بستہ ہوگئیں بعد ازاں ذوا وقوں کی دو رجمنٹیں جنکے عمامے سبز سرخ ڈہیلی شلواریں اور سفید گیٹرز تہے - ہماری کہڑکیوں کے نیچے صف آرا ہوئیں - وہ محل کی طرف سے پہاڑی کے اوپر سے یہاں آئی تھیں - باجہ ان کے آگے آگے بجتا آتا تہا - اور سپاہیوں کے قدم نہایت سبک اُٹھتے تہے - جنکی رفتار واقعی سپاہیانہ اور کمال بانکی اور خوش وضع تہی - ہمارے بالمقابل سڑک سے پرے بحری سپاہیوں کی رجمنٹ تھی - اس کے سپاہیوں کے کالر ملاخانہ یعنی بہت اونچے تہے - الغرض ہر ہفتہ مسجد کے گرد حمید تقریباً آٹھہ ہزار سپاہی جمع ہو جاتی ہے - اور یہ فوج ہی بذاتہا کچھ کم فرحت بخش نظارہ نہیں - کیونکہ ترکی سپاہی اعلیٰ درجہ کے قواعد دان ہیں - اور ان کی وردی بہی بہت عمدہ اور نفیس ہے - ان کے افسروں کی وردیاں سنہری لیس سے آنکھوں میں چکا چوند ڈال دیتی ہیں - اور بالعموم تمام افسروں کے سینے نشانوں اور تمغوں سے ڈھنپے ہوتے ہیں - ہماری کہڑکیوں کے نیچے ایک ایک دو دو کرکے اسپ سوار افسروں کی درخشاں جماعت جمع ہوگئی تھی - اور سامنے بیش بہا وردیاں پہنے ہوئے لڑکوں کا ایک گروہ تھا - یہ سلطان المعظم کے فرزند اور وہ لڑکے تہے - جو انکے ساتہہ تعلیم پاتے ہیں - دیدار سلطانی کی منتظر فوج کی صفوں میں سقّے پانی پلاتے پہرتے تہے - پہلی صف والوں میں سے اکثر کو ہم نے سقّوں سے کٹورے لیکر پچھلی صف والوں کو دیتے دیکھا -

اتنے میں ہمارے قریب کسی نے آواز دی - "ہز اکسیلنسی وہ چلے آرہے ہیں" - اسپر ہمنے باہر جہانک کر دیکھا تو ہمارے سفیر کی گاڑی پہاڑی پر چلی آرہی تہی - اور دو قواص سرخ درباری لباس میں آگے بیٹھے ہوئے تہے - اسی وقت بالو سے بہری ہوئی متعدد گاڑیاں آگئیں - انکے آگے گدہے اور ٹٹو جتے ہوئے تہے - ان میں سے جھٹ پٹ ہمارے سامنے کی سڑک پر جہاں سے سلطان المعظم نے گذرنا تہا - ریت بچہا دی گئی - یہ آخری انتظام تہا جسپر تمام افسر جو نیچے کہڑے تہے خبردار ہوگئے - نوکر چھوٹے چھوٹے سیاہ چرمی بکس لیکر مسجد کو دوڑ پڑے - ان میں ان کے آقاؤں کے درجوں نشانات وغیرہ لگائے بغیر گھوڑوں یا گاڑیوں پر مسجد کو چلے گئے تہے - اور اس کے دروازہ پر جلوس میں شامل

ہونے بغیر سلطان المعظم کا استقبال کرینگے) نشان تمغے اور کندہوں کے سنہری جھالرین سند تھیں۔
اس وقت اعلیٰ خواجہ سراء جو دراز قامت، مضبوط جسم معمر حبشی ہے صحن سے آہستہ آہستہ نیچے اتر کر مسجد کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک خادم اسکے نت نات وغیرہ کا بکس لئے ہوئے آگے آگے تہا اعلیٰ ترین اراکین سلطنت (آلتی سی) میں اس کا درجہ تیسرے نمبر پر ہے۔ یعنی خدیو مصر پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ عین اس موقع پر ہمیں پیغام پہنچا کہ ہم اپنے سفیر کی کوشک میں جو اس عمارت کی نسبت محل سے زیادہ قریب ہے۔ آجائیں۔ ہمنے ایسا ہی کیا۔ وہاں سے پہلی جگہ سے بدرجہا بہتر نظارہ ہو سکتا تہا۔ ایک طرف یلدز کے پھاٹک دکھائی دیتے تہے۔ اور دوسری طرف وہ پہاڑی جو فوج سواران کے عقب میں تھی۔ ہم اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تہے کہ کسی نے آواز دی "وہ دیکھو خاتونانِ حرم آرہی ہیں"۔ وہ نہایت خوبصورت چھ بند گاڑیوں میں سوار تھیں۔ جو یکے بعد دیگرے یلدز سے نیچے اتر کر ہمارے دریچوں کے سامنے سے گذرتی ہوئیں مسجد کی صحن کے آہنی پھاٹک پر پہنچگئیں۔ وہاں وہ ایک دوسری کے پیچھے کھڑی کر دیگئیں۔ گھوڑے کھول دیئے گئے اور خاتونیں جلوس کا نظارہ کرنیکے لئے گاڑیوں میں ہی بیٹھی رہیں۔ جن کے دریچوں کے پردے آدہے آدہے اُٹھے ہوئے تھے۔ ہر گاڑی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ ایک ایک بدشکل و مکروہ حبشی خواجہ سرا ہوتا ہے۔ والدۂ سلطان سب پر فوقیت رکھتی ہیں۔ موجودہ والدہ سلطان فی الحقیقت سلطان المعظم کی دایہ ہیں۔ انکی حقیقی والدہ انکے پیدا ہونیکے وقت فوت ہو گئی تہیں۔ گاڑیوں کے مقابل سے گذرتے وقت انکے نیم برداشتہ چلمنوں میں سے ہم صرف بیگمات کی گلابی۔ نیلگون اور زرد زربفت کی پوشاکوں کی ایک جھلک دیکھ سکے۔ البتہ سلطان المعظم کی ایک خوردسال دختر بلند اختر کا چہرہ جسکی عمر ابہی اتنی نہ تہی کہ اُسے نقاب پہنایا جائے۔ اور اسکی چلمن کے اوپر سے طفلانہ اشتیاق اور اجنبیی کی نظر سے ہماری طرف دیکہا ہمکو اچھی طرح دکہائی دیا۔

اس وقت تک مسجد کا صحن، پاشاؤں، یاوروں اور ہر قسم کے عہدہ داروں سے جو زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے تہے بھر گیا۔ صرف سلطان المعظم کی گاڑی اور انکے ہمرکاب افسروں کیلئے جگہ باقی رہی۔ اب بارہ بجکر کچھ منٹ ہو گئے تہے۔ موذن ماذنہ کی گیلری (برآمدہ) پر جو مینار کی چوٹی پر اسکے گرداگرد بنی ہوئی ہے نمودار ہو گیا۔ وہ اسی انتظار میں تہا کہ جونہی جلالت مآب کی سواری محل سے روانہ ہو۔ اذان دینا شروع کر دے۔ ابتک تمام رجمنٹوں کے بینڈ باری باری بجتے رہے تہے موسیقی بالکل یورپین تہا۔ مگر اب وہ رک گئے۔ اور موذن کی پہلی صدا اللہ اکبر ہوا کی لطیف جہونکوں نے ہم تک پہنچا دی

وہ گیلری پر جنوب کی طرف گھوم گیا تھا - اور اسی طرح اسکے اور ہمارے درمیان مینار کے حائل ہوجانے کی ہماری نظر سے اوجھل ہوگیا تھا وہ گیلری پر گھومتا ہوا اللہُ اکبر - اللہُ اکبر - اللہُ اکبر - اللہ اکبر - اشہد ان لا اِلٰہ اِلّا اللہ - اشہد ان لا اِلٰہ اِلّا اللہ - اشہد انّ محمدً رسول اللہ - اشہد ان محمدً رسول اللہ - حیّ علیَ الصلوٰۃ - حیّ علیَ الصلوٰۃ - حیّ علی الفلاح - حیّ علی الفلاح - اللہ اکبر - اللہ اکبر - لا اِلٰہ اِلّا اللہُ - کے موثر فقرے دہراتا گیا - اور اسکی بتدریج ہماری طرف کو گھومتے آنیسے اسکی آواز زیادہ بلند ہوگئی - اتنے میں تازہ بچھائی گئی ریت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی - یہ ان پاشاؤں کی لمبی قطار تھی - جو جلوس کے اگلے سرے پر تھے اُنکی وردیوں پر جو تمغوں سے ڈھکی ہوئی تھیں - نظر نہیں ٹھیر سکتی تھی - وہ سڑک کے دونوں کناروں پر ایک دوسرے کے پیچھے قطار باندھے محل سے نکلکر پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے مسجد کے دروازہ پر پہنچ گئے - اور وہاں ان لوگوں کے آگے جو پہلے سے منتظر کھڑے تھے - صف باندھ کر کھڑے ہوگئے - انکے بعد پانچ یا چھ دوسرے عہدہ دار گذرے - یہ وزراء تھے - اور سڑک کے بیچوں بیچ چل رہے تھے - اس وقت ہم کو سلطانی ترانہ "حمیدیہ راگ" کی ابتدائی سریں سُنائی دیتی ہیں - یہ اس امر کا نشان تھا - کہ جلالتمآب یلدز کے پھاٹک سے باہر رونق افروز ہوگئے ہیں - اب تو سب کی گردنیں موکبِ ہمایوں کی اوّل جھلک دیکھنے کے لئے محل کی طرف مڑ گئیں - سنو! سنو!! یہ پُرزور صدائیں کیسی ہیں ؟ یہ ہر ایک رجمنٹ کے خلوص دل سے بلند کئے گئے - نعروں کی آوازیں ہیں - جو وہ سلطان المعظم کے انکے مقابل سے گذرتے وقت نوبت بنوبت بلند کر رہی ہیں - یہ نعرے انگریزوں کے پُر آواز اور گونجتے ہوئے فوجی نعروں (ہُرّاہ) یا اہالی سویڈن کے نعرہ ہائے "راہ راہ" یا جرمنیوں کے نعرہ ہائے "ہاک ہاک" یا اہالی اٹلی کے مختصر نعرہ "یوا" کے مشابہ نہیں بلکہ عمیق با جذبہ اور ثقہ مگر ساتھ ہی موثر اور جرأت انگیز مسلسل سُریلی گونج کی سی آواز سے مشابہ ہیں - چند لمحوں کے بعد از سرتا پا سنہری گلٹ کی ہوئی بروش (ایک قسم کی چوپہیہ گاڑی) جس پر سبز مینا کاری تھی - دکھائی دینے لگ گئی - اسکے آگے دو شاندار مُشکی گھوڑے جن پر طلائی ساز پڑا ہوا تھا - جُتے ہوئے تھے - کوچبان شوخ نیلگوں رنگ کی وردی جو طلائی کام سے ڈھکی ہوئی تھی پہنے ہوئے تھا دونوں طرف بھی وردیاں پہنے ہوئے سائیس گھوڑوں کو تھامے ہوئے ساتھ ساتھ تھے - اور تمام طرف جہانتک نظر کام کرتی تھی - بحری - فوجی - ملکی - ملازم و آقا ہر ایک شخص کے سر پر بھی کمال رواج یافتہ اور کمال زیبندہ فس ہی فس نظر آتی تھی - گاڑی میں ایک میانہ قامت بگر با جلال

فیخص سیدہا سادہ فوجی اور کوٹ (لمبا کوٹ) پہنے ہوئے بیٹھا تہا۔ سینہ پر کوئی تمغہ یا نشان کسی قسم کا نہیں صرف ایک خمدار شمشیر کمر سے بندہی ہوئی ہے۔ اور سر پر باقی تمام لوگوں کی طرح فز رکھی ہے۔ خمدار لمبی ناک بتاتی ہے کہ انکی والدہ ارمن تھیں گذرتے ہوئے انہوں نے اپنی تیز نگاہ اٹھا کر ہمارے دریچہ کی طرف دیکھا اسوقت انکے انداز سے معلوم ہو رہا تہا۔ کہ انہوں نے چند کے چہروں کو پہچان لیا ہے۔ مگر بظاہر ان کا چہرہ بدستور ساکن اور برقرار رہا۔ اسپر کوئی حرکت یا جنبش نہ پائی گئی۔ نہ کسیکو انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ گو انکے تمام جسم ایک خفیف سی ڈولتی ہوئی حرکت پائی جاتی تہی جو ایسی خفیف تہی۔ کہ ممکن ہے وہ صرف گاڑی کی حرکت سے پیدا ہو رہی ہو۔ اور عمداً نہ ہو۔ اعلیحضرت کے مقابل شیر پلیونا عثمان غازی بیٹھے تہے۔ صرف غازی ممدوح ہی ایسے شخص ہیں جو جلالت مآب کے ہروقت رفیق و مصاحب ہیں اور جنپر سلطان المعظم کو پورا اعتبار اور بھروسہ ہے۔ گاڑی کے پیچھے نہایت ہی شاندار زرین سواری کے چھ خالص عرب گھوڑے آرہے تہے جنکو ایک ایک سائیس تھامے ہوا تہا۔

چنانچہ گاڑی آہستہ آہستہ گذر کر مسجد کے دروازہ میں داخل ہوگئی۔ تمام پاشا نعرے بلند کرتے ہیں اور گاڑی ان سنگ مرمر کے زینوں کے پاس جو عام کی آمد و رفت کے دروازہ سے بائیں طرف ہیں کھڑی ہوجاتی ہے۔ جب سلطان المعظم جو اس تمام شان و شوکت اور جاہ و جلال کے مرکز اور روح و روان ہیں۔ اپنی سیدہی سادی صوفیانہ پوشاک میں گاڑی سے برآمد ہوئے۔ تو مؤذن مینار کی گیلری کے کٹہرے پر جھک گیا اور حضور ممدوح کو مخاطب کرکے یہ فقرہ جو صرف اسی موقع پر کہا جاتا ہے۔ باآواز بلند کہا۔ یاد رکھ کہ تجھ سے بھی ایک بڑا موجود ہے۔ اس کے بعد سلطان مسجد میں داخل ہو کر نظر سے اوجہل ہوگئے اور

ل مسجد کی اندرونی کیفیت سے ناظرین کو آگاہ کرنیکے لئے میں مولانا شبلی کے سفرنامہ سے سلاملق کا پورا بیان یہاں درج کرتا ہوں۔ تاکہ اس ہفتہ وار شاہانہ جلوس اور مذہبی رسم کے پورے حالات سے ناظرین کو واقفیت حاصل ہوجائے۔ اور ایک سیاح کے بیان کردہ حالات کی کمی دوسرے کی تحریر سے پوری ہوجائے۔ مولانا شبلی حسب ذیل تحریر فرماتے ہیں:۔

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پر لغو اور دلچسپ نہیں ہے۔ سلاملق ترکی لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں اسلئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلطان عام طور پر قصر شاہی سے کبھی باہر نہیں نکلتے۔ صرف نماز جمعہ پڑہنے کیلئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے۔ زبان یا قلم کے ذریعہ سے اسکی تصویر کھینچنی مشکل

پاشا عام دروازہ کے راستہ نماز میں شریک ہونیکے لئے جلد جلد اندر چلے گئے۔ جب نمازی زیادہ ہوں۔ اور جامع حمیدیہ جو دوسری جامع مسجدوں سے بہت چھوٹی ہے بھر جائے۔ تو مصلی مسجد کے صحن میں بھی بچھا دیے جاتے ہیں۔ تاکہ سب نماز میں شریک ہوجائیں۔ مسجد کے کھلے دروازوں اور دروں سے امام کی گنگناتی ہوئی آواز ہمکو سنائی دیتی رہی۔ اور ہم صحن والے نمازیوں کو ہر تکبیر پر ایک ساتھ کمال با قاعدگی سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹ ــ اور سخت مشکل ہے۔ باوجودیکہ مہینے میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ وقوع پیش آتا ہے۔ اور اسوجہ سے اسکو ایک معمولی چیز کہا جا سکتا ہے۔ تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھکر تماشہ دیکھتے ہیں۔ یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں۔ اسموقع کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ موکب ہمایونی کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے معزز لوگوں کو ٹکٹ لیکر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ چنانچہ ہر ایک جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے۔ میرے زمانہ اقامت میں ہنگری کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے۔ اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے۔

میں ہندوستان میں یہ حالات سُن چکا تھا۔ اسلئے قسطنطنیہ پہنچکر اول اسی کی سیر کا ارادہ کیا ایک شامی عرب کو جن سے حال میں ملاقات ہوگئی تھی ساتھ لیا۔ اور جامع حمیدیہ پہنچا۔ وہاں پہنچکر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کی پرے جمے ہیں اور موکب ہمایونی تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے۔ مجبوراً واپس آیا۔ حسین حبیب آفندی جو کسی زمانہ میں بمبئی میں ترکش کانسل تھے۔ اور اب قسطنطنیہ میں پولس کمشنر ہیں وہ مجھکو اس ذریعہ سے جانتے تھے۔ کہ محاربہ روس میں میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہی کے ذریعہ سے قسطنطنیہ روانہ کی تھی۔ اسی تعارف کی بنا پر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن مسجد حمیدیہ میں آنا۔ تمہارے لئے میں ٹکٹ لے رکھوں گا۔ لیکن بدقسمتی سے (اور سچ پوچھیے تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہنچا تو وہ وہاں موجود نہ تھے دیر تک مسجد کے دروازہ پر انکا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک بجے سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا تو فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہوگئیں اور تمام راستے رُک گئے۔ میں مسجد میں مایوس ہوکر داخل ہوا۔ اور افسوس کرتا تھا۔ کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی۔ کہ ایک گرج کی سی آواز سنائی دی۔ اور تمام میدان گونج اٹھا۔ معلوم ہوا۔ کہ سلطان کی سواری قریب آپہنچی اور یہ "بادشاہم چوق یشا" کا نعرہ تھا۔ جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے۔ یہ نعرے پے در پے تین بار بلند ہوئے۔ کوکبہ سلطانی مسجد تک آپہنچا۔ اور نعروں کی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی کہ موذن نے جو سلطان

رکوع و سجود اور قیام کرتے دیکھتے رہے۔ اب ہم کو اپنے دوستوں سے بات چیت کرنے کا موقع ملگیا ہمکو فرنچ سفیر سویڈن کے ایلچی اور دوسرے حاضرین سے روشناس کرایا گیا تھا اور دیہیں خدام نہایت اعلیٰ قسم کی چاء لائے اور سب میں سگرٹ تقسیم کئے گئے۔ اور سلطان المعظم کی مراجعت کے انتظار کا وقت بڑے خوشی دلطف میں بسر ہؤا۔ تھوڑی دیر کے بعد رئیس التشریفات سب کو اپنے آقا نامدار کا سلام پہنچانے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰:- کے مشاہدہ جمال کا انتظار کر رہا تھا۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ دونوں آوازیں ملکر دل پر عجیب اثر کرتی تھیں سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے۔ چونکہ مسجد کا صحن داخل بمسجد نہیں ہے کہ یعنی وہاں نماز نہیں پڑھتے اور جوتے پہنکر نہیں جا سکتے ہیں۔ گاڑی صحن تک آئی اور دیوار کے قریب آکر ٹھیری۔ مسجد دو منزلہ ہے۔ اور اوپر کی منزل میں گیلری بنی ہے جو خاص سلطان کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ سلطان گاڑی سے اتر کر اوپر کی منزل میں گئے۔ اور انکے جانیکے ساتھ گیلری کے روزنجوں پر اطلسی پردے چھوڑ دیے گئے۔ کہ انپر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے۔

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تھا عرب نہ تھا۔ اسلئے اسکے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تہی۔ جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ تاہم جب دوسرا خطبہ شروع ہؤا۔ اور اسنے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کر کے جوش الفاظ میں یہ الفاظ پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ انصر ھٰذا السُّلطان ابن السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان تو عجب کیفیت پیدا ہوئی۔ میرا یہ حال تہا۔ کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تہے۔ اور دیر تک بے اختیار دعائیہ الفاظ نکلتے رہے۔ عین اسموقع پر یکبارگی پندرہ بیس شخص جنکے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اٹھاکر دعائیں دیتے جاتے تہے۔ اور عرضیاں پیش کرتے جاتے تہے۔ عرض بیگی ان کاغذوں کو لیکر جمع کرتا جاتا تہا۔ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کر کے زمین تک جھکے۔ اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما۔ اگرچہ یہ تمام باتیں خطبہ کے داب اور سکوں کے خلاف تھیں۔ تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں۔ دریافت سے معلوم ہؤا۔ کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا۔ وہ اس ذریعہ سے اظہار مطلب کرتے ہیں۔ اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر رحیمانہ اور فیاض ہے۔ اس طریقہ کو بند نہیں کیا۔

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حسیب آفندی ملے۔ اور شکایت کی کہ میں تمکو ڈھونڈتا پھرتا تہا تم کہاں غائب ہو گئے تہے؟ بالاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا۔ لیکن میں تمہارے لئے اس سے زیادہ عمدہ موقع

کے لئے داخل ہوئے۔ اور ہم کو پیغام دیا کہ انگریزی اور فرانسیسی سفراء کے بعد جلالت مآب ہمیں پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرمائیں گے۔ اس غیر مترقبہ خسروانہ کرم گستری اور عزت افزائی

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۱ :- نکالتا ہوں۔ نماز پڑھکر تمام لوگ باہر چلے گئے۔ تو سلطان گیلری سے اترے اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی۔ اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا آکر ٹھیرے۔ افسران فوج اور پاشا صحن کے دائیں طرف صف باندھکر کھڑے ہوئے۔ حسین حسیب نے مجھ کو اسی صف میں لاکر کھڑا کرادیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں ایک معزز افسر حسن اخلاق کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا۔ اور میرے لئے جگہ خالی کردی۔

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی۔ ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے فوجیں جو دور دور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں۔ ایوان شاہی کے سامنے گذرتی ہوئی مسجد کے صدر دروازہ سے داخل ہوتی تھیں اور دوسرے دروازہ سے نکل جاتی تھیں صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ۔ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز۔ ترک۔ کرد۔ عرب کے جدا جدا دستے۔ موزون اور باقاعدہ رفتار۔ زرق برق اسلحے۔ مختلف اور خوشنما وضع کی وردیاں۔ فوجوں کا پے در پے آنا اور وفادارانہ جوش کے ساتھ اپنے شہنشاہ کے سامنے سے گذرنا۔ ایسا عجیب وغریب سماں تھا۔ جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا۔ عربوں کا رسالہ جو امپریل گارڈ ہے ان کے سروں پر عمامے تھے۔ اور سبز شملے ہوا میں اڑکر عجیب لطف دکھاتے تھے۔ متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا۔ اور کم وبیش دس ہزار فوجیں گذریں۔ اخیر میں دونوں سلطان کے شہزادے آئے۔ اور عجیب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا۔ کمر سے تلواریں بند تھیں۔ اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان کے چہروں سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا۔ بیان میں نہیں آسکتا۔ شہزادے بھی جا چکے تو سلطان زینہ سے اُترے اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا دفعتہً سلام کو جھکیں۔ میں ابتداء سے محو حیرت تھا۔ اور آنکھوں کو ٹکٹکی لگ گئی تھی۔ پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجا لاؤں گا۔ لیکن از خود رفتگی کا یہ عالم ہوا کہ تمام صف کی صف دیر تک رکوع میں رہی اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا۔ البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے۔ اور وہ بھی قصداً نہیں۔ بلکہ ایک بے اختیاری حالت تھی۔

سے ہم حیران سے ہو گئے۔ جب موسم خنک ہو۔ تو نماز کے بعد سلطان المعظم ایک چھوٹے سے بالاخانہ میں جو ہمارے گرجوں کے بغلی کمرہ کی طرح مسجد کے متصل ہی۔ رونق افروز ہو کر دریچہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۲ پانچ چار قدم پیادہ چلکر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے جنیزروں نے دوبارہ سلامی دی۔ اور وہ عجیب غریب سماں دفعتہً آنکھوں سے چھپ گیا ع دیدمن بازبخواہم ہنوز سلطان جسوقت زینہ پر سے اتر کر گاڑی کی طرف بڑہے۔ ہماری صف سے ان تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تہا۔ اور اس وجہ سے میں اچھی طرح ان کو دیکھ سکا۔ سلطان کا حلیہ یہ ہے قد میانہ بلکہ کچھ نکلتا ہؤا۔ بدن چھریرا۔ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ کسی فکر میں ہیں لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ اور معمولی ترکش ٹوپی ہے۔

ترکوں میں سلاملق کا طریقہ ایک مدّت سے چلا آتا ہے اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بن گیا ہے۔ اس سے فقط شاہانہ جاہ وجلال کا اظہار مقصود نہیں ہے۔ بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصّہ کا جائزہ ہو جاتا ہے اور اس طرح کل فوجیں جو پائے تخت اور اسکے اطراف میں رہتی ہیں۔ سال میں چند بار ملاحظہ سلطانی سے گذر جاتی ہیں سلطانِ وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کر سکتا ہے۔ اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہو جاتے ہیں۔

میں یہ تماشہ دیکھکر قیامگاہ پر واپس آیا۔ تو دل جوش اور اثر سے معمور۔ تہا۔ شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جستہ جستہ مصرعے زبان پر آتے تہے۔ کاغذ وقلم لیکر بیٹھا اور کچھ اشعار قلمبند کئے۔ پھر خیال آیا کہ عید کے دن اس سے بہی بڑھکر سامان ہو گا۔ اس کو بہی دیکھ لوں تو لکھوں۔ چنانچہ تمہید کے جس قدر اشعار اسوقت تک موزون ہو گئے تہے لکھ کر چھوڑ دیئے۔ تمہید کے آخر کے ان اشعار سے

ویں کہ بپرسید کہ زاں جلوہ گاہ ٭ تا چہ بود حاصل چشم ونگاہ

اس شعر تک۔

بزم چو از جلوۂ زیبا پرست ٭ دامنِ چشمم ز تماشا تہی است

اور فوج کے دستے باری باری سے انکے سامنے سے گذرنے چلے جاتے ہیں۔ مگر اسدن سخت گرمی تھی۔ اور فوجیں باجہ بجانے کے بغیر آہستہ آہستہ روانہ ہونی شروع ہوگئیں فوج سواران دائیں طرف کو چلی گئی۔ اور گھوڑوں کی سموں سے گردوغبار اُٹھ کر دور تک ہم کو اس سڑک کا پتہ بتاتا رہا جس پر سے وہ واپس جا رہی تھی۔ انکے بعد کئی دوسری رجمنٹیں بھی واپس چلی گئیں اور صرف وہ باقی رہگئیں۔ جو مسجد اور محل کی درمیانی سڑک پر دو رویہ صف بستہ کھڑی تھیں۔ ہم دیکھتے رہے تھے۔ کہ سلطان المعظم جس پلٹن کے پاس سے گذر جاتے تھے۔ وہ اپنا رخ سڑک کی طرف سے ہٹاکر مسجد کیطرف کر لیتی تھی۔ آدھ ایک گھنٹہ کے بعد مُصلّے اٹھائے گئے اور پاشا مسجد سے نکلکر پھر صحن میں جمع ہونے شروع ہوگئے۔ اسوقت ایک چھوٹے قامت کی فٹن سنگ مرمر کے زینوں کے پاس لائی گئی۔ اُس میں برف ایسے سفید و کمال خوبصورت نقرئی گھوڑے جو قیصر آسٹریا نے تحفتہً ارسال کئے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳:۔ یہی پر اثر اور پر جوش نظارہ مراد ہے۔

عیدین سلاملق نہ تھی۔ اور اسوجہ سے فوج کی تعداد کم تھی۔ لیکن شان و شوکت جاہ و جلال جوش واثر سلاملق سے بھی کچھ بڑھکر تھا۔ قریباً آٹھ بجے فوجوں کی آمد شروع ہوئی اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تانتا بندھا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دُور سے پیادہ صفیں نمودار ہوئیں۔ معلوم ہُوا کہ تمام وزراء۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی سلطان کے جلوس میں پیادہ پا آرہے ہیں۔ یہ صفیں سڑک کے دونوں جانب متصل آدھ میل تک تھیں۔ اور انکی وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ شانوں پر زرّین پھول۔ دامن اور آستینوں پر کلابتون کی تحریر۔ سینے مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈھکے ہوئے۔ ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اُٹھا۔ یہ صف چا بکی تو سلطان کا جمال جہاں آرا نظر آیا۔ جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تھے۔ لباس بالکل سادہ تھا۔ چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا۔ اور ہر قدم پر اس زور سے بادشاہم چوق یشا کا نعرہ بلند ہوتا تھا۔ کہ تمام میدان گونج اٹھتا تھا۔

میں یہ سماں دیکھکر واپس آیا۔ تو قلم دوات لیکر بیٹھا کہ جو کچھ خود دیکھا ہے دوسروں کو بھی کہا سکوں لیکن افسوس اور سخت افسوس ہے کہ قلم نے بالکل کوتاہی کی جو تصویر مینے کھینچی ہے وہ بالکل نامکمل تصویر ہے۔

تھے۔ جتنے ہوئے تھے۔ سلطان باہر برآمد ہوئے پاشاؤں نے زمین تک جھک کر فرشی سلام کیا۔ امیر المومنین گاڑی پر سوار ہو گئے۔ اس کا پچھلا پردہ اٹھا لیا گیا۔ اور جلالت مآب باگیں خود پکڑ کر تیز دلکی سے محل ہمایوں کو روانہ ہو گئے۔ سائیس۔ یاور اور پاشا دُبلے موٹے سب کے سب پا رکاب ساتھ ساتھ دوڑے گئے۔ جلالت مآب نے واپس جانے وقت دائیں بائیں کسی کی طرف توجہ نہ کی۔ اور آناً فاناً محل کے دروازہ میں داخل ہو کر نظروں سے پنہاں ہو گئے۔ اور سلاملق کا جلوس ختم ہو گیا ؛

(۵) محل یلدز سراء

میں اس پیغام کا اوپر ذکر کر چکی ہوں کہ سلاملک کے بعد سلطان المعظم ہمکو پرائیویٹ باریابی کا شرف عطا فرمائیں گے۔ جب سلطانی حاجب ہم کو ایک دو کمروں میں ایک جھروکے سے دیوانخانہ میں لے گیا۔ اسکی آرائش سیدھی سادی صوفیانہ تھی۔ البتہ قالین نہایت قیمتی بچھے ہوئے تھے دیوانخانہ میں ہم نے اعلیٰ حضرت گرینڈ ماسٹر آف سیری مینئر ز (رئیس التشریفات) انگریزی سفیر اور اسکے اول ترجمان کو پایا جلالت مآب سے گفتگو آخر الذکر کی وساطت ہوئی۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ سلطان المعظم ترکی کے سوا اور کسی زبان میں متکلم نہیں کرتے۔ اور گو وہ فرنچ زبان کے بڑے عالم ہیں یہ آداب ہی میں داخل ہے۔ کہ وہ کسی غیر زبان کو سمجھ سکنے کا بھی اظہار نہ کریں پس حضور ممدوح جس سے گفتگو کر رہے ہوں۔ اگر وہ فرنچ زبان میں ہی کیوں نہ کچھ کہے۔ جسے سلطان المعظم بخوبی سمجھتے ہیں۔ ترجمان کو اس کا ترجمہ ترکی زبان میں کر کے سلطان کو سُنانا پڑتا ہے

جلالت مآب میرے خاوند سے ایسی خوش اخلاقی کے ساتھ اور مجھ سے اور میرے فرزند سے ایسی شفقت اور نوازش سے پیش آئے۔ کہ نہ وہ صرف ہماری توقع سے ہزارہا درجہ بڑھ کر تھی۔ بلکہ اس سے زیادہ کوئی خوش اخلاقی اور شفقت ہو نہیں سکتی۔ حضور ممدوح نے خود سگرٹ پیش کئے۔ اور دستِ مبارک سے دیا سلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی۔ ہم سب دائرہ کی شکل میں کرسیوں پر بیٹھے۔ مجھ کو سلطان المعظم نے اپنے دائیں ہاتھ بٹھایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ ہمنے پر و نیسر کی ایک تصنیف کا فرانسیسی ترجمہ مطالعہ کیا تھا۔ انکے خوبصورت دار الخلافہ کا جس قدر حصہ ہم اب تک دیکھ چکے تھے۔ وہ اسکی تعریف ہماری زبان سے سنکر بہت محظوظ ہوئے

اور جب ہم کو رخصت کرنیکے لئے کرسی سے اُٹھے۔ تو میرے خاوند کو مجیدیہ تمغہ عطا فرمایا۔ اور مجھ کو اپنے بازو کا سہارا دیکر کمرہ کا دروازہ تک چھوڑنے آئے۔ عزت افزائی اور شاہانہ تواضع کا یہ انتہائی درجہ تھا۔ اور دوسرے ہی دن کل اخبارات نے اس کا لمبا چوڑا ذکر کرکے ہم کو بڑی بڑی مبارکبادیں دیں۔

سلطان المعظم نے ازراہ عنایت خسروانہ بدوران ملاقات ارشاد فرمایا تھا۔ کہ ہمکو حضور ممدوح کے پرائیویٹ عجائب خانہ۔ کتب خانہ اور باغ کا بھی معائنہ کرایا جائیگا۔ چنانچہ ہم ایوان سے باہر آئے۔ تو ہمنے ایک چیمبرلین (حاجب)، اور اعلیٰ داروغہ اصطبل کو اس انتظار میں ایستادہ پایا۔ کہ بارگاہ سلطانی سے برآمد ہونے پر ہمکو محل سرائے سلطانی کے وہ مقامات دکھلائیں۔ جہاں اجنبیوں کو بار نہیں ملتا۔ مشہور سیاح پروفیسر ویمبری[۲] کے بعد جو سلطان المعظم کا بے تکلف اور گاڑھا رفیق ہے غالباً ہم ایسے پہلے اجنبی ہیں جنکو محل کے یہ حصے دیکھنے کا اتفاق حسنہ ہوا ہے۔ جس کوشک میں ہم کو شرف باریابی عطا کیا گیا تھا۔ وہ اس کمرہ کے عین عقب میں ہے۔ جہاں سے سفراء جلوس سلاملق کو معائنہ کرتے ہیں کوشک مذکور سے باہر نکلکر ہم پہاڑی کی اس ڈھالو رستہ پر سے جسپر اترکر سلطان المعظم گاڑی پر جامع مسجد کو تشریف لیجاتے ہیں اوپر کو چڑھے اور یلدز سرائے کے بڑے پھاٹک میں سے گذر کر بائیں طرف کو مڑ گئے۔ دائیں جانب حرم سرائے کی سر بفلک بے دریچہ دیواریں کھڑی تھیں جنکے برابر انگلستان کی کسی جیلخانہ کی بھی دیواریں بلند نہیں ہم ایک بند دروازہ کے رستہ جسپر زبردست پہرہ موجود تھا۔ ایک چار دیواری کے اندر داخل ہوئے۔ بائیں ہاتھ ایک خوبصورت کوشک بنی ہوئی تھی اسکے قریب سے ایک تنگ روش کے رستہ ہم اچانک ایسے موقعہ پر پہنچگئے جہاں کا نظارہ عجب کیفیت بخش اور تحیر خیز خوبصورت تھا۔ محل یلدز قسطنطنیہ کی سب سے بلند پہاڑی پر واقعہ ہے۔ وہاں ہمیں اپنے سامنے ایک کلاں جھیل یا مصنوعی دریا پھیلا ہوا نظر آیا۔ وہ ہر قسم اور وضع کی کشتیوں اور قایقوں سے پٹا ہوا تھا۔ ان میں ایک کشتی ایسی بھی تھی جو برقی طاقت سے چلائی جاتی تھی۔ چاروں

---

[۱] یہ شخص نہایت ہی لغریب ہے۔ اور اسکی ملاقات سے طبیعت کو کمال فرحت حاصل ہوئی تھی۔ آج کل وہ جلاوطن ہے کیونکہ نوجوان ترکی پارٹی کا وہ بڑا سرگرم رکن ہے۔ مصنفہ
نوجوان ترکی پارٹی کا لبیت سالہ عہد حکومت کے ضمیموں میں مفصل ذکر ہو چکا ہے یہاں توضیح و تشریح کی ضرورت نہیں مترجم

[۲] اس ہنگرین پروفیسر کے بعض لیکچر کتاب لبیت سالہ عہد حکومت میں درج ہیں۔
مترجم ۱۲

طرف سے باغ ڈھال کھاتے ہوئے اسکے کناروں تک چلے آئے تھے۔ گھاس کے تختے سبزی میں انگلستان کے بہترین باغ کو مات کر رہے تھے۔ اور خود گھاس سے بھی کمال صفائی کے ساتھ ترشا ہوا تھا۔ ہر طرف نہایت خوبصورت چھوٹے چھوٹے پودے اور نمائشی کھجوریں لگی ہوئی تھیں اور پھولوں کی حاشیے تو بیچ بیچ بقعۂ نور معلوم ہوتے تھے۔ ہوا نارنگی کے پھولوں کی خوشبو کے بوجھ سے دبی جاتی تھی۔ اور باغبان ہر تختہ میں گھاس بلکہ روشوں پر بھی جو کنکری سے بھر بھری ہو رہی تھیں۔ جھاڑو کاڑ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ حرم کی دیوار جو اب ہمارے دائیں ہاتھ تھی اس جگہ چار دیواری کے بیرونی حصہ کی طرح برہنہ نہ تھی بلکہ بانکسیا کے سفید گلاب۔ سورج مکھی۔ خوشبودار وزنبیا صلیب نما پھولوں اور دیگر کئی قسم کی بیلوں سے تالب بام ڈھکی ہوئی تھی۔ اسکے ساتھ ایک بہت بڑا کبوتر خانہ بنا ہوا تھا۔ جو نصف کے قریب انہی بیلوں سے چھپا ہوا تھا۔ اور ہزاروں سفید و کبود کبوتر جس جانور سے رسولِ خدا کو بہت محبت تھی۔ اُڑتے ہوئے اس سے باہر نکل رہے اور اندر داخل ہو رہے تھے۔ اور اس کل مجموعہ کو مشرق کی چمکدار دھوپ جس میں ہر چیز ایسی صفائی سے دکھائی دیتی ہے۔ کہ انسان میں بُعدِ مسافت کی تمیز تقریباً معدوم ہو جاتی ہے۔ سنہری رنگ سے رنگ رہی تھی۔ جھیل کے اوپر سرے پر صحرائی مرغابیوں کو پھسلانے کے لئے ایک پالتو بطخ موجود رہتی ہے۔ وہاں سلطان المعظم اکثر شکار کھیلا کرتے ہیں اُس سے پرے باسفورس کے کنارے تک رمنہ (سیرگاہ) پھیلا ہوا ہے۔ اُس کا کچھ حصہ ہمکو مندرجہ بالا موقعہ سے دکھائی دے رہا تھا۔

ہم کبوتر خانہ سے پرے کی ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ اسمیں ایک ہی لمبا سا کمرہ ہے۔ جو بیش بہا خزائن اور اشیاء سے معمور ہے اور یہی سلطان المعظم کا پرائیویٹ عجائب خانہ ہے۔ اس میں وہ تمام تحائف جو حضور ممدوح کو موصول ہوئے ہیں اور نیز انکے بعض متقدمین کے وقت بھی بیشمار قیمتی چیزیں نہایت سلیقہ اور خوبصورتی سے ترتیب وار رکھی ہیں۔ بیشمار کلاک (دیوار گیر گھڑیاں) اور جیبی گھڑیاں مرصع زر ہیں زمرد کی بنی ہوئی چیزیں۔ صندوقچے۔ بکمال خوبصورت مجلد کتابیں۔ تمام قسم کے ظروف چینی۔ بڑی اور چھوٹی تصویریں۔ مرصع زیورات ہر قسم کے۔ الغرض نوع نوع کی گوناگون بیش بہا اشیاء اسمیں موجود ہیں۔ جو سب کی سب الماریوں میں اس طرح سے باسلیقہ چنی ہوئی ہیں۔ کہ ان ہر ایک کو فرداً فرداً بغور دیکھکر پورا حظ اٹھا سکتا ہے۔ اسمیں اس گڑبڑ اور خلط ملط کا نام و نشان نہیں جو قدیم محل سراء کے خزانہ میں پائی جاتی ہے۔ ایک سیدھی الماری میں سیورس[1] گی ساخت کی نہایت

---

[1] فرانس کا ایک شہر جو وہاں کے دار الخلافہ پیرس کی بجانب جنوب مغرب چھ میل کے فاصلہ پر واقع اور ظروف چینی کے لئے شہرۂ آفاق ہے۔ وہاں کی آبادی سات آٹھ ہزار کے قریب ہے۔ مترجم

ہی خوبصورت ۴۸ رکابیاں نیلگوں چینی کی رکھی ہیں شہنشاہ نپولین نے بطور تحفہ بھیجی تہیں ہر ایک رکابی نہایت دبیز مخملی خانہ میں ہے۔ ۲۴ الماری کی ایک طرف ہیں۔ اور ۲۴ دوسری طرف ایک ایک رکابی صناعی و دستکاری کا اعلیٰ اور کامل ترین نمونہ ہے۔ چیزوں کے نام لکھنے میں بعض بعض جگہ غلطی ہو گئی ہے۔ مثلاً ایک تصویر کی منسلکہ تختی پر جسے ہم نے پہچان لیا کہ لارڈ پامرسٹن[۱] (مرحوم سابق وزیر انگلستان) کی ہے۔ شوہر ملکہ معظمہ لکھا ہوا ہے۔ ایک ایک چیز کی پڑتال اور معائنہ میں اگر ہم کئی کئی گھنٹے لگا دیتے تو بھی طبیعت سیر نہیں ہو سکتی تہی۔ مگر وقت تھوڑا تہا۔ اور ابھی کل مقام دیکھنے تہے۔ یہاں سے ہم پرائیویٹ اصطبلوں کو گئے۔ یہ بھی حرم سرا کی چار دیواری کے اندر ہیں۔ ان میں خالص ترین عربی نسل کے بارہ عرب رہوار بندہے ہوئے تہے۔ سلطان المعظم یلدز سرا کے رمنہ میں ان ہی پر زین سوار ہو کر یا انکو گاڑی میں جتوا کر ہوا خوری کرتے ہیں۔ وہ سب کے سب نقرئی یا سمند تہے۔ ہمنے کتوں کا کہیں وجود نہ دیکہا۔ مشرق میں انکی کوئی قدر و منزلت نہیں ہے ہاں یہ سُنا کہ سلطان المعظم کے پاس انگورہ (انقرہ) کی سفید بلّیوں کی ایک نہایت ہی خوبصورت اور بینظیر نسل ہے۔ ان سے انکو کمال محبّت ہے۔ اور کبھی کبھی انکے بچّے اپنے دوستوں کو بھی عطا کر دیتے ہیں۔ مگر ہم نے ان بلّیوں میں سے کسی کو نہیں دیکہا۔ دل بہلانے والے جانوروں کی قسم سے ہمیں صرف ایک کلان جسم طوطا نظر آیا۔ جو حرم سرا کے دروازہ پر پنجرہ میں بند تہا۔ جب ہم اسکے پاس سے گذرے تہے۔ تو کسی نامعلوم زبان میں جو غالباً ترکی ہو گی۔ اسنے چند فقرے کہے۔ حرم سرا کے دروازہ سے باہر نکلنے پر حاجب ہم سے رخصت ہو گیا۔ وہاں دو گاڑیاں ہم کو شاہی اصطبلوں میں پہنچانے کے لئے کھڑی تہیں۔ ہم سوار ہو گئے۔ اور حرم سرا کی چار دیواری کے گرداگرد خوبصورت درختوں کے رستہ میں سے پتھر کی ایک بڑی عمارت پر پہنچ گئے۔ ہم گو حرم سرا کی چار دیواری سے باہر ہو گئے تہے۔ مگر ابھی تک یلدز سرا کی بیرونی چار دیواری کے اندر ہی تہے۔ رمنہ ایسا پُر فضا تہا کہ اسکے پرلے سرے پر ہمکو باسفورس کا دلفریب پانی نظر نہ آرہا ہوتا تو بلا مبالغہ یہی گمان ہوتا کہ ہم انگلستان کے کسی رمنہ سے گذر رہے ہیں۔ پتھر کی اس عمارت میں صرف گھوڑیوں کا اصطبل ہے۔ سیاہ فام اور سفید رنگ سائیس چمکدار وردیاں پہنے ہر طرف موقع بموقع کھڑے تہے۔ طویلے دو رویہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک ایک طویلہ یا کمرہ میں ایک ایک گھوڑی بندہی تہی۔ ہم گاڑیوں سے اتر کر درمیانی رستہ پر پیدل چلکر ان خوبصورت

[۱] ۱۷۸۴ء میں پیدا اور ۱۸۶۵ء میں فوت ہوا۔ مترجم

جانوروں کو جن کے چمڑے ملائم اور چمکدار۔ آنکھیں مست اور پُر فہم اعضا کمال موضعدار تہی دیکھتے گئے۔ میر داروغہ نے ان میں سے خوبصورت ترین گھوڑی کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا۔ کہ زین کسکر اسے ہمارے سامنے پھرا کر دکھایا جائے۔ اسکا رنگ سفید براق تہا۔ دم لمبی اور خمدار۔ اور بعینہٖ اسی شکل کی تہی جیسی کہ تصویروں میں ترکوں اور انکے گھوڑوں کی دکھائی جاتی ہے۔ وہ سمجھ گئی تہی کہ مجھے اس لئے پھرایا جارہا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنا فرض ٹھیک کسی ویسی ملکہ حسن و جمال کی طرح جو اپنی خوبصورتی اور رعنائی سے واقف ہو۔ قابل تعریف طریق سے ادا کیا۔ یہاں سے سوار ہو کر ہم پھر دوسرے اصطبل میں گئے۔ یہ گھوڑوں کا تہا۔ جو سب کے سب سانڈ ہیں۔ گھوڑے مختلف نسلوں کے تھے۔ ان میں دو وہ سفید آسٹرین تہے۔ جو مسجد سے واپس آتے وقت سلطانی گاڑی میں جتے ہوئے تہے۔ چند نہایت ہی مضبوط مشکی رنگ کے روسی گھوڑے تہے۔ سائیسوں نے ہمکو جاتے ہی کہدیا کہ انکے قریب نہ جائیں۔ کل اصطبلوں کا انتظام خفیف جزئیات تک کمال پسندیدہ اور جدید ترین فیشن کے مطابق تہا۔ یہاں بھی ایک گھوڑی پر زین ڈالی گئی۔ اور ہمیں پھرا کر دکھایا گیا۔ اس اصطبل سے باہر کئی بڑی بڑی مسقف عمارتیں تھیں۔ جنکی چھتیں دیواروں کی بجائے ستونوں اور محرابوں پر قائم ہیں۔ ان میں سلطان المعظم کی طرف سے رمضان کے مہینے میں ہر رات کئی ہزار غربا کو اور عید کے دن بیشمار مخلوق کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ یہاں سے ہم اسی راستہ سے جس سے آئے تہے۔ یلدز سرائے کے پھاٹک کو واپس گئے۔ اور ان سب نظاروں سے جو فرحت حاصل ہوئی تہی۔ اسکا اظہار کر کے وہاں پر میر داروغہ سے رخصت ہوئے۔ اور پھر اپنی گاڑیوں پر سوار ہو کر اپنے مکان کو واپس چلے آئے

اس سے دو دن بعد سلطان المعظم کی دعوت پر میرا خاوند اور فرزند رات کے وقت محل سلطانی میں شریک ضیافت ہوئے۔ اس موقعہ پر جب میرے خاوند نے جلالتمآب کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ وہ یلدز سرائے کے متذکرہ بالا مقامات کو دیکھ کر کمال محظوظ ہوا ہے۔ تو حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا "تمنے میرا پرائیویٹ کتبخانہ نہیں دیکھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے بھی تم ضرور دیکھو"۔ ہمنے اس کا ذکر صادق بک سے کیا۔ بک موصوف کو جو سلطانی یاور تہا۔ جلالتمآب نے اس کام پر مامور فرمادیا تہا کہ جبتک ہم ممالک محروسہ میں ہیں جہاں ہم جائیں ہمارے ساتھ جا کر ہمکو ہر ایک چیز کی سیر کرائے وہ بہت خوش اخلاق شخص ہے۔ اور یہ زیادہ تر اسی کی مسلسل نوازش و شفقت اور توجہ کا باعث تہا۔ کہ قسطنطنیہ میں ہمارا وقت ایسی خوشی اور مسرت کے ساتھ بسر ہوا۔ اسنے فوراً اسبات کا انتظام کر دیا۔ کہ ہم دوسرے دن کتبخانہ کو دیکھ سکیں؛

چنانچہ ہم یہریلدز سرائے کے بڑی پھاٹک سے اندر داخل ہوئے۔ مگر داخل ہوتے ہی دائیں طرف کو مڑ گئے اور حرم سرا کی چار دیواری سے باہر باہر ہی رہ کر جلد ایک کوشک میں جس میں ایک ہی طویل و بلند کمرہ بنا ہوا ہے۔ پہنچ گئے۔ یہ سلطان المعظم کا پرائیویٹ کتب خانہ تھا۔ اس کا مہتمم ایک پیرانہ سال مقبول صورت اور خوش خلق ترک تھا۔ وہ اپنی مادری زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول سکتا۔ تاہم اپنے زیر اہتمام کتابوں کا عاشق شیدا اور ان پر کمال نازاں ہے۔ اس کے ماتحت سات یا آٹھ ذہین طبع اسسٹنٹ تھے۔ مہتمم نے ہم کو جھٹ پٹ ایک میز کے گرد بٹھا کر کتابوں کی فہرست جو نہایت احتیاط سے تیار کی گئی ہوئی اور خوب پرتیب ہے ہمارے سامنے رکھدی۔ اور صادق بک ترجمانی کا کام دینے کے لئے ہمارے قریب کھڑے ہو گئے۔ میرا خاوند جس کتاب کا نام بتاتا کہ وہ معمر ایسی مخلصانہ مستعدی سے تلاش کر کے فی الفور لے آتا۔ کہ اسے دیکھکر دل پر واقعی اثر ہوتا تھا۔ اسسٹنٹ بھی قابلیت کے ساتھ اسے امداد دیتے رہے۔ پہلے وہ چند خوبصورت فارسی زبان کے قلمی نسخے لائے۔ انکے صفحوں اور جلدوں پر سنہری کام تھا۔ پھر میرے خاوند نے ترجمان کی معرفت انہیں کہا کہ کتب خانہ میں اگر ہندوستان کی کوئی کتابیں ہوں تو میں انکو دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ چند لمحوں میں پھرتی کر کے ویسی سب کتابیں لے آئے۔ مگر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ زیادہ تر فن موسیقی پر نو تصنیف کتابیں ہیں۔ بعد ازاں وہ قرآن کے چند قلمی نسخے اور تفسیریں ہمارے سامنے لائے۔ اور اس کے بعد ہمسے درخواست کی۔ کہ کمرہ میں گشت کر کے کل کتابوں کو ایک نظر ملاحظہ کریں۔ الماریاں گول اور بہترین ساخت کی تھیں اور پھرائی جا سکتی تھیں۔ کمرہ کے ایک سرے پر انگریزی۔ فرنچ اور جرمن زبان کے مستند مصنفین کی تصنیفات کا بہت عمدہ ذخیرہ تھا۔ کمرہ کے وسط میں آئینہ دار الماریاں تھیں جو زرنگار جلدوں کی باتصویر کتابوں سے بھری ہوئی تھیں۔ ان میں سے اکثر بطور تحفہ موصول ہوئی تھیں۔ جب تک میرا خاوند صادق بک کی وساطت سے پیرانہ سال مہتمم کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ اسسٹنٹ مجھے اور میرے فرزند کو استنبول کی شاہی محلات اور ممالک محروسہ عثمانیہ کے دیگر مقامات کی چند نہایت ہی خوبصورت عکسی تصویریں دکھاتے رہے

ان لوگوں نے ہم کو خوش کرنے کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ اور کمال خوش اخلاقی اور توجہ سے پیش آئے۔ سلطان المعظم نے ان کو ہمارے آنے کی پہلے سے خبر بھجوا دی تھی۔ مہتمم نے ہم سے ذکر کیا کہ جلالت مآب کو اس کتب خانہ سے بہت انس ہے۔ اور تقریباً ہر روز بلا ناغہ یہاں تشریف لاتے ہیں۔ میرے خاوند نے حضور ممدوح سے اپنی تصنیفات پیش کرنے کی اجازت ملنے کی درخواست

کی تھی۔ مہتمم نے ہمیں بتایا۔ کہ سلطان المعظم نے مجھے حکم بھیجدیا ہے۔ کہ جب وہ کتابیں آئیں ان کو نمایاں جگہ پر رکھو۔ ہم اس دلکش مقام سے طبیعت پر بڑا جبر کر کے رخصت ہوئے۔ رخصت کے وقت مہتمم معہ اپنے عملہ کے دروازہ تک ہمارے ساتھ آیا۔ اور وہاں سے وہ مشرقی قاعدہ کے مطابق مؤدبانہ فرشی سلام کر کے یعنی دایاں ہاتھ پہلے سینہ اور پھر پیشانی پر رکھ کر واپس ہو گئے۔ ہم کتب خانہ میں دو گھنٹہ ٹھیرے۔ جو وقت وہاں کے عملہ کی نوازش اور خوش اخلاقی سے بہت خوشی کیساتھ بسر ہوا

(۶) رسول اللہؐ

زمانہ قدیم یعنی بت پرستی کے زمانہ کی عجائبات کا بھی ایک عجائب گھر اب قسطنطنیہ میں قایم ہو گیا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ زمانہ کی رفتار ترقی کے سامنے بتدریج کل تعصب اور توہمات دور ہوتے جاتے ہیں۔ عجائب گھر کی عمارت کے گرداگرد جو یونانی سنگی مورتیں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ سب کی سب بے سر ہیں۔ یہ امر اس سلوک کو جو زمانہ قدیم کی ان نادرۂ روزگار عجوبات سے گذشتہ ازمنہ میں ہوتا تھا۔ بخوبی واضح کر رہا ہے۔ مگر اب نقشہ بالکل بدل گیا ہے ان بے سر اور شکستہ مورتوں کو درست کرنیکی گو کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ جن کی اگر درستی کردیجاتی تو اشیاءِ قدیم کے تمام شایقین نہایت ممنون ہوں۔ تاہم اسوقت جو پرانی چیزیں نئی دستیاب ہوتی ہیں۔ ان کا ایک ایک ذرہ اور ٹکڑا نہایت احتیاط سے جمع کیا جاتا ہے۔ اور اگر ممکن ہو تو اس شکستہ ٹکڑے کو اسکے مناسب موقع پر جوڑ دیا جاتا ہے۔ اسلامی ملک میں ایسا ہونا بالکل نئی بات ہے۔ اور اکثر دیگر چیزوں مثلاً ریل۔ تار برقی۔ اور روزانہ اخبارات وغیرہ کے اجراء کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھکر اس امر کا بدیہی ثبوت ہے۔ کہ ٹرکی بالیقین ترقی کر رہی ہے اور اکثر لوگوں کا جو یہ خیال ہے۔ کہ اسلامی ممالک کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ اور اسی طرح ٹرکی بھی مسلمانوں کا ملک ہونیکی وجہ سے بالکل بیحس و حرکت پڑی ہے۔ وہ بالکل غلط ہے۔ اہالی فرنگستان کا یہ مقولہ بھی کہ "اسلام اور ترقی" دو متضاد چیزیں ہیں۔ ان بیشمار غلط اور مشہور عام مقولوں میں سے ہے۔ جن میں صداقت کا صرف چھوٹا سا ذرہ غلط فہمی کی مقدار کثیر سے ڈھنپا ہوا ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ کہ مسلمان اپنے مذہب اور اپنی پرانی رسم و رواج اور احادیث و روایاتِ قدیمہ کے سخت گرویدہ ہیں۔ وہ ان روایات کو تقریباً ویسا ہی مقدس سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف کو۔ اور معاشرت و زندگی کے روزمرہ کے کاروبار تک میں

بھی اُنہی پر دار و مدار رکھتے ہیں۔ اسی طرح ترک بھی لا کلام بڑے پابند مذہب اور لکیر کے فقیر بلکہ بعض معاملات میں وہمی مزاج اور تنگ خیال بھی ہیں۔ وہ ہر قسم کی فلسفیانہ بلند خیالیوں کے بڑے مخالف ہیں۔ گو اُن میں سے چند اشخاص صوفیاء کے پُر اسرار طریقہ کے پیرو ہیں۔ تاہم عوام جس بات میں آزاد خیالی کی بُو بھی پائی جائے۔ اُس سے سینکڑوں کوس پرے بھاگتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایران میں جو کئی باتیں گوارا کر لی گئی ہیں۔ انکو ٹرکی میں کبھی پسند نہ کیا جائے۔ جس خلوص اور صدق دلی سے ترک اپنے مذہبی فرائض کو ادا کرتے ہیں۔ اُسے دیکھکر غیر مذاہب والے کو بھی سچی فرحت حاصل ہوتی ہے۔ کوچہ و بازار میں راہ چلتے چلتے تم اکثر دیکھو گے۔ کہ جب نماز کا وقت ہوا عام آدمی ہوں یا سپاہی، حمال ہوں یا گدا اگر فوراً قبلہ رُخ ہو کر رکوع و سجود میں مصروف ہو جاتے ہیں مسجدوں میں ہر روز لوگ نماز پڑھنے جاتے ہیں۔ اور اس سے فارغ ہو کر پھر گھروں یا دوکانوں کو لوٹ جاتے ہیں۔ اور اپنے دنیاوی کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مساجد میں زیادہ تر مرد جاتے ہیں۔ جن میں جوان بوڑھے سب عمر کے ہوتے ہیں۔ جمعہ کے دن کو تمام مسجدیں بھر جاتی ہیں۔ اور نمازیوں کا بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ یا چپکے چپکے دل میں نماز پڑھیں یا امام کے پیچھے چپ چاپ کھڑے ہو کر قرآن شریف کی قرأت سُنیں۔ یا نماز کے بعد اخلاقی و مذہبی بلکہ پولٹیکل (سیاسی) امور پر وعظ و نصیحت اور خطبہ سنیں۔ جامع ایا صوفیا میں امام کو تلوار پر سہارا لگائے محراب پر چڑھتے ہوئے اور پھر تلوار کو کندھوں کے اوپر زور سے ہلاتے ہوئے خطبہ دیتے یا وعظ کرتے دیکھنا قابل دید نظارہ ہے۔ خواہ اسکے دیکھنے سے ہم عیسائیوں کے دلوں میں جو خیالات پیدا ہو جائیں۔ وہ کسی طرح کے ہی کیوں نہ ہوں۔ وعظ ہمیشہ اخلاقی اور مذہبی معاملات پر ہی نہیں بلکہ بعض وقت پولیٹیکل قسم کا بھی ہوتا ہے۔ اور عوام الناس اس کو ویسے ہی غور سے سنتے ہیں جس غور سے کہ وہ قرآن شریف کی کسی سورت کو سُنیں۔ البتہ یہ امر قابل افسوس ہے کہ دیگر مذاہب کی مقدس کتابوں کی طرح قرآن شریف میں بھی فقط مذہب کے بنیادی اصولوں کا ہی نہیں بلکہ معاشرت[1] اور تمدن کی چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے متعلق بھی متعدد جزوی قواعد درج ہیں۔ ان معاشرتی قواعد میں سے بعض ایسے ہیں کہ وہ فقط

---

[1] میں اس جگہ پر ونبیر مسٹر ملیس مور کے ساتھ بحث کرنا پسند نہیں کرتا۔ ایسی سطحی اعتراضات کے جوابات قبلہ سر سید مرحوم۔ اور آنریبل سید امیر علی صاحب ایسے جادو نگار مفصل اور واضح طور پر دے چکے ہیں۔ انہی قواعد کی خوبیاں کم نظر عیسائی مہذبین پر جو پچاس ساٹھ برس ہوئے اسکی بابت قائل ہی نہ تھے کہ اسلام کے کسی قاعدہ میں بھی کوئی خوبی ہو سکتی ہے۔ اب خود بخود بتدریج واضح ہوتی چلی جا رہی ہیں اور وہ وقت بعید نہیں۔ کہ ان سب احکام کی موزونیت اور ہر زمانہ اور ہر ملک کے حسب حال ہونے کی کیفیت بلدی طور پر واضح ہو جائے گی۔ مترجم

صحراء کے بدوؤں کے حسب حال تھے اُن پر یورپ کے موجودہ بڑے بڑے شہروں میں سے کسی ایک میں کاربند ہونیکی چنداں احتیاج ہی نہیں۔ بلکہ یہ کہ وہاں اُن پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ انکی سوسائٹی کا نقشہ اس سوسائٹی سے جو ان اخلاقی قواعد کو وضع کرتے وقت حضرت احمد[1] (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے موجود تھی۔ بالکل مغائر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب ممدوح کے پیروؤں نے ان کے اس ارشاد کو بالکل بھلا دیا ہے۔ کہ "میں[2] بھی تم جیسا ایک انسان ہوں۔ جب میں مذہب کے متعلق تم کو کوئی حکم دوں۔ تو اسکی تعمیل کرو۔ مگر جب میں تمکو دنیاوی معاملات کے متعلق کچھ حکم دوں۔ تو اس وقت میں بھی تم جیسا انسان ہوں"۔ حالانکہ حضرت ممدوح کے وقت سے اب زمانہ کی ہر چیز کا رنگ ڈھنگ بدل گیا ہے۔ اور انکے کئی قواعد جدید حالات پر اطلاق کئے جانیکے قابل نہیں رہ گئے۔ جس نظر سے ابتدائی خلفاء کے فاتح و منصور[3] جیوش غیر مذاہب کے لوگوں کو دیکھتے تھے۔ ویسی نظر سے کم از کم قسطنطنیہ ایسے شہر میں جہاں اعلیٰ ترین منصبوں میں سے کئی ایک پر عیسائی مامور ہیں۔ اور جہاں عیسائی اور مسلمان سٹیمروں۔ ٹریم گاڑیوں اور ریل کی گاڑیوں میں ایک دوسرے کے دوش بدوش بیٹھے سگرٹ پیتے اور اپنے اپنے اخبارات پڑھتے رہتے ہیں مسلمان غیر مذاہب والوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ترکوں کی متوسط اور ادنیٰ جماعتوں کے دلوں میں عیسائیوں اور اجنبیوں کی طرف سے مطلقاً عناد اور دشمنی موجود نہیں رہ گئی۔ اگر قسطنطنیہ کے بازاروں میں کوئی بلوہ ہو جائے

[1] پروفیسر کے اس فقرہ سے عیسائیوں کی غلط فہمی کی اصل کنہ ناظرین کو معلوم ہو گئی ہو گی بات یہ ہے کہ منصف مزاج سے منصف مزاج عیسائی بھی یہی خیال رکھتا ہے۔ کہ یہ احکام و قواعد حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خود وضع کردہ تھے۔ حالانکہ انکی واضع وہ ذات برتر و اعلیٰ ہے جسکے علم سے ماضی، حال اور استقبال کی ذرہ بھر چیز پوشیدہ نہیں۔ مترجم [2] یہ حدیث یہی درست محل پر استعمال نہیں کی گئی۔ حضرت سرور کائنات نے صرف اپنے ارشادات کی ایک قسم کی نسبت ایسا بیان فرمایا تھا۔ نہ کہ قرآن کریم کے احکام کی نسبت۔ جنکے وہ صادر کنندہ نہ تھے۔ بلکہ محض سُنا دینے اور پہنچا دینے والے۔ مترجم

[3] یہاں بھی پروفیسر صاحب کجا بود مرکب کجا تاختم عجب غلط فہمی میں پڑ رہے ہیں بحث تو کر رہے تھے۔ حضرت سرور کائنات کی وضع کردہ قواعد پر جنکی زمانہ مبارک میں مسلمانوں کو عیسائیوں پر کوئی نتیجہ خیز فتح نہیں حاصل ہوئی تھی بلکہ الٹا عیسایان حبش کا ممنون احسان ہونا پڑا تھا۔ اور آپہنچے ہیں ابتداء خلفاء کے زمانہ میں جنکو قواعد کی توضیح میں کوئی دخل نہیں حاصل تھا علاوہ بریں ان کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ اس زمانہ میں غیر مذاہب بالخصوص عیسائیوں کو حقارت یا عناد کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ زیادہ توضیح کے لئے دیکھو۔ معروضہ مظالم آرمینیا۔ مترجم

یا ترکوں کو مفصلات میں عیسائیوں کی بغاوت کر دینے کا اندیشہ ہو جائے۔ تو ان کے دلوں میں "عیسائی کتوں" کی طرف سے جو نفرت خوابیدہ موجود ہے۔ وہ بآسانی پھر مشتعل ہو سکتی ہے۔ ہر ایک پکے ترک کا عقیدہ ہے۔ کہ جو لوگ قرآن شریف کو خدا کا کلام نہیں مانتے وہ نطے دہکتی ہوئی آگ میں ڈالے جائینگے۔ پس جن لوگوں کی یہ کیفیت ہو۔ ہم کو (ان کے تعصبات اور توہمات کی اصلاح کے بارہ میں) بے اندازہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ ہم کو اپنے عیسائی ممالک کے فرقہ پیوریٹن[1] کی تنگ خیالی کیا معلوم نہیں۔ یہ کوئی زیادہ برسوں کی بات نہیں ہے۔ کہ کلیسیائے اسکاٹ لینڈ کے چند ارکان نے اپنے رائے ظاہر کی تہی کہ جو لوگ گرجا میں ارغنون (باجہ) کے استعمال کو پسند کرتے ہیں۔ وہ کبھی عذاب اُخروی سے خلاصی نہیں پا سکتے۔ ترک لوگ سکاٹ لینڈ والوں سے نہ سہی پیوریٹن فرقہ کے معتقدوں سے کئی باتوں میں مشابہ ہیں۔ اور ان کا مذہبی جوش بڑی آسانی سے مشتعل ہو سکتا ہے۔ ہم بے تعداد کہانیاں سُن چکے ہیں کہ بلگیریا میں ترکوں نے ناگفتہ ظلم وستم کئے ہیں۔ مگر عیسائی یہ تو بتائیں۔ کہ لڑائی میں کون قوم اس سے بری رہتی ہے۔ مان لیا کہ ترک سفاک اور ناگفتنی ہیں بلغاری عیسائیوں کی اسوقت کیا کیفیت تہی۔ جبکہ وہ چیرہ دست ہو گئے تہے۔ اور ان کو بدلہ لینے کا موقع ہاتھ آگیا تھا۔ یہ درست ہے کہ موجودہ علما ترک سپاہیوں کو یہی تلقین کرتے ہیں کہ موقع حرب پر جس قدر زیادہ عیسائیوں کو قتل کیا جائے اُسی قدر بہشت کا ملنا زیادہ یقینی ہو جاتا ہے۔ اور جب ایسی تعلیم ہے تو ظاہر ہے کہ سپاہی بہشت میں جانیکے لئے اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں اُٹھا رکھیگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ دیگر مقدس کتابوں[2] کی طرح قرآن شریف اسیروں کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور عورتوں اور بچوں پر سختی نہ کئے جانے کی خاص طور پر تاکیدی ممانعت کرتا ہے۔ افسوس ہی تو یہی کہ عام درجہ کے ترک قرآن شریف جانتے نہیں وہ عربی سمجھ نہیں سکتے۔ اور ترکی ترجمہ کے چھپنے کی اجازت نہیں۔ چند برس ہوئے۔ مدراس میں ایک مسلمان اس جرم میں اسلام کے دائرہ سے خارج کر دیا گیا تہا۔ کہ اس نے عربی کے بجائے قرآن شریف کی آیات کا اردو ترجمہ نماز میں پڑہا تھا۔ جو عربی جانتے ہیں۔ انہوں نے تو قرآن شریف کا مطلب درست سمجھ لیا۔

---

[1] یہ فرقہ عیسائیوں کا گویا وہابیہ فرقہ ہے۔ مترجم

[2] کیا توریت اور ویدمیں بہی ایسی ہی نرمی کا حکم ہے۔ مترجم

مگر جو نہیں جانتے۔ ان کو جو کچھ ملا اور امام بتائیں درست ماننا پڑتا ہے مسلمانوں میں مذہبی معتقدوں کا ویسا کوئی طبقہ موجود نہیں جس طرح ہم عیسائیوں میں پادریوں کا۔ اسلامی ممالک میں علماء کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ جو الٰہیات فقہ اور دیگر مذہبی علوم میں ماہر ہوتے ہیں اہل محلہ و دیہات انہی میں سے امام مقرر کر لیتے ہیں مساجد میں باجماعت نماز پڑھانا اُن کا کام ہوتا ہے مفتی (مشیرانِ قانون) اور قاضی (جج) گورنمنٹ مقرر کرتی ہے۔ ان علماء کی تعلیم بالطبع انکے ذاتی خیالات سے رنگی ہوتی ہے۔ جن خیالات میں سے اس کا باعث خواہ مذہبی یا سیاسی جذبات ہوں) ایک یہ ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں عیسویت کی طرف سے رنجش اور نفرت ہوتی ہے مذہبی اور سیاسی پرجوشی اور تحریک کے اوقات میں ان لوگوں کو عوام الناس پر بڑا اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ اور اس موقع پر وہ گورنمنٹ کی صلح کل اور زیادہ وسیع الخیال پالسی کو ہزیمت دیکر بہت کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور شرارت کھڑی کر سکتے ہیں لیکن اگر ترک عیسویت سے بےخبر رہنے اور اس سے نفرت رکھنے کی وجہ سے مستوجب ملامت ہیں تو ہم عیسائی تو ان سے بدرجہا زیادہ اس کے مستوجب ہیں ترک تو صرف بےخبر رہتے ہیں یا دل میں نفرت کرتے ہیں ہمارے عیسائی حضرات مذہب اسلام کی نسبت علانیہ حقارت کے ساتھ ذکر اذکار کرتے ہیں عیسائی فقیہ اور عالمانِ علوم مذہبیہ اس کے جواب میں یہ عذر پیش نہیں کر سکتے۔ کہ ہم قرآن نہیں جانتے قرآن کے متواتر کئی ترجمے ہو چکے ہیں۔ اور گو اسلامی علومِ دینی کو درست طور پر سمجھنے کے لئے احادیث اور روایات کا علم ہونا ضروری ہے تاہم صرف قرآن شریف کو ہی بغور پڑھنے سے انسان مذہب اسلام سے خاصی واقفیت پیدا کر سکتا ہے۔ دنیا میں تمام ضروری اصولوں میں کوئی دو مذہب ایسے کامل متفق اور متحد نہیں جیسے کہ اسلام اور عیسویت۔ یہ دونوں ملتیں ایک ہی باپ کی بیٹیاں۔ ایک دوسری کی سگی بہنیں۔ اور ایک ہی روح سے فیضیاب ہیں اگر حضرت محمدؐ کو عیسویت کے بعض عقاید کے مدعا سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہو جاتی۔ تو ظن غالب ہے کہ رسولِ خدا اور ان کے معتقدین عرب صاف اور سادی عیسویت کو اپنا مذہب قبول کر لیتے [1] اس کو کل تسلیم کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر خود آنحضرت صاف صاف تسلیم فرما چکے ہیں کہ انہوں منبعوں سے جو کہ یہودی اور مسیحی مذہب کے تھے۔ ان کو علم اور الہام حاصل ہُوا۔ اور معلوم ہو رہا ہے۔ کہ حضرت کے مخالفین کو بھی اسباب کا پورا پورا علم تھا۔ کیونکہ رسالت سے انکار کرتے وقت وہ یہ کہا کرتے تھے۔ کہ یہ باتیں کسی انسان نے آنحضرت

[1] حاشیہ صفحہ ۶۷ پر دیکھو۔

کو سکھائی ہیں۔ اسبارہ میں دو یہودیوں جبر اور یاسر کا نام لیا جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت کو عہد نامہ عتیق پڑھ کر سنایا یا حضرت کے حرم محترم میں سے ریحانہ پہلے یہودی المذہب اور ماریہ مسیحی المذہب قبطن تھیں حضرت خود نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اور اس امر کا سخت افسوس ہے۔ کہ انکو یہودیت اور نصرانیت کا علم کسی پاک اور زیادہ براہ راست ذریعہ اور وسیلہ سے نہ ہُوا (یعنی عیسائیت اور یہودیت کے اچھے نمونے ان کی نظر سے نہ گذرے) عیسائیوں کے جو فرقے انکی نظر سے گذرے انہوں نے عیسویت کو خراب کر دیا ہُوا اور اسکے چند لازمی اور سرکردہ عقاید کو غلط لباس پہنا دیا ہُوا تھا۔ اسوقت عیسائی علماء کا یہ حال تھا۔ کہ ان میں فی الواقعہ اس مسئلہ پر بڑے زور وشور سے بحث ومباحثہ ہورہے تھے۔ کہ آیا مریم دیبی تھیں یا انسان۔ اور آیا وہ معصوم تھیں یا خطاکار۔ ایسی صورت میں کیا حضرت محمد اور اُن کے پیروں کے عیسائیوں کی اصلاح سے مایوس اور انکے عقاید سے متنفر ہو کر عیسویت سے روگرداں ہوجانے اور تثلیث کے کل عقیدہ کو تین خداؤں کی پرستش اور توحید کا جو کہ حضرت ممدوح اور انکے معتقدین کے اعتقاد اور دین و ایمان کا اصل اصول تھی نقیض قرار دینے پر کوئی تعجب ہوسکتا ہے؟ اسوقت انہوں نے عیسائیوں کے اعتقادات کو دیکھکر یہی رائے قایم کرلی تھی کہ عیسائی تثلیث سے باپ۔ ماں۔ اور بیٹا کی مراد لے رہے ہیں۔ یعنی اللہ کو باپ۔ کنواری مریم کو ماں اور مسیح کو فرزند بنا رکھا ہے۔ زمانہ مابعد میں بیضاوی نے عیسوی تثلیث کا نسبتاً زیادہ درست مطلب سمجھا۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ مجھے ایک عیسائی نے بتایا ہے۔ کہ تثلیث فی الحقیقت اب (باپ) یعنی وجود باری تعالیٰ۔ ابن (فرزند) یعنی عقلِ ایزدی۔ اور روح القدس یعنی حیات ایزدی پر مشتمل ہے۔

حضرت محمدؐ کو اپنے ابنائے ملک کے شرک سے جو ہزار ہا معبودوں کے بت بنا کر پرستش کرتے تھے۔ سخت نفرت تھی ان کے نزدیک ہر ایسی چیز جس میں ایک خدا سے زیادہ معبودوں پر اعتقاد کرنے کا ذرا سا شائبہ بھی پایا جائے۔ نہایت ہی پلید اور ناپاک تھی۔ پس کوئی شک نہیں کہ یہی وجہ تھی جسکے باعث وہ عیسویت سے بیزار ہوگئے

لہ حاشیہ صفحہ ۶۵۔ پروفیسر کا یہ بھی خیال غلط ہے۔ کئی پاکیزہ صفات عیسائی اور یہودی لوگ آنحضرت کو بانعم پڑا اور جونہی انکو رسالت کا حال معلوم ہُوا۔ وہ فی الفور ایمان لے آئے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ بعثت کے منتظر بیٹھے تھے۔ دعوتِ اسلام کی خبر پاتے ہی مسلمان ہوگئے۔ مترجم

گو عیسیٰ مسیح سے تعلق رکھنے والا ہر ایک واقعہ اپنے وقت پر ظاہر ہوا ہو۔ پر ابھی کہا کسی نئے مذہب کے بانی نے دوسرے مذہب کے بانی کا کبھی ایسے ادب اور احترام سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ آنحضرت نے حضرت مسیح کا کیا ہے۔ آنحضرت کا عقیدہ تہا۔ کہ خداوند کریم باوقات مختلف اپنا منشا رسولوں کی وساطت سے مخلوق پر واضح کرتا رہا ہے۔ ان پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کی آنحضرتؐ کے دل میں اس قدر وقعت اور عزت نہیں تہی۔ جیسی کہ حضرت عیسیٰؑ کی۔ وہ مسیح کو عیسیٰؑ مسیح اور روح اللہ پکارتے ہیں۔ اور انکی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔ "کہ عیسیٰ خدا کا رسول ہے جو اس دُنیا میں بحیثیت پیغمبر نامدار رہا ہے۔ اور دوسری دنیا میں بحیثیت شفیع"۔ وہ عیسیٰؑ کو ابن اللہ نہیں پکارتے۔ کیونکہ وہ جانتے تہے کہ ان الفاظ کے پہلے ہی کیسے غلط معنی سمجھ لئے گئے ہیں۔ مگر اسکے عوض وہ انکو اس سے بھی اعلیٰ لقب کلمۃ اللہ کا عطا کرتے ہیں۔ "اس سے اعلیٰ وارفع صفت آج تک کسی انسان کے خیال میں آ نہیں سکتی۔ نہ کسی زبان میں اس سے بڑہکر کوئی صفت ہو سکتی ہے۔ یہ ابن اللہ سے بہی زیادہ بلند اور زیادہ پاکیزہ ہے۔ یہ یقینی اعلیٰ ترین صفت ہی کہ ہمارے دل میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیا مسیح کو یہ خطاب دیتے وقت حضرت محمدؐ نے اس کے معنی بہی جو نہایت عمیق اور گہرے ہیں سمجھ لئے تہے یا نہیں۔ تاہم یہ امر بالکل صاف ہے۔ کہ وہ ابن اللہ کے استعارہ دار نام سے غلط فہمی کے پیدا ہو جانے کے خطرہ سے جو کہ فی الواقع مسیحیت کے اوائل ہی سے پیدا ہو گئی تہی۔ بخوبی واقف تہے۔ ہم عیسائیوں سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عیسائیت کے ابتدائی زمانہ کے ہی عیسائی علماء کو اس خیال کی کہ خدا بیٹا جن سکتا ہے تردید کرنی پڑی تھی۔ انہی معنوں میں حضرت محمدؐ فرماتے ہیں۔ "بیٹا جننا[1] خدا کی شان کے شایان نہیں ہے۔ کل شان وشوکت اسی کو حاصل ہے"۔ دوسری جگہ جہاں خداوند کریم حضرت کو مریم کے حمل کی بشارت کا قصہ سُناتا ہے۔ قرآن شریف میں یہ درج ہے۔ "فرشتہ نے کہا اے مریم سُن۔ تحقیق خدا تجہے اپنی ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے۔ اسکا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔[2] وہ اِس دنیا میں اور دوسری دنیا میں وجیہ اور خدا کے مقربین میں سے ہوگا۔ وہ گہوارہ میں بھی لوگوں سے اسی طرح باتیں کریگا جس طرح کہ جوان ہوکر۔ اور عادل ہوگا"۔ ...... مریم نے کہا۔ بارِ خدایا! میرے ہاں بیٹا کس طرح پیدا ہوگا۔ جبکہ مرد نے مجھے چھوا نہیں۔ فرشتہ نے کہا۔

[1] یہ مندرجہ ذیل آیات کا ترجمہ ہے سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ (نساء ع ۲۳ سیپارہ ۶) [2] اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ (آل عمران رکوع ۵ سیپارہ ۳ رکوع ۸)

اسی طرح ہوگا - خدا جسے چاہیگا - پیدا کریگا - جب وہ کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے - تو اُسے صرف کہا جاتا ہے ہوجا - اور وہ ہوجاتی ہے اور وہ اسے کتاب - دانائی - توریت اور انجیل سکھائیگا - اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔"

لیکن گو حضرت محمدؐ ہر جگہ اور ہمیشہ خود حضرت مسیح کا اس عزت و احترام سے ذکر کرتے ہیں مگر مسیحی فرقوں کے باہمی تنازعوں اور اُن خرابیوں پر جو عیسائیوں نے مسیح کے پاک عقائد میں داخل ہوجانے دی تھیں علانیہ حقارت اور نفرت ظاہر فرماتے ہیں آنحضرت کا تصور ذات باری تعالیٰ کی نسبت عہد جدید (انجیل) کی نسبت زیادہ تر عہد عتیق (توریت) کے بیانات کے مشابہ تھا - چنانچہ قرآن شریف میں انجیل کی نسبت توریت سے بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے - جو بآسانی معلوم ہورہی ہے - لیکن آنحضرت یہود اور نصاریٰ برابر دونوں سے ناراض ہیں - کہ انہوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی پاک تعلیم کو بگاڑ دیا ہے - وہ ان کو ارشاد فرماتے ہیں کہ دیکھو تمہارے باہمی جھگڑے ہی بنا رہے ہیں کہ تم سب غلطی پر ہو - اور پہلا پارہ میں حسب ذیل فرماتے ہیں "ان فرقوں میں باہمی اختلاف پیدا ہوگئے ہیں - یہود کہتے ہیں نصرانیت پر سہارا کئے ہوئے ہیں - اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی شئے پر سہارا نہیں کئے ہوئے - حالانکہ دونوں فریق کتاب اللہ کے پڑھنے والے ہیں - مگر قیامت کے دن جس بات پر وہ مختلف تھے خدا اس کا ان میں فیصلہ کردیگا - - مشرق و مغرب کا مالک خدا ہے - پس جس طرف تم پھرو - ادھر ہی خدا کا چہرہ ہے عیسویت پر آنحضرت نے جس قدر اعتراض کئے ہیں - وہ سب کے سب سچی عیسویت پر نہیں بلکہ صرف اس جھوٹی عیسویت پر ہیں - جو ان کے مشاہدہ اور علم میں آئی - اگر ہم اس امر کو ذہن نشین کرلیں - تو آنحضرت کی مخالفت کرنیکی بجائے انکے اعتراضات کی لفظ لفظ سے اتفاق رائے کریں - قرآن شریف کی چوتھی سورت کی ۱۶۹ آیت ہے "پس خداوند کریم اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ - اور تین خدا نہ کہو" اس آیت سے کون عیسائی انکار کرسکتا ہے - بالیقین ہر سمجھدار عیسائی آنحضرت کے ساتھ اتفاق کریگا - نہ کہ ان عیسائی فرقوں سے جن کی تثلیث اب - مریم - اور مسیح پر مشتمل تھی - آنحضرت یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مسیح نے کبھی خدا یا خدا کے برابر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا - خود مسیح کو ثالث بناتے ہیں - سورہ پنجم آیت ۱۱۲ میں ہم یہ عبارت پاتے ہیں "اور جب خداوند کریم کہے گا - اے عیسیٰ بیٹے مریم کے کیا تو نے بنی آدم کو کہا ہے - کہ مجھکو اور میری ماں کو خداوند تعالیٰ کے علاوہ خدا سمجھو - تو وہ جواب دیگا - بار الٰہا اب

تعریفیں تجہی کو ہیں - میں وہ بات کس طرح کہہ سکتا تہا جسکو میں جانتا تہا کہ غلط ہے - اگر میں نے ایسا کیا ہوتا - تو تجہے لازمی طور پر اسکی خبر ہوجاتی جو کچھ میرے دل میں ہے تو اسکو جانتا ہے - مگر جو کچھ تیرے دل میں ہے میں اُسے نہیں جانتا - کیونکہ تو پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے"۔

آنحضرت کو فقط اپنے ابنائے ملک کی کراہیت انگیز بت پرستی کی بیخ کنی کے لئے نہیں بلکہ ان غلطیوں کو دُور کرنیکواسطے بہی جو یہودیت و نصرانیت دونوں میں داخل ہوگئی تہیں نئے مذہب کی تشہیر اور تبلیغ کی ضرورت محسوس ہوئی تہی - مگر وہ اپنے مذہب کو نیا مذہب نہیں کہتے - بلکہ ارشاد فرمایا - کہ "بیشمار پیغمبر یہی مذہب مجھ سے پہلے سکہا چکے ہیں - لیکن لوگوں نے انکی باتوں پر بہت کم توجہ کی"۔ آنحضرت خود کو آخری پیغمبر فرماتے ہیں - مگر یہ کبہی دعویٰ نہ کیا کہ میں سب پیغمبروں سے بڑا ہوں - آنحضرت رسول اللہ پکارے جاتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کبہی نہیں کیا - کہ رسالت کا فخر صرف مجہی ہی حاصل ہوا ہے - یا یہ کہ میں سب رسولوں سے مرتبہ میں بڑا ہوں -

اگر حضرت محمدؐ نے مسیح کی حیثیت کلمۃ اللہ کا مطلب درست سمجھ لیا ہوتا - اور یہ جان لیا ہوتا کہ فقط انہی معنوں میں وہ ابن اللہ ہے تو غالب وہ عرب بلکہ کل دنیا میں عیسویت[1] کے سب سے زبردست رسول ہوجاتے - اگر ان عیسائیوں نے جن سے آنحضرت کو سابقہ پڑا - ابن اللہ کے خیال کو بگاڑ کر کفریہ دیوتا پرستی کے ہمرنگ نہ بنادیا ہوتا - تو وہ غالباً عیسائی یعنی اُس صداقت کے جسکی تلقین موسیٰؑ اور عیسیٰؑ نے کی تہی - ایک اور جدید پیغمبر ہوجاتے - یہ تثلیث ہی کا غلط سمجہا گیا عقیدہ ہے - جس نے عیسویت کو کروڑہا معتقدین سے محروم کردیا - اور حضرت محمد کو دوست کی بجائے دشمن بنادیا - اگر ہم عیسائی اور کچھ نہ کریں - صرف آنحضرت کے اعلیٰ مقاصد کو اور بالخصوص اس مقاصد کو جو اظہار نبوت کے ابتدائی زمانہ میں وہ رکہتے تہے -

[1] ہم مسلمانوں کو پروفیسر کے اس بیان پر ناراض نہیں ہونا چاہیئے بلکہ یہ خیال کرکے کہ یہ عبارت ایک عیسائی کی قلم سے نکلی ہے اُسے معذور سمجہنا چاہیئے - لیکن اگر بنظر غور دیکہا جائے - تو اسمیں کوئی قباحت کی بات نہیں پائی جائیگی اسلام سچی عیسویت سے متغائر نہیں ہے - اور حضرت سرور کائنات نے اسی توحید کو تازہ کیا تہا جسکی ہدایت از آدم تا عیسیٰ کل پیغمبر کرتے چلے آئے ہیں بہرحال ایک عیسائی اور پہر مسیحی مبلغ کے رتبہ کے عیسائی سے اسلام کی اسقدر خوبیاں ہی سُننا جو اوپر مندرج ہیں مسلمانوں کو کچھ کم فرحت بخشنے کا باعث نہیں ہوسکتا بس اگر اس پر بوجہ بیگانگی کہیں خطا ہوگئی ہو - تو اسے نظر انداز کردینا واجب ہے - مترجم

جان جائیں - اور انکو سمجھ لیں - تو ہم کبھی حضرت ممدوح کو پیغمبر کا لقب دینے سے خسّت اور تنگدلی نہ کریں - یہ امر واقع کل دنیا کے سامنے ظاہر ہے کہ آنحضرت نے اس جگہ جہاں پہلے وحشیانہ بُت پرستی کے سوا اور کسی چیز کا نام ونشان نہیں پایا جاتا تہا - ایک مذہب قائم اور نصب کردیا ہے - اسوقت کم از کم سترہ کروڑ انسان ۵۹۷۵۰۰۰ یورپ میں ۵۰۴۱۶۰۰۰ افریقہ میں - اور ۱۱۲۷۳۹۰۰۰ - ایشیا میں حضرت محمدؐ کے معتقد اور نام لیوا موجود ہیں اے عیسائیو! انصاف کرو - کیا وہ شخص جو اتنے دلوں کا مالک ہو پیغمبر کہلانے کا مستحق نہیں ہے ؟

{مرقومہ پروفیسر الیف میکس مولر - مترجم وید ژند اوستا - پُران
قران شریف - ودیگر مقدس کتب مذاہب مشرق}

(۷) مساجد و مقابر

میں ان بیشمار مساجد اور مقابر کا جن کو میں نے ٹرکی میں دیکھا مفصل بیان تحریر کرنے کا ارادہ نہیں کرتی - بلکہ بشرط امکان صرف اس عالم کیفیت کو ضبطِ تحریر میں لانیکی کوشش کرتی ہوں جو اُن میں سے سب سے شاندار عمارات کے دیکھنے سے انسان کے دل پر وارد ہوتی ہے - قسطنطنیہ کی مساجد وغیرہ کے بعد ہم نے بروصہ جاکر ایسی مسجدیں دیکھیں جو ٹھیٹھ اسلامی طرز میں بنی ہوئی ہیں قسطنطنیہ کی مسجدیں ایا صوفیا وغیرہ کی طرح یا تو پرانے عیسوی معبد ہیں یا ایسی ہیں - جو آغا صوفیا جامعسی کی طرز پر بنائی گئی ہیں - ایا صوفیا کو باہر سے دیکھنے پر کوئی ایسی چیز نہیں پائی جاتی - جو نگاہ یا تصور کو عجیب معلوم ہو - پائیں مسجد میں کھڑا ہونے پر مسجد کا درمیانی بڑا گنبد اور اسکے دونوں طرف کے چاروں نیم گنبد بمشکل دکھائی دے سکتے ہیں اور مسجد کے گرداگرد چاروں طرف باقی مسجدوں کی طرح مدرسے، حمام، مزار - اور باورچی خانے بنے ہوئے ہیں - مگر ڈیوڑہی میں داخل ہوکر بوٹوں پر سلیپر پہن لینے کے بعد (کیونکہ اگر انکو نہ چڑہایا جائے - تو بوٹ اُتار کر برہنہ پا اندر جانا پڑیگا) اور مسجد کے وسط میں جسے ایوان کلان کہنا زیادہ مناسب ہوگا - اور جہپر درمیانی گنبد اور دو نیم گنبد بنے ہوئے ہیں پہنچ جاؤ - اور وہاں تھوڑی دیر ٹھیر کر نظر کو فرش سے لیکر بالائی منزل کی گیلریوں (برآمدوں یا لمبے جہروکوں) کی محرابوں تک جو نچلی محرابوں سے چھوٹی ہیں سیر کرنے دو - اور اس بڑے ایوان کی وسیع فضا

کو اپنا اثر ڈالنے دو۔ تو تم چند لمحوں میں فرگسن (مسیح) کے قول کی تصدیق کر کے پکار اٹھو گے۔ کہ بیشک "آج تک ایسا خوبصورت اور کامل گرجا کسی عیسائی قوم نے تعمیر نہیں کیا"۔ نچلی محرابیں سبز سنگ سماق کے بڑے بڑے چار ستونوں پر جن کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ دیبی ڈائنا کے مندر واقع مقام افی سس سے لائے گئے تھے۔ کھڑی ہیں۔ گیلریوں کے ستون بھی جو ان سے ہلکے ہیں۔ اسی پتھر کے ہیں۔ اس درمیانی ایوان کے چاروں کونے گہرے سرخ رنگ کے سنگ سماق کے ستونوں پر قائم ہیں۔ یہ ستون روایت ہے کہ بعلبک کے بڑے مندر سے جو بعل یا سورج دیوتا کی پرستش کے لئے بنا ہوا تھا۔ لائے گئے تھے۔ اکثر ایسے ستونوں کی چوٹیوں پر جو خاص قسطنطنیہ میں تیار کئے گئے تھے۔ ابتک قیصر جسٹینین اور اسکی ملکہ تھیوڈورا کے طغرے موجود ہیں۔ موجودہ عمارات انہی دونوں نے قسطنطین اور تھیوڈوسیس کے تعمیر کردہ پرانے گرجوں کے موقع پر جو دونوں یکے بعد دیگرے جل گئے تھے۔ تعمیر کرائی تھی۔ دیواریں اور گنبد کسی وقت از سرتا پا بیل بوٹوں سے ڈھنپے ہوئے تھے۔ مگر چار بڑے فرشتوں (جبرئیل میکائیل۔ اسرافیل۔ اور عزرائیل) کی تصویروں کے سوائے جو گنبد کے نیچے بنی ہوئی ہیں۔ اسکے باقی کل نقش ونگار پر چونا پھیر دیا گیا ہے۔ گیلریوں میں البتہ ان بیل بوٹوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو گہری نیلگوں بلکہ سیاہ زمین پر نہایت خوشنما معلوم ہوتے ہیں۔ ابتک کہیں کہیں موجود ہیں۔ چونکہ مکہ معظمہ یروشلم سے زیادہ جنوب رویہ ہے۔ محراب جس کا مکہ کے رُخ ہونا ضروری ہے۔ مشرقی دیوار کے عین وسط میں نہیں ہے۔ بلکہ کسی قدر جنوب کی طرف ہٹی ہوئی ہے۔ محراب کے قریب ہی وہ ستون ہے جس پر بہت اونچا کر کے ایک نشان لگا ہوا ہے جیسا کہ خون آلودہ ہاتھ کا چھاپہ ہوتا ہے۔ روایت ہے۔ کہ فتح قسطنطنیہ کے بعد جب محمد فاتح مذبوح عبادت کنندگان کی لاشوں پر سے زین سوار گرجا میں داخل ہوا تھا تو اُسنے یہ دیکھنے کے لئے کہ کہاں تک ہاتھ پہنچتا ہے۔ یہ نشان لگایا تھا۔ گیلریوں میں جاکر ہم نے مشہور بند دروازہ دیکھا۔ عام خیال ہے کہ وہ پادری جو اسوقت بڑی نماز پڑھا رہا تھا اس کی رتبہ انجیل کو لیکر بھاگ گیا تھا۔ دروازہ اسکے پیچھے بند ہو گیا۔ اور ابتک نہیں کھل سکا مگر جب ترک قسطنطنیہ سے نکال دیئے جائینگے۔ اور آیا صوفیا پھر عیسائی کنیسہ ہو جائیگا۔ تو پادری مذکور پھر خود نمودار ہو کر اپنی نماز کو جسے ادھورا چھوڑ گیا تھا۔ پورا کریگا۔

آیا صوفیا کی پوری کیفیت جمعہ کی نماز کے وقت دکھائی دیتی ہے۔ بیرام خان کی

نماز کے سوا اور نمازوں کے وقت اندر جانیکی اجازت بمشکل ملتی ہے۔ ہم صادق بیگ سے اسلئے
ہمکو وہاں اپنے ساتھ لے جانے کی درخواست نہیں کی تھی۔ کہ شاید اسے یہ امر ناگوار گذرے
کہ جو امر اسکی نگاہوں میں ایسا متبرک اور مقدس ہے۔ ہم اسے محض کھیل سمجھکر اس کا نظارہ
کرنے جاتے ہیں۔ تاہم سفارت کے ایک قواص کی نگرانی میں ہم اجازت لیکر اپنے فرزند
سمیت گیلریوں میں چلے گئے۔ اور عمداً مغربی کونہ میں بیٹھے۔ تاکہ نمازیوں کے پس پشت ہونے
کی وجہ سے انکی نظر ہم پر نہ پڑے۔ اور ان کو برا ماننے کا موقع نہ ملے۔ ہم دوپہر سے کچھ
عرصہ پہلے گئے تھے۔ ارادہ تھا۔ کہ مسجد کی دوبارہ پھر کر بخوبی سیر کریں۔ مگر اسکی اجازت نہ دی
گئی۔ کیونکہ نمازی جمع ہو گئے ہوئے تھے۔ مصلّوں کی لمبی صفیں جو محراب رویہ ہونیکی وجہ سے
کسی قدر ترچھے بچھے ہوئے تھے۔ اوپر سے دیکھنے سے دل پر عجیب اثر پیدا کرتی تھیں۔ تھوڑی
ہی دیر میں ہر ایک مُصلّا رُک گیا۔ اور امیر و غریب دوش بدوش قیام و سجود میں مشغول ہو گئے
قطاروں میں اس قدر فاصلہ تھا۔ کہ نمازیوں کو سجدہ کے لئے جگہ مل جائے۔ نمازی سب
مرد تھے۔ عورتوں کے لئے علیحدہ پردہ دار جگہ ہے۔ مگر جہانتک ہمیں دریافت کرنیکا موقع ملا ہے
معلوم ہوا ہے کہ صرف نہایت ہی غریب جماعتوں کی مستورات مساجد میں جاتی ہیں۔ نماز
شروع ہو گئی۔ اور امام نے بلند چبوترہ پر کھڑا ہو کر قرآن شریف کی قرأت لے دار دھیمی
آواز میں آغاز کر دی۔ نمازیوں کو صف بستہ اوپر تلے ہاتھ رکھے ہوئے ایستادہ اور پھر امام کی
تکبیر پر ایک ساتھ رکوع و سجود اور قیام اور دائیں بائیں منہ پھیرتے دیکھتے رہنا نہایت ہی
مؤثر نظارہ تھا۔ بالآخر خطیب نے تقریباً عمودی زینوں پر سے منبر پر چڑھ کر منہ نمازیوں
کی طرف کر لیا۔ خلیفہ وقت اور اسلام کی فتح و نصرت کے لئے دعا مانگکر خطبہ پڑھا۔ اس کا
چوغہ ساٹن کا تھا جسکا رنگ ہلکا بسنتی تھا۔ سر پر سفید عمامہ۔ دائیں ہاتھ میں برہنہ تلوار
جو بلند کی ہوئی تھی۔ اور دونوں طرف بطور نشان فتح ایک ایک جھنڈا لٹکا ہوا تھا۔ اس خطبہ
کے بعد جسمیں دعا اور وعظ دونوں باتیں شامل تھیں۔ کل نمازی سر بسجود ہو گئے۔ اور سجدہ کے
بعد قعود کر کے پہلے سروں کو دائیں طرف اور پھر بائیں طرف پھیرا۔ جسپر نماز جمعہ ختم ہو گئی
اور وہ سب جلد جلد گر چپ چاپ مسجد سے روانہ ہو گئے۔ ہم بھی اپنے دلوں میں یہ اطمینان
لئے ہوئے مسجد سے باہر آ گئے۔ کہ ہم نے دلی ذوق سے ادا کی گئی اور نہایت سچی عبادت
ربانی کا نمونہ معائنہ کیا ہے۔ ہر شخص متوجہ و مصروف اور ملحقات سے بالکل بے خبر معلوم ہوتا تھا

میں نے بعد میں صادق بک کو جب بتایا۔ کہ ہم مسجد میں گئے تھے۔ جہاں نمازیوں کی توجہ اور اخلاص کو دیکھکر ہم پر بڑا اثر ہُوا تو اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ اور اُس نے بڑی پُرجوشی سے جواب دیا۔ "اثر کیوں نہ ہوتا یہ نماز ہے"۔ ہمارے گرجوں کی طرح نمازیوں کی توجہ کو مائل کرنے کے لیئے کوئی موسیقی۔ گلدستے۔ پھولوں کے ہار اور بے تعداد پادری نہ تھے۔ بلکہ سب کچھ نہایت ہی سیدھا سادہ۔ اور کمال موثر تھا۔ اور دیکھنے والوں کو پورا پورا یقین ہوجاتا تھا۔ کہ جو لوگ شریک عبادت ہیں وہ اسے رسم کی پابندی کا پورا کرنا نہیں۔ بلکہ فی الواقع خالق ارض و سما کی عبادت و پرستش سمجھ کر ادا کر رہے ہیں۔

ان چھوٹے گرجوں میں سے جو مسجد بنائے گئے ہیں۔ سب سے خوبصورت اور اکمل کوچک ایا صوفیا ہے۔ وہ اس ڈھلوان سڑک پر جو آتمیدان سے مرمرا کو جاتی ہے۔ واقع ہے میں نے اس راستہ کو سڑک تو کہدیا۔ مگر دراصل اسے گڑھوں اور ٹیلوں کا ایک لمبا سلسلہ سمجھنا چاہیئے۔ جن پر سے ہم کو چالاک عرب گھوڑے بخیریت لے گئے۔ اس گرجہ کو بھی جسٹینئین نے تعمیر کرایا تھا۔ وہ تقریباً مربع اور اسکی عمارت عجب ہلکی پھلکی اور کمال موزون ہے۔ ترکوں نے پرانی ڈیوڑھی گرا کر اسکی جگہ ترکی طرز کی نئی ڈیوڑھی بنادی ہے۔ تمام پچی کاری اور تصویروں پر قلعی کا پلاستر کرایا گیا ہے۔ تاہم ان سبک بازنطینی ساخت کے ستونوں کی خوبصورتی کو جن پر گیلریاں کھڑی ہیں کوئی چیز نہیں مٹا سکتی۔

میں اوپر یہ بتا چکی ہوں۔ کہ گولڈن ہارن کے دونوں طرف قسطنطنیہ کی تقریباً تمام مسجدیں کم و بیش ایا صوفیا کے نمونہ پر بنی ہوئی ہیں۔ کئی شاہی مسجدیں ہیں۔ جن کو مختلف سلاطین نے تعمیر کرایا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کے گرد بڑی چاردیواری ہے۔ جسکے اندر جامع یعنی خاص مسجد حرم یعنی مسجد کا کھلا صحن اور باغ ہوتا ہے۔ اور باغ میں ہی عموماً بانی مسجد کا مقبرہ ہوتا ہے۔ ان شاہی مساجد میں سے ہر ایک کے ساتھ مختلف اوقاف ہیں۔ جو عموماً چاردیواری کے گرد بنے ہوئے ہیں۔ بالعموم ہر مسجد کے ساتھ ایک عام مدرسہ یا دینی درس گاہ جن میں پرجوش اور مذہبی خبطی سوفتا دینی طلبا رہتے ہیں۔ غربا کیلیئے لنگر خانہ۔ کتب خانہ اور حمام ہوتا ہے بعض بعض مساجد کے ساتھ مسافروں کے لئے خانیں (سرائیں) بھی ہیں۔ اس تفصیل سے ناظرین انکی وسعت مکانیت اور عمارت کی علوشانی کا بآسانی اندازہ کرسکتے ہیں ہر شاہی مسجد شہر کی ساتوں پست قامت پہاڑیوں میں سے ایک ایک کی چوٹی پر ہے۔ ہر مسجد میں چھوٹی ہو یا بڑی

ایک سے لیکر چھ تک مینار ہیں- یعنی ایک سے کوئی خالی نہیں اور چھ سے کسی میں زیادہ نہیں- بڑی مسجدوں کے مینار سفید مرمر یا کسی اور سفید و براق شفاف پتھر کے ہیں- اور چھوٹی اور غریبانہ حیثیت کی مساجد کے چونے کے ہیں- مگر انکی براقی بھی آنکھوں کو چوندھیا دیتی ہے اور گو وہ سنگ مرمر سے کم قیمت مصالح سے بنے ہوئے ہیں- مگر بالعموم نہایت وضع دار اور خوبصورت ہیں-

ساری عمر میں پہلی مرتبہ جس مسجد[1] میں ہم داخل ہوئے- وہ جامع احمدیہ (یعنی احمد اول کی مسجد) ہے ہم اسکی وسعت کو دیکھکر دنگ رہ گئے- وہ ایا صوفیا سے گو چھوٹی ہے- مگر عرض میں اس کے بہت بڑی ہے- درمیانی گنبد چار بڑے بڑے کہار دار کھنبوں پر قایم ہے- اور تقریباً دو سو فٹ مربع جگہ کو ڈھانپے ہوئے ہے- منبر بیت اللہ شریف کے منبر کا ہو بہو نمونہ ہے یہاں ہمنے اول مرتبہ قرآن شریف رکھنے کی خوبصورت رحلیں دیکھیں- ان پر سیپ کا کام ہے اور وہ مسجد کے ہر حصہ میں رکھی ہوئی ہیں- اور جب جاؤ بالعموم یہی دیکھو گے کہ رحل کے سامنے عامہ بند چار زانو بیٹھے ہوئے ایک خاص قسم کی غنغناتی ہوئی آواز میں قرآن شریف پڑھ رہا ہے دریچوں کے اردگرد نہایت خوبصورت روغنی کھپریلیں لگی ہوئی ہیں- اور چھت سے بیشمار لیمپ لٹک رہے ہیں- جن کے ساتھ خوبصورتی کے لئے شترمرغ کے انڈے- گھوڑوں کی دموں کے جھنڈے- اور خوبصورت رنگ برنگ کے پھندنے بھی آویزاں ہیں- جامع احمدیہ میں جانے پر انسان عمارت کی جزئیات کی خوبصورتی سے ایسا متحیر نہیں ہوتا جیسا کہ اسکی وسطی ایوان کی وسعت کو دیکھکر حیران رہ جاتا ہے- تاہم صحن مسجد کی خوبصورتی میں بھی کوئی کلام نہیں اس کے گرداگرد حجرے بنے ہوئے ہیں- سیاہ و سفید مرمر کی بلند اور تنگ محرابیں نازک نازک ستونوں پر کھڑی ہیں- اور وسط میں بہت بڑا حوض ہے- جامع احمدیہ کا ایک خاص وصف جو دیگر مساجد کو حاصل نہیں یہ ہے کہ اسکے چھ مینار ہیں- احمد اول کے عہد تک صرف بیت اللہ شریف کے چھ مینار تھے- چنانچہ سلطان احمد کی اس جسارت سے امام مکہ ایسا ناراض ہوا کہ اسے مجبوراً کعبہ میں ساتواں مینار بنوا دینا پڑا- میناروں کا نچلا حصہ باہر سے دکھائی نہیں دیتا- وہ ان شاندار دروازوں سے جو چاردیواری کے اندر موجود ہیں چھپے ہوئے ہیں- کہا جاتا ہے کہ یہ سخت مسجد کی عمر کے یعنی تقریباً تین سو برس کے ہیں-

مگر جامع سلیمانیہ یعنی سلطان سلیمان اعظم کی مسجد جو سلطان کے حکم سے استاد سنان خان بانی فن معماری

[1] مسجد سے یہاں مقصد کسی عالیجا ایسی عبادتگاہ سے مراد ہے جیسے خود مسلمانوں نے تعمیر کیا ہو- ایسی نہ ہو کہ کسی گرجا یا مندر کو مسجد بنا لیا ہو- مترجم

ہیں جسکے برابر آج تک کوئی ترک پیدا نہیں ہوسکا تعمیر کیا تہا۔ کل ساجد سے جو خوبصورتی میں بدرجہا بڑہی ہوئی ہے تیسری پہاڑی کی چوٹی پر ہے۔ گنبد سرخ سنگ رخام کے ایک ڈال چار ستونوں پر قایم ہے۔ دیواریں مختلف رنگوں کے مرمر پتھر کی ہیں۔ محراب منبر اور جالی دار پردہ جو سلطان کے نماز پڑہنے کی جگہ کے گرد لگا ہوا ہے۔ براق مرمر کے کمال نفاست۔ نزاکت اور لطافت سے بیل بوٹے دار بنے ہوئے ہیں نہایت اعلیٰ قسم کے رنگین شیشوں کے دریچے ایرانی ساخت کے ہیں اور اقلیدس کی شکلوں کو مشابہ کمال سوز و نیت سے تیار کیے گئے ہیں کیونکہ اسلام کسی جاندار کی تصویر کی اجازت نہیں دیتا۔ ایک گیلری ہر قسم کے خزینوں کی محفوظ مامن کا کام دیتی ہے۔ اسمیں فرش سے لیکر چھت تک مختلف شکلوں اور جسامت کے صندوق اوپر تلے چنے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان صندوقوں میں سونا۔ چاندی جواہرات اور قیمتی پارچات بھرے ہوئے ہیں۔ یہ چیزیں یہاں اسطرح رکھی ہوئی ہیں جیسے کہ یورپ میں بنکوں میں رکھی جاتی ہیں۔ وہ سب درج رجسٹر ہیں۔ جن میں سے بعض سو سال سے زیادہ عرصہ کی وہاں رکھی ہیں۔ اور باوجودیکہ اس اثنا میں کئی انقلاب اور سینکڑوں فساد ہنگامے ہو چکے ہیں۔ مگر وہ بالکل مصئون پڑی ہیں۔ کبھی انکو کہولا یا چہوا نہیں گیا۔ وہ صرف اصل رجسٹر شدہ سندات کے دکھانے پر واپس لیجا سکتی ہیں۔ سلیمانیہ گو کمال دلفریب ہے۔ مگر اسکے باغ کے دو مقبرے دلچسپی میں اس پر بھی سبقت لے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک میں خود سلیمان کی تربت ہے۔ اور دوسرے میں اسکی مشہور ملکہ سلطانہ روکسلانہ (روشنک یا خورم) کی قبر ہے ان دونوں کی عمارت ہشت پہلو ہے۔ اور دونوں پر تمام و کمال نیلا و سفید روغنی چینی کی کھپریلیں لگی ہوئی ہیں۔ سلیمان کے مقبرہ کے گرداگرد محراب دار گیلری ہے۔ اور اندر کی طرف گنبد سنگ مرمر اور سماق کے ستونوں پر قایم ہے مقبرہ میں بانی مسجد کی قبر کے علاوہ اور بھی کئی قبریں ہیں۔ ان تمام قبروں میں جسد خاکی آغوش زمین میں مدفون ہیں اور انکے اوپر بہت بڑے بڑے بلند تعویز یا صندوق جنکے بالائی حصے محرابدار ہیں بنے ہوئے ہیں۔ اور یہ صندوق قیمتی دوشالوں اور سنہری حاشیہ کی مخملی چادروں سے ڈھپنے ہوئے ہیں۔ متوفی سلطان کی قبر کے تعویز کے سرہانے اسکی پگڑی معہ مرصع کلغی یا کسی اور قسم کے مرصع زیور کو رکہی ہے۔ سلیمان کے تعویز میں یہ ایک اور خصوصیت ہے۔ کہ اس کے گرد نازک سا جنگلا پھرا ہوا ہے جسپر سیپ کا کام ہے بعض سلاطین کی قبروں پر دستاروں کے ساتھ وہ مرصع نشان بھی آویزاں ہیں جو وہ زندگی میں پہنتے رہتے تہے۔ روکسلانا کی تربت کی حالت بے خبری کی وجہ سے اچھی نہیں ہے۔ وہ زبردست عورت جو زندگی میں سیاہ و سفید کی مالک تھی اور جس نے اپنی سنگدلانہ مقاصد کی قربان گاہ پر رحم و کرم کے تمام جذبات اور تاثیرات کو بھینٹ چڑھا دیا تہا۔ مرجانیکے بعد اب بعالم فراموشی اور حالت کس مپرسی میں پڑی ہوئی ہے۔ تعویز کے ارد گرد

دیواروں سے کھپریلیں گر رہی ہیں اور دوشالوں پر بھی بوسیدگی اور عدم توجہی کی علامتیں نمودار ہیں ان دونوں مقبروں پر بہت بڑی عمر کا ایک دیو قامت شمشاد کا درخت کھڑا ہے۔ یہ درخت ٹرکی میں بکثرت موجود ہیں اور ان کے شوخ سبز پتے سرو کے درختوں کے سیاہ پتوں کے مقابلہ پر جو ہر قبر کے گرد ہوتے ہیں عجب خوشنما نظر آتے ہیں۔

اس مسجد کو دیکھنے سے کچھ دنوں بعد ہم نے وہ چھوٹی سی خوبصورت مسجد دیکھی جو سلیمان اول نے دونوں مقتول بیٹوں کی یادگار میں جن کا خون بے رحم روکسلانا کے سر چڑھا تھا سخت ندامت و افسوس کی حالت میں تعمیر کرائی تھی۔ ان میں[1] سے ایک کا نام محمد تھا جو دوسری بیگم کے بطن سے تھا۔ وہ اس سنگدل عورت کی ترغیب و ایما اور مکروہ تحریکات پر اپنے غضب آلود باپ کے روبرو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا تھا۔ دوسرا خود روکسلانا کا بیٹا شہزادہ جہانگیر تھا۔ جو اس خوفناک سانحہ کے وقت موجود تھا۔ اسے محمد سے کمال محبت تھی۔ وہ بے تحاشا اپنے مقتول بھائی کے تن بیجان پر گر پڑا۔ اور جب پادریوں نے اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اسے بھی مردہ پایا۔ خونخوار ملکہ نے اسکے قصاص میں سلیمان سے جبراً حکم موت حاصل کر کے محمد کے نوعمر بیٹے کو قتل کرا دیا جس تربت میں یہ دونوں شاہزادے مدفون ہیں وہ سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے۔ اور جو مسقف راستہ مقبرہ کو جاتا ہے اس پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ پہلے پہل یہی مسجد سنان نے تعمیر کرائی تھی۔ اسکی کل عمارتیں اچھی حالت میں ہیں۔ اور ان کی پوری نگہداشت ہوتی ہے شاہی مساجد میں سے ایک سلطان بایزید کی تعمیر کردہ ہے۔ اسے بایزیدیہ یا مسجد کبوتراں پکارتے ہیں۔ یہ سرعسکریت یعنی وزارت حربیہ کے بڑے پھاٹک کے اندر واقع ہے اس میں صرف صحن قابل دید ہے۔ مسجد بذاتہا چنداں دلفریب نہیں۔ صحن کے ارد گرد کے حجرے ٹھیٹھ عرب طرز عمارت کے ہیں۔ اسکے ستون سب ایک ڈال اور سبز سنگ سماق سرخ سنگ سماق سیاہ و سفید مرمر اور دیگر اقسام کے پتھروں کے ہیں۔ وسط میں مسقف حوض ہے۔ جا بجا خوبصورت سرو اور شمشاد کے درخت بھی موجود ہیں۔ ہر ایک چھت۔ مینار۔ ستون کی چوٹی اور کارنیس پر ہزاروں کبوتر موجود ہیں۔ جو متبرک سمجھے جاتے ہیں۔ اور انکو کبھی ہلاک نہیں کیا جاتا۔ انکے محافظ کو اگر

---

[1] مصنف نے مقتول شاہزادوں کے نام اور انکے قتل کے حالات درست نہیں تحریر کئے۔ ایک شاہزادہ کا نام مصطفٰے اور دوسرے کا نام بایزید تھا۔ ان میں کوئی بھی روکسلانا کا بیٹا نہ تھا۔ اول الذکر سنہ ١٥٥٢ء اور دوسرا ١٥٦١ء میں ایران میں قتل ہوا تھا مفصل حالات کے لئے دیکھو تاریخ خاندان عثمانیہ جلد اول صفحہ ١٣٣ تا ١٣٥ (مصنفہ مولف مترجم)

چنے پیسے دیئے جائیں تو وہ کچھ اناج بکھیر دیگا جسپر ہر طرف سے فی الفور سب جانور جمع ہو جائینگے۔ ہر جمعہ کے محلہ کے کتوں کو بھی کھانا دیا جاتا ہے وہ اس ضیافت کے لئے سب طرفوں سے جمع ہو جاتے ہیں اور کھانے سے فارغ ہو کر ہر ایک ٹولی اپنے اپنے مسکن کو چلی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ سلطان بایزید نے کبوتروں کا ایک جوڑا مسجد کی نذر کیا تھا۔ یہ سب کبوتر اسی ایک جوڑی سے بڑھے ہیں مسجد کبوتراں چونکہ بڑے بازار کے قریب ہے اسکے حجرے بالعموم تاجروں سے بھرے رہتے ہیں اجیر منشی بھی اس میں بیٹھتے ہیں جو اجرت لیکر غربا کو خط لکھ دیتے ہیں اگر کسی بیوپاری کو تھوڑی دیر کے لئے حجرہ سے باہر جانا پڑے تو وہ اپنا اسباب بالکل بےفکر ہو کر حجرہ میں ہی چھوڑ جاتا ہے کیونکہ مسجد کی متبرک حدود کے اندر غریب سے غریب گداگر بھی کبھی چوری کا مرتکب نہیں ہوگا۔

ایک اور شاہی مسجد جسکے دیکھنے کی ہم نے کوشش کی سلطان محمد فاتح جامسی تھی وہ چوتھی پہاڑی پر ہے۔ اور چوطرفہ کئی میلوں سے نظر آتی ہے مگر جب ہم صادق بک کے ہمراہ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ وہاں سیر کنندگان کیلئے کوئی سلیپر نہیں رکھے جاتے جسپر ہمکو صرف دروازہ کے اندر کھڑے ہو کر اس کی وسیع المکانی۔ سادہ طرز اور بلا رنگ کے شیشوں کی دریچوں اور سفید چونہ گچ دیواروں کو دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ اس سادگی اور یکرنگی سے دیکھنے والے کی نظر میں چکاچوندسی پیدا ہو جاتی ہے مسجد کے بیرونی حوض بالخصوص بہت بڑے تھے ہر مسجد کے متصل اس غرض کیلئے حوض بنے ہوتے ہیں کہ اندر داخل ہونے سے پہلے پاؤں ان میں دھولئے جائیں۔

ہم سلطان محمود ثانی مصلح کی تربت کو دیکھکر ششدر رہ گئے سلطان مرحوم سنہ ۱۸۳۹ء میں فوت ہوئے تھے۔ ترکوں کی قومی شاندار پوشاک اسی نے مسترد کر کے عمامہ کی جگہ فز اور سفید کشادہ شلواروں اور گھیرے دار جبوں کی جگہ سیدھے سادے فراک کوٹ کو رواج دیا تھا۔ گو اس نے اپنی زندگی میں کفایت شعاری اور سادگی کو رواج دینے میں سخت کوشش کی تھی۔ مگر اسکے مرنیکے بعد اسکے جانشینوں نے اسکی خواہش دلی اور منشا کی بالیقین کوئی پروا نہیں کی کیونکہ اس کا مقبرہ اگرچہ تھوڑے زمانہ کا بنا ہوا ہے لیکن شان وشوکت میں سب سے گوئے سبقت لے جا رہا ہے۔ اسکی عمارت چوندھیا دینے والے سفید سنگ مرمر کی ہشت پہلو گنبد دار عمارت ہے۔ دیواروں پر کار نتھی پچی کاری اور اسپر کمال خوبصورت نقش و نگار ہیں آٹھ میں سات طرفوں میں ایک ایک بڑا دریچہ ہے۔ جن میں سنہری جالیاں لگی ہوئی اور نہایت ہی بیش قیمت مخملی پردے پڑے ہوئے ہیں۔ مقبرہ کی قبریں حسب معمول صندوق نما ہیں محمود کی قبر

کے تعویز پر فقط ایک سادہ سی ترکی ٹوپی پڑی ہے جسپر کوئی طرہ یا کلغی یا مرصع کاری نہیں ہے۔ البتہ کل تعویز پر بیش بہا مخملی چادر جسکے حاشیے سنہری ہیں پڑی ہے۔ دائیں طرف مرحوم کی والدہ اور بائیں طرف اسکی بدقسمت فرزند عبدالعزیز کی قبر ہے جو ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا تھا۔ عبدالعزیز کی قبر کا جنگلا باپ کی قبر کے جنگلے سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہے۔ دونو پر سیپ کا کام ہے۔ عبدالعزیز کی ٹوپی میں خوشنما الماسی طرہ لگا ہوا ہے۔ اور اسکی قبر کی مخملی چادر پر سر سے پاؤں تک نہایت خوبصورت سنہری بیل بوٹے کاڑھے ہوئے ہیں۔ طبقہ عثمانیہ کا نشان بھی جسے عبدالعزیز نے قایم کیا تھا اسکی قبر پر رکھا ہے۔ چاروں طرف چاندی اور سیپ کے کام کی رحلیں اور ان پر کمال خوبصورت اور بےنظیر قلمی قرآن شریف رکھے ہیں۔ اور ہر ایک قبر کے گرداگرد بہت بلند وزن دار چاندی کے شمعدان موجود ہیں۔

ایک دن بازاروں سے واپس آتے وقت ہمارے فرزند کو خیال آ گیا کہ ہم سوقت سلیمان اعظم کے داماد رستم پاشا کی تعمیر کردہ مسجد کے بالکل قریب ہیں۔ جو چھوٹی مساجد میں نہایت ہی خوبصورت اور خوشنما ہے۔ وہ ایک تنگ سے کوچہ میں چاروں طرف سے مکانات میں ایسی گھری ہوئی ہے کہ بہت کم سیاحوں کو اس کا پتہ ملتا ہے۔ ہماری گاڑی ایک پچھلے سے دروازہ پر کھڑی ہو گئی جس میں سے مسجد کی ڈیوڑھی کو تنگ سی سیڑھیاں جاتی ہیں۔ ڈیوڑھی مسجد کے برابر چوڑی ہے۔ مسجد کے کواڑ بند تھے۔ اور کوئی آدم زاد نظر نہیں آتا تھا۔ لیکن ہمارا ڈاکوچبان کی مدد سے مسجد کے محافظ کو بڑی مشکل کے بعد آخر تلاش کر لایا۔ جبتک وہ اسکی تلاش میں پھرتے رہے۔ ہم ڈیوڑھی کی بےنظیر چینی کے کام کو بڑے شوق سے ملاحظہ کرتے رہے۔ ایسی خوبصورت مسجد کیلئے ایسی ہی نفیس ڈیوڑھی شایاں تھی۔ مسجد کی چینی کاری بالکل صحیح سالم ہے۔ کہیں سے ایک کھپرل بھی نہیں اکھڑی۔ نہ کہیں سے کوئی چینی اڑی ہے۔ بیل بوٹے مختلف مدارج کے نیلے رنگ کے ہیں۔ اور سفید زمین پر بنائے گئے ہیں۔ اور مشکل ہی کوئی جگہ ان سے خالی ہے۔ یہ بیلیں دیواروں پر فرش سے لیکر چھت تک چلی گئی ہیں۔ بعض دھاریاں چوڑی اور بعض پتلی ہیں۔ انکے نقشے بھی ایکدوسرے سے مختلف ہیں۔ مگر ہیں سب بےنظیر۔ اس مسجد کو دیکھکر کبھی یقین نہیں آ سکتا۔ کہ ساڑھے تین سو برس ہوئے اسے استاذ المعمارین سنان نے تعمیر کیا تھا۔ ہم نافرمانی مسجد کو بھی گئے۔ تقریباً ایک سو تیس برس ہوئے اسے بلند کرسی پر جہاں سے مرمرا کی خوب سیر ہوتی ہے۔ تعمیر کیا گیا تھا۔ مگر وہاں سیر کنندگاں کیلئے سلیپر نہیں تھے۔ ہم اس چھوٹی سی خوبصورت مسجد کے صرف دروازہ پر ہی کھڑے رہ سکتے تھے۔ جہاں سے ہم اسکی ہلکی پھلکی گیلری کو جو مسجد کے اندرونی حصہ کے گرداگرد سفید مرمر کے ستونوں پر بنی

ہوئی ہے۔ دیکھکر اسکی تعریف کرتے ہیں۔ یہ کل عمارت مسجد کی بجائے زیادہ تر مقبرہ کے مانند معلوم ہوتی ہے۔ اور مربع کی بجائے ہے بھی ہشت پہلو۔ اسمیں دو چھوٹے سے مینار بھی ہیں۔ ہم دروس ہٹتے ہی تھے۔ کہ موذن نے ان میں سے ایک پر کھڑے ہو کر اذان دینی شروع کر دی۔

والدہ سلطان کی بڑی مسجد کو ہمنے کئی دفعہ دیکھا۔ پیرا کی طرف سے غلطہ پل کو عبور کرتے وقت وہ عین سامنے کھڑی ہوتی ہے۔ مگر ان موقعوں پر اسکے باغ کے مقبروں کو جو نہایت ہی خوبصورت ہیں ہم اسلئے نہ دیکھ سکے۔ کہ انکی مرمت ہو رہی تھی۔ تاہم ایک سہ پہر کو صادق بک ہمیں وہ گیلریاں اور کمرے دکھانے گیا۔ جو خاص سلطانی استعمال کے لئے مخصوص ہیں۔ ان کا رخ مسجد کی طرف ہے۔ اُن سب پر چینی کی پچی کاری کا کام ہے۔ بعض دماریاں مختلف درجوں کے نیلے رنگ کی ہیں اور باقی سبز رنگ کی۔ ایک چھوٹے سے کمرے میں اینٹ کی رنگت کے سرخ پھول بنے ہوئے ہیں۔ جن سے عجب کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ تمام کمروں میں قرآن شریف کی آیات منقوش تھیں۔ بعض دریچوں کے آئینے بھی عمدہ رنگین اور منقش تھے۔ اور لکڑی کا کام بھی بہت عمدہ تھا۔ ایک اور چھوٹی سی مسجد کا ذکر جسکی بھی ہمنے سیر کی تھی فصیل شہر سے باہر جانیکے حالات میں کروں گی۔

(۸) یلدز سراء میں ضیافت

پہلی مرتبہ جلوس سلاملق دیکھنے کے بعد سلطان المعظم کی بارگاہ میں شرف حضوری حاصل ہونے کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس سے ایک یا دو دن بعد میرے خاوند کو اطلاع دی گئی۔ کہ انگریزی سفیر اور محاربہ کریمیا کے وقت کے افسر جنرل گینٹ کے ہمراہ جو ہمارے والے ہوٹل میں ٹھیرا ہوا تھا۔ دوسرے دن محل سلطانی میں تمہاری دعوت ہے۔ اطلاع میں یہ تصریح نہیں ہوئی تھی۔ کہ ضیافت پرائیویٹ ہے یا سرکاری؟ اس لئے میری شمولیت غیر متحقق تھی۔ ضیافت کے پرائیوٹ ہونیکی صورت میں یہ خود بخود مفہوم ہوجاتا کہ میں بھی خاوند کے ساتھ جاؤں۔ ضیافت کی نوعیت کا پختہ پتہ ضیافت والے دن کی صبح کو ملا۔ اسوقت اطلاع ملی۔ کہ وہ سرکاری ہوگی جسپر مجھے سفارت خانہ جا کر وہاں سے مدعو دین کو رخصت ہوتے دیکھنے پر قناعت کرنی پڑی۔ ہمارے فرزند کو بالصراحت نام لیکر دعوت میں شریک کیا گیا تھا جس سے جلالت مآب کی بدرجہ غایت شفقت واضح ہو رہی تھی۔ جب ہم باریاب ہوئے تھے۔ تو وہ سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ اور اسوقت حضور ممدوح نے ازراہ ذرہ نوازی ہمیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ تمہارے

لڑکے کی قطع وضع نہایت شریفانہ اور ممتاز ہے۔ سفیر۔ ہمارا فرزند۔ اور اعلیٰ ترجمان رسمی پوشاک میں تھے۔ اور میرا خاوند اور جنرل کینٹ جنکے پاس کوئی وردی نہ تھی۔ مجبوراً شام کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ مگر دونوں مجیدیہ تمغے لگائے ہوئے تھے۔ جو اول باریابی کے موقعہ پر انکو عطا ہوئے تھے۔ اس جماعت کے محل میں پہنچنے سے پہلے ہی پاشاؤں کی تعداد کثیر وہاں جمع ہو چکی تھی۔ وہ سب کے سب زرق برق کی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ اور انکے سینے ستاروں اور فیتوں سے ڈھنپے ہوئے تھے۔ اعلیٰ ترجمان نے ان کو انگریزی مہمانوں سے روشناس کر دیا۔ ان میں اکثر وزراء ہی شامل نہ تھے۔ بلکہ **غازی عثمان** بھی موجود تھے۔ میرے خاوند نے غازی ممدوح کو فرنچ زبان میں کہا کہ "میں قبل ازیں ڈیوک آف ولینگٹن (فاتح نپولین) اور مولکی (فاتح پیرس و سیڈان) دونوں سے مصافحہ کر چکا ہوں اور اب شیر پلیونا سے بھی ایسا کرنیکا فخر حاصل ہو گیا ہے"۔ سلطان المعظم رونق افروز ہونے پر منیر پاشا رئیس التشریفات کی وساطت سے انگریز مہمانوں کے ساتھ کمال خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے گفتگو کرتے رہے۔ بادشاہوں کے درباری گو مفت کی تنخواہیں لیتے ہیں۔ مگر منیر پاشا کی نوکری کو کبھی ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ ان کو بڑا کام دینا پڑتا ہے۔ ضیافت میں اول سے آخر تک وہ اپنے نامور آقا کے پیچھے شاہی احکام مہمانوں کو پہنچانے کے لئے بالکل تیار دست بستہ کھڑے رہے۔

چند لمحوں کے بعد کل مجلس جسکے آگے آگے جلالت مآب تھے۔ کھانیکے کمرہ کو گئی۔ میز طلائی برتنوں سے جن میں سے چند واقعی اعلیٰ درجہ کی صناعی کا نمونہ تھے جگمگا رہی تھی۔ سلطان المعظم میز کے صدر میں متمکن ہوئے۔ سر کلیر فورڈ (انگریزی سفیر) دائیں طرف جلالت مآب اور صدر اعظم کے درمیان۔ اور جنرل کینٹ حضور ممدوح کے بائیں ہاتھ تھے۔ میرا خاوند وزیر حرب اور وزیر بحریہ کے درمیان بیٹھا تھا۔ اس مجمع کا نظارہ لائق نہایت ہی شاندار ہوگا۔ کیونکہ اکثر ترک نہایت وجیہ اور خوش شکل ہوتے ہیں۔ اور ڈاڑھیاں رکھتے ہیں۔ جو نہایت موزوں اور مقطع ہوتی ہیں۔ اور ان سے چہروں پر رعب و وقار پایا جاتا ہے۔ پروفیسر نے گھر آکر مجھ سے ذکر کیا کہ اس مجمع کو دیکھکر دل کو سچی خوشی اور مسرت حاصل ہوتی تھی۔ تقریباً تیس آدمی ضیافت میں شریک تھے ترکوں کی متحیر کر دینے والی خوبصورتی سے بڑھکر تعجب پیدا کرنیوالی یہ بات تھی کہ کل میز کے گرد کامل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سلطان المعظم کے سواء احد سب خاموش تھے۔ جلالت مآب انگریزی سفیر سے بہت پُر جوشی کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ گو حسب معمول یہ مکالمہ بھی اول سے لیکر آخر تک ترجمان کی وساطت سے ہوتا رہا۔ میرے خاوند نے جو ترکی آداب طعام سے ناواقف تھا اپنے پڑوسیوں سے

فرنچ میں بات چیت کرنی شروع کردی۔ مگر انہوں نے ایسے مختصر جواب دیئے کہ اُسے بہی آخر سکوت اختیار کرنا پڑا۔ جسپر امیرالمؤمنین نے جنہوں نے لاریب اس معاملہ کو دیکھ لیا ہوگا آمنے پاشا کو اشارہ کیا۔ اور آپ وزراء حسبِ تجربہ کے کان میں کچھ سرگوشی کی۔ اسپر وہ پروفیسر سے بے تکلفانہ تکلم کرنے لگ گئے۔ امیرالمؤمنین نے خود بھی انکو آنکھ کے اشارہ سے ایما کردیا کہ آداب سلطانی کی اس خلاف ورزی کی کوئی پروا نکریں۔ سلطان المعظم اور سلطانی عہدہ داران نے شراب کا ایک قطرہ نہ پیا۔ نہ میز پر کوئی شراب موجود ہی تہی۔ خدام نے صرف عیسائی مہمانوں کو اسکے جام بھر کر دیدیئے۔ شراب کلبرٹ قسم کی تہی جو ایسی عمدہ تہی۔ کہ میرا خاوند رئیس التشریفات سے اسکی نسبت دریافت کئے بغیر نہ رہ سکا عہدہ دار مذکور کا فرض ہے کہ دسترخوان شاہی پر جو مہمان ہوں۔ انکے لئے خود چکھ کر شراب منتخب کرے۔ اس نے جواب کی بجائے کندہوں کو ہلا دیا۔ جس کا گویا یہ مطلب تہا۔ کہ تم خود اچھی طرح قیاس کر سکتے ہو"۔ دسترخوان پر جو کھانے آئے۔ ان میں سکنجبین (پنچ) بھی تہی۔ وہ برف سے سرد کی ہوئی تہی۔ اور اسکی بُو ایسی تیز تہی کہ ہر ایک کو بآسانی معلوم ہو سکتا تہا۔ کہ اسمیں الکحل[1] ہے لیکن سلطان یا انکے مہمانوں میں سے کسی نے اسکے پینے سے احتراز نہ کیا۔ کیونکہ یہ مرکب پنچ اسکنجبین کہلاتا ہے۔ اور سکنجبین کی قرآن میں ممانعت نہیں ہے۔ مہمانوں کیلئے جو میزوں پر خلال پڑے ہوتے ان میں سے میرا خاوند ایک کو ساتھ لے آیا۔ اُسپر فرنچ زبان میں یہ الفاظ منقوش تہے۔ "شام پین (انگوری شراب کی ایک قسم) تو ہمیشہ زندہ رہے" شاہی ضیافت ہو بہو کامل فرانسیسی ضیافت کا نمونہ تہی۔ طعام کی قسمیں ترکی اور فرنچ میں لکھی ہوئی تہیں۔ کل تیرہ قسم کے کھانے فہرست میں درج تہے۔ جو یکے بعد دیگرے سب کے سب میز پر چنے گئے۔ سرکاری اعلان میں تاریخ ۲۳ جون درج تھی۔ مگر ضیافت انگریزی کلنڈر کے رو سے فی الحقیقت اتوار کے دن ۲۴ جون کو ہوئی پلاؤ وغیرہ ایشیائی طرز کے کھانوں کے علاوہ یورپین کھانے ہی تہے۔ جن میں سے دو خاص انگریزی قسم کے تہے۔ جو انگریزی مہمانوں کے لئے خاص طور پر تیار کرائے گئے ہونگے۔ پلاؤ ترکوں کا ایسا مرغوب کھانا ہے۔ کہ ممکن نہیں کہ جس ضیافت میں کوئی ترک شامل ہو۔ اسمیں پلاؤ نہ ہو۔ میرے بیٹے نے مجھ سے ذکر کیا۔ کہ جس طرف وہ تہا۔ ادہر کے کسی مہمان نے ایک لفظ ہی زبان سے

---

[1] لیڈی صاحبہ کی خاوند کو جبکی سند پر وہ یہ لکھ رہی ہیں اسمیں مغالطہ ہو گیا ہے۔ سکنجبین لیموں کی ہو یا سرکہ کی الکحل ہرگز نہیں پڑتا۔ چونکہ تیز سرکہ کی بو الکحل (روح شراب) سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ صرف اس سے اُن کو سکنجبین میں ان کے ہونے کا دھوکا ہو گیا ہے۔ مترجم

نہ نکالا۔ مگر کھانا اس قدر ہڑپ کیا کہ وہ حیران رہ گیا۔

بدورانِ ضیافت سلطان المعظم نے منیر پاشا کو یہ پیغام دیکر میرے خاوند کے پاس بھیجا کہ حضور ممدوح الطافِ شاہانہ کے مزید اظہار کے لئے عنقریب مجھکو نشانِ شفقت عطا فرمائیں گے۔ یہ نشان صرف عورتوں کے لئے ہے۔ چنانچہ چند دنوں ہی کے بعد محل ہمایوں کا ایک عہدہ دار یہ خوبصورت نشان مجھے ہوٹل میں پہنچا گیا۔ نشان سرخ مخمل کے صندوقچہ میں جس پر سنہری ہلال اور ستارہ بنا ہوا تھا بند تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا۔ کہ اعلیٰ حضرت جو تمغے بالعموم عطا فرماتے ہیں۔ میرے والا تمغہ ان سے زیادہ خوبصورت اور مرصع کار ہے۔ یہ تمغہ طلائی ستارہ کی شکل کا ہے جسکی پانچ کرنیں نکلی ہوئی ہیں ہر کرن پر نہایت ہی خوبصورت سبز مینا کاری سے پتے اور لعلوں کے پھول بنے ہوئے ہیں۔ اور سرے پر آبدار الماس جڑا ہوا ہے۔ ستارہ ڈھلا ہوا نہیں سونے کو ہاتھ میں کوٹ کر بنایا گیا ہوا ہے۔ اس ستارہ کے ساتھ ایک اور پانچ کرنی ستارہ سرخ مینا کاری کا ہے۔ یہ دونوں ستارے دوش بدوش ہیں اور انکے وسط میں ایک مدوّر طلائی ٹکیہ ہے جس پر سلطان المعظم کا طغرہ کندہ ہے۔ اور گرداگرد سبز مینا کاری کی بیل ہے جس کے ساتھ ساتھ تین مرتبہ طلائی عربی حروف میں لفظ شفقت کندہ ہے۔ فیتہ جس سے اسے لٹکایا جاتا ہے۔ سفید آبدار ریشمی کپڑے کا ہے۔ اسکے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی سرخ دھاریاں ہیں۔ جو دو دو سبز خطوں کے درمیان ہیں۔ تمغہ سرخ کوفت کاری کے ہلال اور ستارہ کے ذریعہ سے اس فیتہ سے بندھا ہوا ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر انگریز مہمان اور چند اعلیٰ ارکین قہوہ اور سگرٹ نوشی کیلئے سلطان المعظم کے ہمراہ دوسرے کمرے میں گئے۔ جلالت مآب نے صرف یہی نہیں کہ بنفس نفیس سگرٹ پیش کئے۔ بلکہ خود دیا سلائی روشن کر کے میرے خاوند کو دی۔ ایک متصلہ وسیع کمرہ میں جو کھجور کے پودوں اور پھولوں سے خوب آراستہ تھا۔ راگ گایا جا رہا تھا۔ سلطان المعظم نے کسی قدر فخر و مباہات کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ کہ کل سازندے اور گوئیے ترک ہیں۔ سرود خوش الحان اور عمدہ تھا۔ اور گوئیوں کے گلے صاف اور وہ خود اعلیٰ تربیت یافتہ تھے۔ جلالت مآب کو خود بھی موسیقی کا بہت شوق ہے۔ اور اکثر اپنے ایک صاحبزادہ کے ساتھ ملکر جسکو کسی دن اس فن میں کمال حاصل ہو جائیگا۔ ہارمونیم بجایا کرتے ہیں۔ اس رات بہت وقت گذر جانیکی وجہ سے شہزادے شامل نہ ہوئے۔ مگر سلاملق کے موقعوں پر ہمیں ان کا دیدار ہوتا رہا۔ وہ

اس وقت خوبصورت عربی گھوڑوں پر سوار ہوتے تھے - اور خوب چاق چوبند - مضبوط اور چھریرے جسم کے معلوم ہوتے تھے - سلطان المعظم بہت رات گذرے اپنی مہمانوں سے رخصت ہوئی - جب وہ کمرہ سے باہر تشریف لے گئے - تو صدر اعظم نے کہا - جلالت مآب اب رات کے دو یا تین بجے تک کام کریں گے - اور پھر سویرے ہی اٹھکر کام میں مشغول ہو جائینگے - وہ خود بھی بہت کم آرام لیتے ہیں - اور اپنے وزراء کو بھی کم آرام کرنے دیتے ہیں - وزیر اعظم نے یہ بھی کہا - کہ جلالت مآب اپنے کل کاغذات کو ایسے سلیقہ اور ترتیب سے رکھتے ہیں کہ جس کاغذ کی ضرورت ہو اسکو اپنے کام کرنیکے کمرہ سے تاریکی میں بھی باآسانی نکال سکتے ہیں -

ہر ایک امر کا خفیف ہو یا اہم سلطان المعظم بذاتِ خود فیصلہ کرتے ہیں اور چونکہ آخر انسان ہیں اور نیز دوسرے انسانوں کی طرح انکے دن بھی چوبیس ہی گھنٹے کے ہوتے ہیں بیشمار خفیف معاملات کی وجہ سے جن پر انکے احکام کا حصول لازمی ہے - کئی زیادہ اہم معاملات معرضِ تعویق میں پڑے رہتے ہیں اور اکثر کئی کئی مہینوں تک بلاتصفیہ رہتے ہیں - مثال کے طور پر میں ایک معاملہ کا ذکر کرتی ہوں - تھراپیا (مضافات قسطنطنیہ جو باسفرس کے یورپی ساحل پر آباد ہے) میں جس لنگر سے انگریز سفارت کا حفاظتی جہاز باندھا جاتا تھا - اسکے قریب پانی میں ایک چٹان ڈوبا ہوا تھا جس سے دریا کے مدّ وجزر کے بعض موقعوں پر جہاز کو نقصان پہنچ جانے کا احتمال تھا - مگر چونکہ سلطان المعظم کی حکم کے بغیر وہ لنگر اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جا سکتا تھا - سفیر نے ہمارے جانے سے پہلے کی عرضی دی ہوئی تھی - کہ لنگر مذکور کو چند فیٹ ہٹا دینے کی اجازت مل جائے - ہم ترکی میں تین مہینے رہے اور ہماری روانگی تک اس معاملہ کا فیصلا نہیں ہوا تھا -

ضیافت کے بعد جو پہلا جمعہ آیا - اس جمعہ کو ہم پھر بطور شکر گذاری اور شاہی آداب بجالانیکے لئے سلاملق میں حاضر ہوئے - اور جب منیر پاشا حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہنچاتے آئے تو میں نے انکی معرفت تمغہ شفقت کی مرحمت کا شکریہ نہایت ادب و احترام کے ساتھ سلطان المعظم کی خدمت میں کہلا بھیجا - سلاملق سے ماقبل کی رات کو انگریزی سفارت میں بڑی بھاری دعوت تھی جس میں بڑے فخر و ناز اور ساتھ ہی مسرّت و فرحت کے ساتھ اس تمغہ کو لگا کر شامل ہوئی تھی ؛

اس کے بعد اور دو دفعہ ہم سلاملق میں شریک ہوئی - ایکدفعہ تب جبکہ نوجوان خدیو

بھی وہاں موجود تھا۔ اور اس کی اعزاز میں سلطان المعظم کے مسجد سے تشریف لیجانے کے بعد کل فوج پرے باندھ کر گذری تھی۔ چند نوعمر افسروں کو قاعدہ کے ساتھ پریڈ مارچ کرتے دیکھکر جو انہوں نے برلن میں سیکھا تھا۔ طبیعت کو بہت فرحت ہوئی۔ مگران افسروں کے لئے جن کی عمریں نسبتاً بڑی تھیں۔ عمودی پہاڑی سے تیز قدمی کے ساتھ نیچے جانا سخت تکان دہ کام تھا۔ خدیو جتنا عرصہ قسطنطنیہ میں ٹھیرے برابر آزردہ رہے۔ ان کو توقع تھی۔ کہ خود مختار بادشاہ کی طرح انکی تعظیم و تکریم ہوگی۔ اور سلطان المعظم نے انکی خاطر ویسی کی جو باجگذار حکمران کے مناسب حال ہو سکتی تھی۔ چنانچہ محل ہمایوں میں انکو جو بڑی ضیافت دی گئی۔ اس میں انکو صدر اعظم کے بعد بحیثیت سوم رکن سلطنت جگہ دی گئی۔ سلاملق میں سلطان المعظم نے انکو اپنے ہمراہ مسجد جانیکی دعوت نگی۔ صرف یہ اعزاز کیا گیا۔ کہ جلوس لعد فوج کا "مارچ پاسٹ" (پرے باندھکر سامنے سے گذرنا) دیکھنے کیلئے سفرا کی کوشک کے متصل انکو ایک علیحدہ کوشک میں بٹھایا گیا۔

آخری دفعہ ہم بڑی مشکلوں سے سلاملق میں شامل ہو سکے۔ ہم نے خاوند کو اپنی تصنیف کردہ کتب موسومہ "مشرق کی مقدس کتابیں" سلطان المعظم کی خدمت میں پیش کرنیکی اجازت ملگئی تھی۔ اور یہ کتابیں انگلستان سے پہنچ گئی تھیں۔ جب وہ جمعہ آیا۔ جبکہ ہم نے آخری مرتبہ سلاملق کو جانا تھا۔ تو ہمیں یہ خیال نہ رہا۔ کہ چونکہ ٹرکی میں غروب آفتاب سے وقت شمار ہوتا ہے اس لئے موسم گرما میں یوربین طرز شمار کیوقت بارہ ہر روز ترکی وقت میں سویرے[1] ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب سلاملق کے عازمین کو لیجانے والا جہاز جو صرف ایکدفعہ چلتا ہے۔ تھراپیا پہنچا۔ تو ہم اسوقت تیار نہ تھے۔ اسکے چلے جانیکے بعد ہم نے کسی قدر وقت کے ساتھ گاڑی بہم پہنچائی۔ اور اسپر سوار ہو کر یلدز کی طرف روانہ ہوئے۔ تھراپیا سے پہلے ہمکو گھنے درختوں کی گھاٹی موسومہ "گرانڈ نیرد" (آب سرد) پر چڑھنا پڑا۔ اسکے بعد ہم اس برائے نام شاہراہ پر ہو گئے۔ جو باسفورس کے کنارہ کی پہاڑیوں کی چوٹی چوٹی پیرا کو جاتی ہے۔ سڑک اسقدر خشکی

[1] ناظرین کو اسکا مطلب بالتشریح اس کی با آسانی سمجھ میں آجائیگا۔ سرما میں انگریزی وقت عموماً پانچ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ اور چونکہ ترکی وقت کا اس سے ایک کا عمل شروع ہوگا۔ انگریزی وقت کی جب دوپہر کے بارہ بجیں گے اس وقت ترکی وقت کے ۱۹ بجیں گے۔ لیکن گرمی میں دن بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ حتی کہ جون میں تقریباً آٹھ بجے دن غروب ہوتا ہے۔ چنانچہ اس موسم میں جب انگریزی وقت کے دوپہر کے بارہ بجیں گے۔ ترکی وقت کے سولہ بجیں گے۔ مترجم

کی طرف ہٹی ہوئی ہے - کہ ہم باسفرس کے پانی کو نہ دیکھ سکے - تاہم ساری سڑک سے باسفرس کے ایشیائی ساحل کی پہاڑیوں کا نظارہ ہوتا رہا - شروع شروع میں تو یہ ریتیلی سڑک اچھی تھی مگر جوں جوں دار الخلافہ کے قریب پہنچتے گئے - وہ خراب ہوتی گئی - حتی کہ آخر میں اس قدر گہری نالیاں اور بڑے بڑے گڑھے آگئے - کہ ہمکو مجبوراً سڑک چھوڑ کر کھیتوں میں سے جس طرح بن پڑا گذرنا پڑا - جب ہم یلدز پہنچے - تو کل فوجیں صف بستہ ہو چکی تھیں - مگر ہم فوج سواران کی صف کو چیر کر آگے بڑھ گئے - اور اسی وقت ہمیں صادق بک مل گیا - وہ ہماری طرف سے بالکل مایوس ہو چکا تھا - اسکی نگرانی میں ہم جھٹ پٹ سفراء کی بارہ دری میں پہنچ گئے - میرے خاوند نے تہوڑی سی عبارت لکھکر اسمیں مشرق کی کتب مقدسہ کی تالیف اور طبع کے مقاصد و مدعاء کو واضح کیا تھا - اور اس عبارت کا سفارت کے ایک ترجمان سے سلیس ترکی میں ترجمہ کرا کر اُسے چند روز پیشتر محل ہمایوں کو بھیجدیا تہا - اور ساتھ ہی سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کر بھیجا تہا - کہ ہم ایک ہفتہ میں رخصت ہو جائینگے - جب رئیس التشریفات حاضرین سلاملق کو سلطانی سلام پہنچانے آیا - تو اس نے پروفیسر کو کہا کہ سلطان المعظم تمہاری تحریر سے جس کا لفظ لفظ حضور ممدوح نے مطالعہ فرمایا ہے کمال محظوظ اور متأثر ہوئے ہیں -

سلاملق کے بعد صادق بک ہم کو اسی کوشک میں لیجا کر جہاں پہلی سلاملق کے بعد ہمیں شرف باریابی حاصل ہوا تہا - ایک بڑے کمرہ میں لیگیا - وہاں بہت سے آدمی (جو سب کے سب مرد تہے) سعادتِ حضوری ملنے یا سلطان المعظم کے احکام سننے کے انتظار میں جمع تہے - یہاں ہمیں حاجی علی گرینڈ چیمبرلین (اعلیٰ حاجب) سے جو نہایت متین اور باوقار کمال خوبصورت پیر مرد ترک ہے - روشناس کرایا گیا جس کمرہ میں ہم تہے - اور جسمیں سلطان المعظم منتظران جمال کو شرف دیدار عطا فرما رہے تہے - ان دونوں کے درمیان وہ مسلسل آمد و رفت کرتا رہا - کل حاضرین کو قہوہ اور سگرٹ اور مفرح برف میں سرد کیا ہوا شربت بادام دیا گیا - اور ہم سب ایک دوسرے کی طرف باوقار خاموشی سے بیٹھے تکتے رہے - حتی کہ صادق بک نے علامۂ زمان جلال الدین افغانی کو جو شاعر اور نہایت مشہور و ممتاز شیخ ہے[1] - لاکر میرے خاوند سے معرفت کرایا - اور ان دونوں میں فی الفور بزبان فرنچ کُردوں اور سلطنت عثمانیہ کی دیگر اقوام پر طویل اور دلچسپ گفتگو شروع ہو گئی - ایک روسی افسر بھی جو پاس کھڑا تہا حالانکہ اُسے اس مضمون پر بہت تھوڑا علم تہا - گفتگو میں شامل ہو گیا - اور اسنے پروفیسر اور جلال الدین کی رائے سے جو دونوں بالکل متفق الرائے تہے - مختلف رائے ظاہر کی - ہم سب بیٹھے ہوئے انکی دلیلوں کو سنتے رہے کہ اتنے

[1] افسوس شیخ موصوف سالگذشتہ قسطنطنیہ میں فوت ہو گئے - مترجم

میں گرینڈ چیمبرلین نے سلطانی کمرہ سے برآمد ہو کر میرے خاوند سے کہا کہ سلطان المعظم تمہاری تحریر پڑھکر بہت خوش ہوئی ہیں۔ اور گو آج وہ بہت مصروف ہیں اور تم سے ملاقات نہیں کر سکتے تاہم حضور ممدوح نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ جانے سے پہلے وہ تمسے ایک دفعہ پھر ضرور ملاقات کرنا چاہتے ہیں جسکے لئے کوئی دن بعد میں مقرر کیا جائیگا۔ اور تمکو چاء کھانے پر مدعو کیا جائیگا۔ ہم سے ہٹ کر حاجی علی شیخ جلال الدین کی طرف متوجہ ہوا۔ اور اُس سے کہا کہ سلطان المعظم نے تمکو باسفرس کے کنارہ پر ایک مکان عطا فرمایا ہے۔ بعد ازاں پھر پروفیسر کی طرف متوجہ ہو کر کہا "کہ جلالت مآب نے تمکو عزت و قدر افزائی کا اعلیٰ ترین نشان "تمغہ لیاقت" بھیجا ہے۔ جسے حضور ممدوح بہت شاذ و نادر فرماتے ہیں۔ وہ ایک چھوٹا سا خوبصورت طلائی تمغہ ہے۔ اور سلطان المعظم اسے باقی سب طبقوں کے تمغوں سے افضل سمجھتے ہیں۔ ہمیں بعد میں معلوم ہؤا۔ کہ میرا خاوند اُن عیسائیوں سے علاوہ جو سلطان المعظم کی ملازمت میں داخل ہیں پہلا عیسائی ہے جسے یہ تمغہ عطا ہوا ہے (یعنی اس سے پہلے جن معدودے چند خوش نصیب عیسائیوں کو یہ تمغہ ملا تھا وہ سلطان المعظم کے ملازم تھے) صادق کا چہرہ اس نشان کو پروفیسر کے سینے سے ٹانکتے وقت خوشی سے تمتما اٹھا تھا۔ فی الواقع سلطان المکرم کی نوازش اور عنایت کا یہ بہت بھاری ثبوت تھا۔ یہ تمغہ ایک چھوٹے سے سرخ فیتہ سے جسکے کنارے سبز ہیں لٹکا ہؤا ہے۔ اور ترکی میں اسپر یہ الفاظ نقش ہیں "یہ انکے واسطے مخصوص ہے جو لیاقت صداقت اور ہمت مردانہ ظاہر کریں"۔ رخصت ہونے پر ہمنے بیرونی ایوان کو ملازموں سے بھرا ہوا پایا۔ وہ سب انعام کے متوقع تھے۔ ہمنے ترجمان سے جو وہاں ہمارے انتظار میں بیٹھا تھا درخواست کی کہ جو کچھ مناسب ہو نوکروں کو دیدے اس نے دو پونڈ ترکی (ایک پونڈ اور سولہ شلنگ) سب میں تقسیم کر دیئے۔ ہم نے صادق کو اپنی روانگی کا وقت بتا کر اس سے التجا کی۔ کہ وہ عہدہ داران محل سرائے ہمایوں کو اچھی طرح بتا دے کہ ہم اس ہفتہ کے اندر جانیکا پختہ عزم رکھتے ہیں۔ گو ہم جانتے تھے۔ کہ سلطان المعظم کا پیغام پہنچ جانے کے بعد اور بالخصوص تمغہ لیاقت کے عطیّہ کے بعد ہم پر ایک طرح سے واجب ہو گیا ہے کہ اگر سلطان المعظم ہم کو اس دن سے پہلے جس دن ہمنے وطن کی طرف واپس جانے کا تصفیہ کیا ہؤا تھا۔ شرف باریابی عطا نہ فرما سکیں۔ تو ہم اپنی روانگی کو چندے ملتوی کر دیں ؎

(۹۱) پُرانی شہر پناہ

پرانی شہر پناہ اور فصیلوں کی خوبصورتی کا ذکر ہمارے فرزند نے اپنے کئی خطوں میں کیا تھا۔ چنانچہ ہمنے صادق بک سے جس نے بھی انکو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ ایک سہ پہر اس گشت پر صرف کرنیکا فیصلہ کیا کبھی یہ فصیل سارے شہر کے گرد موجود تھی۔ اور وہ دیوار جو سمندر کی طرف کی فصیل کہلاتی تھی اور گوشہ محلسرا سے یدی قلعہ (ہفت بروج) تک بحیرہ مرمرا کے کنارہ کنارہ بنی ہوئی تھی ریلوے لائین کی تعمیر کے وقت تک خاصی عمدہ حالت میں کھڑی تھی مگر جب لائن بنی تو وہ تقریباً اس موقع سے گذری۔ جہاں پر دیوار تھی۔ جبراً اسے گرا دیا گیا۔ اور اب کہیں کہیں اس کا کوئی ٹکڑا کھڑا ہے۔ باقی ماندہ فصیلوں کی طرح دریائی فصیل کو بھی ابتداً قسطنطین اعظم نے تعمیر کرایا تھا۔ اور پھر قیصر تھیوڈوسی اس ثانی نے (۴۰۸ء سے ۴۵۰ء تک حکمران رہا) اسکی خوب طرح مرمت کرائی تھی وہ ایک قسم کے پشتہ پر جو دیوار کے پائیں میں بڑے بڑے چٹانوں کا بنا ہوا ہے۔ بنائی گئی تھی اور باقی ماندہ آثار سے ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ موجوں کے زور کو توڑنے کے لئے وہ عمداً خط مستقیم یعنی سیدھی نہیں بنائی گئی تھی دریائی فصیل دوسری فصیلوں سے کم چوڑی ہے۔ یہ امر بتا رہا ہے۔ کہ خود تنہا سمندر کو ہی کافی حفاظت خیال کیا گیا تھا۔ اکثر جگہ کتبوں کے نشان موجود ہیں جن پر تھیوڈوسی اس کا نام کندہ ہے۔ اور کل فصیل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سابقہ زمانہ میں اسمیں تقریباً دس دروازے تھے۔ جن سے ان بے شمار گرجوں کو جو عین اس سے اوپر کر کے بنے ہوئے تھے۔ اور نیز شہر کے اندرونی حصوں کو سمندر کی طرف سے راستے جاتے تھے۔ مگر فصیل جو ہر ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی اور غلیظ گلیوں سے ملی جلی ہوئی ہے۔ وہ فصیل نہیں جس کا ہمارے بیٹے نے ذکر کیا تھا۔ اور جس کو دیکھنے کے لئے ہم روانہ ہوئے تھے۔ ہم ریل پر یدی قلہ کو گئے۔ یہ قلعہ اس زاویہ پر ہے۔ جو دریائی جانب اور خشکی کی طرف فصیلوں کے التصاق سے بنتا ہے۔ خشکی کی طرف کی فصیل اس موقع سے خلیج تک تقریباً پانچ میل لمبی چلی گئی ہے۔ اس قلعہ کو محمد فاتح نے تعمیر کرایا تھا۔ اور کسی وقت اسیرانِ سلطانی کے محبس کا کام دیتا تھا۔ اب وہ کھنڈر پڑا ہے سات میں سے تین برج منہدم ہو گئے ہیں اور باقیماندہ چاروں پر بھی گھاس اُگا ہوا ہے۔ ایک تاریک سے دروازہ میں سے گذر کر جو بندر کہا جاتا ہے ہم صحن میں پہنچے۔ وہ تختۂ گیاہ معلوم ہوتا تھا۔ اسکی پرلی طرف وہ برج ہے جسمیں اس سلطنت کے سفیر جس سے باب عالی کی جنگ چھڑ جائے۔ فی الفور مقید کر دیئے جاتے تھے۔ یہ برج آخری دفعہ ۱۷۹۸ء میں استعمال

میں لایا گیا تھا۔ جبکہ فرنچ سفیر کچھ عرصہ کے لئے اس میں نظربند رکھا گیا تھا۔ قلعہ کی نگرانی اور حفاظت پر ہمیشہ ینگچری فوج کا دستہ مامور رہتا تھا۔ اور یہیں یہ سرکش فوج ان سلاطین کو جن سے وہ بگڑ جاتی تھی۔ قید کر کے لے آیا کرتی تھی۔ اور ان میں سے بعض کو یہیں اس نے قتل بھی کیا تھا۔ ہم نے ان کمروں کو جا کر دیکھا جن میں فرنچ سفیر مقید رہا تھا۔ انکے فرش کچے تھے۔ روشنی کا کوئی راستہ نہ تھا۔ اور صرف ایک تنگ و تاریک پیچ دار راستہ سے جسکی ایک شخص بھی بآسانی حفاظت کر سکتا تھا۔ ان تک پہنچا جاتا تھا۔ وہاں سے قیدی کا بھاگ سکنا بالکل ناممکن تھا۔ اس برج سے باہر قریب ہی ایک گہرا کنواں ہے۔ جسے خونی کنواں پکارتے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کے سر گرائے جاتے تھے۔ جو ایک متصل چھوٹے سے صحن میں قتل کئے جاتے تھے۔ روایت ہے کہ روس کی ملکہ کیتھرائن اعظم کے سفیر کونٹ اوبرسکاف کو موجود الوقت سلطان نے کسی خفیف سی رنجش پر جو دونوں ملکوں میں ہو گئی تھی۔ اس کنوئیں میں لٹکا دیا تھا۔ اور تین دن اسکو وہیں رہنے دیا تھا۔ چند ڈھلوان زینوں پر چڑھنے سے ہم بلند سطح پر پہنچ گئے۔ یہاں سے مرمرا کا جو دھوپ کی سنہری کرنوں سے طلائی چادر کی طرح جگمگا رہا تھا۔ دور تک ایسا شاندار نظارہ ہوتا تھا۔ کہ انسان اسے مدت العمر فراموش نہیں کر سکتا۔ دن سخت گرم تھا۔ اور صادق نے مجھے اس بلندی پر اپنے بیٹے کے پیچھے جانے سے روکنے کی بہتیری کوشش کی تھی۔ مگر جب کامیاب نہ ہوا تو اکیلا ہی اوداسی ایک بڑے صحن میں بیٹھ گیا۔ اسکی وردی بہت ہی چست اور پتلون بہت ہی تنگ تھی جس سے اس کو اوپر نیچے چڑھنے اترنے میں بہت دقت ہوتی تھی جب ہم اس ہولناک قلعہ سے باہر نکلے تو بیشک شکر کا کلمہ پڑھا۔ پھر اپنی گاڑی کے پاس پہنچکر اسپر سوار ہو گئے۔ اور ایسے راستے سے جو باقاعدہ پھاٹک ہونیکی بجائے شگاف سا معلوم ہوتا تھا۔ پرانی فصیل سے باہر کی طرف ہو گئے۔ جہاں پہنچتے ہی کل منظر جو خوبصورت مگر ساتھ ہی سنسان تھا۔ ہماری نظروں کے سامنے پھیل گیا۔ جہاں تک ہماری نگاہ پہنچتی تھی۔ دیوار ہی دیوار اور اسکے بیشمار برج دکھائی دیتے تھے اسکی منہدمہ حالت۔ روئیدگی۔ جنگلی انگوروں اور دوسرے پودوں کی بیلوں سے جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں چھپی ہوئی تھی خشکی کی طرف کی فصیل اول سے آخر تک تہری تھی جسکے اب بھی برابر نشان موجود ہیں۔ اندرونی فصیل۔ بیرونی فصیل۔ اسکے آگے مٹی کا پشتہ اور پھر خندق۔ خندق چار صدیوں کی مسلسل روئیدگی سے تقریباً پر ہو گئی ہے جسکے درختوں کی سبزی دیواروں کے ساتھ ساتھ چلی جاتی ہوئی عجیب کیفیت دکھاتی ہے۔ ہماری دائیں طرف قریب ہی طلائی دروازہ اور اسکے دونوں مینار تھے جو سنگ مرمر کے بنے ہوئے ہیں۔ یہی وہ محراب فتح تھی۔ جس سے قیاصرہ بڑے بڑے موقعوں پر شہر

میں داخل ہوکر بازار فتح کے رستہ۔ ایا صوفیا کو جایا کرتے تھے۔ دروازہ سے باہر سمندر کا ہموار ساحل ہے رومی قیصر وہاں پر جہازوں سے خشکی پر اتر کر دروازہ میں داخل ہؤا کرتے تھے۔ اب اس دروازہ میں دیوار چن دی گئی ہے۔ جس سڑک پر ہمیں گذرنا تھا۔ وہ ایسی بری تھی۔ کہ عربیوں کے سوا اور کسی قسم کی گھوڑے پر سے چلنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اس پر کسی وقت پختہ فرش موجود تھا۔ مگر اب بیشمار پتھروں کے ٹوٹ جانے یا اکھڑنے سے اسقدر گڑھے پڑ گئے ہوئی ہیں۔ کہ آخر ہمیں بہت سا حصہ پیدل چلنا پڑا۔ رستہ میں ہماری بائیں طرف کھلے میدان میں ارمنی ہسپتال۔ یونانی یتیم خانہ۔ اور کئی دیگر اسی قسم کی عمارتیں آئیں۔ مگر ہماری توجہ ہمہ تن ان برجوں اور پھاٹکوں کی طرف مبذول تھی جو ہماری دائیں طرف شہر پناہ کی لمبی دیوار میں بنے ہوئے تھے۔ اور جن میں سے ہر ایک کے متعلق کوئی تاریخی روایت یا قصہ مشہور تھا۔ یا یونانی لاطینی زبان میں کوئی کتبہ موجود تھا۔ جس دروازہ کو اب "سلی وری کاپوسی" پکارا جاتا ہے۔ یونانی شہر کو لاطینیوں کے ہاتھ سے پھر فتح کرنے پر اسی کے رستہ داخل ہوئے تھے۔ اس دروازہ سے متصل ہی باہر کی طرف درختوں کے جھنڈ میں بلوق لی کا متبرک کنواں ہے۔ ہمیں افسوس اس کو نہ دیکھنے کا بہت ہؤا۔ کنونکہ نیم برشتہ مچھلی کا قصہ اسی کے متعلق مشہور ہے۔ اس جگہ پانی کے بہت سے چشمے ہیں چنانچہ اس کو پہلے حضرت مریمؑ کے چشموں کی جگہ پکارا جاتا ہے۔ روایت یہ ہے۔ کہ قسطنطنیہ کی فتح کے وقت یہاں ایک راہب رہتا تھا۔ جب ترکوں نے شہر پر آخری حملہ کیا۔ اسوقت وہ مزے سے بیٹھا ہؤا مچھلیاں تل رہا تھا۔ جسوقت اُسے کسی نے کہا۔ کہ ترک شہر میں داخل ہوگئے ہیں تو اس نے کہا "ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ مچھلیاں کڑاہی سے اچھل کر پانی میں چلی جائیں۔ تو پھر البتہ میں یقین کر لوں"۔ اسکے کہنے کی دیر تھی کہ مچھلیاں اچھل کر پانی میں چلی گئیں۔ جنکی اولاد کا نیم برشتہ مچھلیوں کی طرح آدھا جسم سیاہ اور آدھا سفید ہوتا ہے۔ بلوق لی کی منظری دلفریبی اور خوبصورتی پر بائی زنطینی شعرا اور نویسندوں نے خوب خوب جوہر طبع دکھائے ہیں۔

فصیلوں کی تقریباً ہر ایک برج پر کوئی نہ کوئی کتبہ ضرور موجود ہے۔ جو انکی تعمیر اور مرمت ہائے مابعد کی تاریخوں کا پتہ بتا رہا ہے۔ دروازہ توپ کاپوسی کے دونوں طرف فصیل تقریباً منہدم تھی اور ایک جگہ نالہ لیکس کے قریب ابتک بہت بڑا شگاف صاف دکھائی دیتا ہے ترک اسی کے رستہ پہلے پہل داخل ہوئے تھے۔ بعد ازاں اسکی بہت کم درست کی گئی۔ اس دروازہ کو توپ دروازہ اسلئے پکارا جاتا ہے۔ کہ محاصرہ کیوقت ترکوں نے اس کے مقابل بڑی بڑی گراں وزن توپیں نصب کی تھیں۔ لاطینی بھی صلیبی لڑائیوں کیوقت اسی شگاف کے قریب سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن انہیں اسقدر تکلف پ

آخری محاصرہ میں جینوا کا بہادر گسٹی نی آنی زخمی ہوا تھا۔ اور اسکی لڑائی کے ہٹ جانے پر اسکی تمام تنخواہ دار دیا بندۂ زر سپاہی بھی چلے گئے تھے۔ قسطنطین نے عین توپ کاپوسی کے اندر ہی آخری وقت تک غنیم کی دل بادل فوج قہار سے مقابلہ کرتے ہوئے مردانہ وار اپنی جان قربان کی تھی۔ حملہ آوروں کی تعداد دو لاکھ تھی۔ جن کے مقابلہ میں اکثر مؤرخین کا خیال ہے۔ کہ شہر میں آٹھ ہزار سے زیادہ قواعد دان محافظین نہ تھے۔ تاہم یہ چھوٹی سی جماعت ۵۳ دن تک دشمن سے اپنے شہر کو بچا رہی۔ قسطنطین کی لاش کشتیوں کے پشتوں کے نیچے پائی گئی تھی۔ اسکی دلیرانہ بہادری نے محمد پر ایسا اثر کیا تھا۔ کہ اسنے لاش کو ادب و احترام سے دفن کرنے کا حکم دیا۔ اور قسطنطنیہ میں ہمیں یہ بھی سننے کا اتفاق ہوا۔ کہ آخری یونانی قیصر کی قبر پر سرکاری خرچ سے ہر وقت ایک چھوٹا سا لیمپ روشن رہتا ہے۔ کسی گائڈ بک میں اس کا ذکر نہیں مگر یہ یقینی امر ہے کہ یہ بات کو درست سمجھا جاتا ہے۔ قسطنطنیہ کا وہ سارا حصہ ایسا غلیظ اور ویران ہے کہ ہم نے خود موقعہ پر جاکر اسکی تصدیق کرنیکا کبھی خیال تک نہ کیا۔ یہ عجیب اتفاق تھا۔ ہم اس نظارہ کو جس نے مکتب کے ایام سے ہمارے دلوں پر نہایت گہرا اثر ڈال رکھا تھا۔ اس فاتح قوم کے ایک فرد کی رفاقت میں دیکھ رہے تھے جسکے باسفورس کی دوسری جانب موجود ہونیکی نسبت شروع سے ہمارے دلوں میں یہ بٹھا دیا گیا تھا۔ کہ یہ عیسائیوں کے لئے ایک سخت دھبہ ہے۔ صادق بک کے چہرہ سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ توپ کاپوسی اور اسکے ملحقات کو دیکھکر اسپر کوئی چنداں اثر نہیں ہوا۔ غالباً اُنہے اسکے متعلق تاریخی حالات پر اسوقت نظر نہیں دوڑائی ہوگی۔ مجھے اسکی لاپروائی سے ایک طرح کا سخت صدمہ پہنچا۔ کیونکہ میں خوبصورت شہر اور اس کے پر فضا مضافات کا خیال کرتے وقت دل میں یہ کہہ رہی تھی۔ کہ اگر صادق اُسوقت اپنے آبا و اجداد کے کارناموں پر کوئی فخر کریگا تو میں اُسے معذور سمجھونگی۔ اس دروازہ سے آگے دیوار سے باہر مکروہ اور قابل نفرین سڑک کے بائیں ہاتھ تمام کھلے میدان میں ایک وسیع قبرستان پھیلا ہوا ہے۔ پہاڑی کی چوٹی پر اور وادی کے دامن میں جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ قبروں کے لمبے لمبے پتلے ستون نظر آتے تھے۔ اور ان پر اتنے اتنے موٹے اور بلند سرو سایہ ڈالے ہوئے تھے۔ کہ انسے بڑے میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ توپ کاپوسی سے تھوڑی ہی فاصلہ پر دریدہ برج ہے۔ جو سب برجوں سے زیادہ خوبصورت اور حیرت افزا ہے۔ اسمیں از سر تا پا ترکی توپوں کے ایک گولہ سے جو سنگ مرمر کا تھا شگاف پڑ گیا تھا۔ اور گو اسکے دونوں حصے بالکل جدا جدا ہو گئے ہیں۔ مگر وہ اب تک قائم کھڑا ہے۔ یا جب ہمنے دیکھا اُس وقت قائم کھڑا تھا۔ کیونکہ میں نے سنا ہے۔ کہ سنہ ۱۸۹۴ء کے زلزلہ میں وہ گر پڑا تھا۔ لیکن اس خبر کی تصدیق

ابتک ہمارا بیٹا موقع پر جا کر نہیں کر سکا۔ چار نشوس ۲ تک اس دریدہ برج کا صحیح سالم کھڑا رہنا معجزہ سے کم نہیں معلوم ہوتا۔

توپ کاپوسی کے آگے اور نہ کاپوسی (دروازہ ایڈریانوپل ہے) ہم قہریہ یعنی بیل بوٹے والا مسجد کو دیکھنے کے لئے اسکے رستہ اندر داخل ہوئے۔ یہ کسی وقت عیسائیوں کا گرجا تھا جو ایک نہایت ہی قدیم گرجا کی جگہ بارہویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس زمانہ میں شہر کا یہ حصہ جو اب ویران و سنسان پڑا ہے۔ بلاشرنی محل کے قرب کے باعث جسمیں بازنطینی۔ لاطینی اور فتح پانیکے بعد پھر یونانی قیاصرہ رہتے تھے۔ نہایت آباد اور بارونق تھا محاصرہ کی آخری رات کو جبکہ چاروں طرف سے مایوسی چھا رہی تھی ۲ اسی محل سے قسطنطین جام ہلاکت پینے کیلئے فصیل کو گیا تھا۔ محل کا موقع ہمسے دور نہ تھا۔ مگر صادق کو اس کا کچھ علم نہ تھا۔ اسلئے ہم وہاں نہ گئے۔ علاوہ بریں وہاں جانیکی چنداں ضرورت بھی نہ دیکھی گئی۔ اب صرف سفید جگہ ہی جگہ باقی ہے۔ ترکوں نے اس کا تمام قیمتی سامان اور مصالح مسجدیں اور مقبرے بنانیکے اٹھا لیا ہوا ہے وہ خود اس میں کبھی رہائش پذیر نہیں ہوئے۔ اور اب وہ جگہ سالہائے دراز تک مشرقی سلطنت کا مرکز اور زنانہ عیش و عشرت اور مطلق العنانہ جرایم اور جبر و ستم کا اکھاڑہ رہ چکی تھی۔ کل استنبول میں غلط ترین اور سب سے ویران مقام ہے۔ مگر اس بیان کو چھوڑ کر میں مسجد کی طرف آتی ہوں۔

اس کی بیرونی اور اندرونی ڈیوڑھی پر ابتک بیل بوٹے موجود ہیں۔ جو کمال خوبصورت اور بالکل قایم ہیں۔ دیواروں اور چھتوں پر انجیل کے واقعات اور مریم کی سرگذشت کے مرقعے اور تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اور بغلی عمارت میں کئی تصویروں کے چند خوشنما سر باقی ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے۔ کہ کسی وقت یہ کل عمارت تصویروں سے بھری ہوئی تھی اس مسجد کو دیکھکر ہمیں تعجب ہوا۔ کہ اس میں بیل بوٹوں اور تصویروں کو کیوں سالم رہنے دیا گیا ہے۔ حالانکہ اسے قسطنطنیہ کے فتح ہونے پر فوراً ہی مسجد بنا لیا گیا تھا۔ اور باقی تمام ایسے گرجوں میں جو ایا صوفیا کی طرح مسجد بنائے گئے تھے بیل بوٹوں پر قلعی پھیر دیگئی ہے۔ اور ان میں نقش و نگار کے بہت کم آثار کھلے رہنے دیئے گئے تھے۔

مسجد کو دیکھکر ہم پھر اورنہ کاپوسی کے رستہ باہر نکلکر فصیل کے باہر باہر ایوب کی طرف چل پڑے تھیوڈوسی اکی بنا کردہ فصیل اس موقع پر جہاں سے ایوب کی طرف اترائی شروع ہوتی ہے ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے آگے جو شہر پناہ ہے۔ اسکی نسبت خیال ہے کہ اسے قیصر مینوال کومنینس نے بنایا تھا۔ اور غالباً اس نے تھیوڈوسی اس کی تعمیر کردہ دیوار کے اس حصہ کے علاوہ جو اب بالکل معدوم ہو گیا ہے محل بلاشرنی

کی مزید حفاظت کیلئے تعمیر کرائی تہی ۔ اس دیوار میں ایک قابل دید چیز اگری کاپوسی یا مخفی دروازہ ہے
روایت ہے کہ ترک اسوقت جبکہ یونانیوں کو کوئی توقع نہ تھی اس دروازہ میں سے داخل ہوکر ان پر اچانک
جا پڑے تہے ۔ دروازہ عموماً بند رکھا جاتا تہا ۔ مگر اس دن قیصر نے اسے اپنی فوج کے گذرنیکے لئے کھلوادیا
اور یہ امر ترکوں کو فی الفور معلوم ہو گیا ۔ میری رائے ہے کہ ممکن ہے چند ترک اس دروازہ میں سے بہی گذرے
ہوں ۔ مگر یہ متفق علیہ ہے کہ فوج حملہ آور کا حصہ کثیر اس شگاف کے رستہ سے اندر داخل ہوا تہا ۔ جو
انکی توپوں نے فصیلوں میں کر دیا تہا ۔ اور جو آجتک ادرنہ کاپو کے قریب دکہائی دے رہا ہے ۔ اس
زاویہ پر جہاں کوم نینس کی فصیل تھیوڈوسیس کی فصیل سے ملتی ہے ۔ نام نہاد محل بیلی ساری اس
(تکفور سرائے) کا بقایا کھڑا ہے ۔ مجہی بعد میں سخت افسوس ہوا کہ ہمنے بجز فصیل کے اندر جا کر اسکو کیوں
نہ دیکھا ۔ گرجوں کے سوا بازنطینی عمارتوں کے بہت کم نمونے اب باقی رہ گئے ہیں اور از انجملہ ان معدودے
چند کے ایک یہ محل ہے اس محل کا اگوارا ابتک کھڑا ہے جسکی تصویریں بعد میں میری نظر سے گذری ہیں
اسے دیکہکر وینس کے پرانے محل یاد آجاتے ہیں ۔ اس محل کو مشہور جرنیل بیلی ساری اس سے کوئی تعلق
نہیں ۔ شہر کے اس محلہ کا پرانا نام بلاٹا تہا ۔ اور خیال کیا گیا ہے کہ اسی کو بگاڑ کر محل کا نام بیلی ساری اس
رکھ دیا گیا ہے ۔ اسے قسطنطین کا محل بہی پکارا جاتا ہے ۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ یہ قسطنطین پورفیروجینی ٹس کے وقت کا ہے
یہاں پر سڑک بالکل ہی خراب ہے ۔ اور بڑی ڈہال کہاکر خلیج کو جاتی ہے ۔ جیسے وہ موضع ایوب کے عین نیچے
جو قسطنطنیہ کے گرد و نواح کے نہایت خوبصورت اور پُرفضا مقامات میں شمار ہوتا ہے جا ملتی ہے ۔ ہم نے
اس موضع کو ایک جمعہ کے دن دیکہا تہا ۔ جبکہ ہم صادق بک کے اہتمام سے ایک دس چپوؤں کی قایق پر
سوار ہوکر یورپ کے چشمہ ہائے شیرین کی سیر کرنے گئے تہے ۔ جس مقام پر حضرت ایوب انصاریؓ (رسول
اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی) سنہ ۶۶۸ء میں جبکہ عربوں نے پہلی مرتبہ قسطنطنیہ پر حملہ کیا تہا شہید ہوئے
تہے ۔ وہاں سفید مرمر کی خوبصورت مسجد کھڑی ہے ۔ مقام شہادت محمد فاتح کو آٹھ سو برس بعد خواب
میں معلوم ہوا ۔ اس نے وہاں یہ مسجد تعمیر کردی ۔ کسی عیسائی کو اسکے اندر داخل ہونے بلکہ اسکی بیرونی
صحن کے قریب آباد ہونیکی بہی اجازت نہیں ۔ ہر نئے سلطان کی کمر میں یہیں ابو السلاطین
عثمانی بانی خاندان کی تلوار باندہی جاتی ہے ۔ اسکے قریب ہی فیس (ترکی ٹوپی) بنانیکا بڑا کارخانہ ہے
جہاں کل فوج کیلئے ٹوپیاں تیار ہوتی ہیں ۔ اس کل نظارہ کو اس دن بالکل مشرقی رنگ میں رنگ دینے
کیلئے ہمیں ان سبز پہاڑیوں کی چوٹی پر جو ایوب سے پرے گولڈن ہارن (خلیج) سے بتدریج اٹہتی ہوئی چلی جاتی
ہیں ۔ لدے پھندے اونٹوں کی لمبی قطار آہستہ آہستہ چلی جاتی دکہائی دی ۔

مگر میں پھر دیوار کی طرف متوجہ ہوتی ہوں۔ بندرگاہ کے کنارہ کی فصیل کا بہت تھوڑا حصہ باقی بچا ہوا ہے صرف کہیں کہیں اکا دکا برج یا دروازہ کھڑا رہ گیا ہے۔ اس طرف کی سڑک بھی جو منہدمہ فصیل اور خلیج کے درمیان فنار یعنی یونانی محلہ میں سے گذرتی ہے بہت ہی ناقص اور خطرناک ہی شہر کے اس حصہ میں سب سے زیادہ قابل دید اور دلچسپ وہ چند ایک مکانات ہیں۔ جو اہالی وینس کے غلبہ کے وقت سے چلے آتے ہیں اور جن کو دیکھکر انسان کو وینس کے چھوٹے محل یاد آجاتے ہیں۔ استنبول کے اس حصہ میں یونانیوں کی طرح یہودی بھی بکثرت آباد ہیں۔ فرش کی ناقص ہونیسے گاڑی بہت آہستہ آہستہ چل سکتی تھی جب ہم اندرونی پل پر جس سے اوپر بڑے آہن پوش لنگر انداز ہیں پہنچے تو خدا کا شکر کیا۔ اور پل پر سے گذر کر اس سڑک پر چڑھ گئے جو متذکرہ بالا قبرستان کے کنارہ کنارہ انگریزی سفارت اور ٹریم لائن کو جاتی ہے۔ یہ سڑک ڈھلوان ہی۔ مگر چونکہ نسبتاً بہت اچھی تھی اسکی چڑھائی میں ہمیں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ قسطنطنیہ میں ہمنے جسقدر چیزیں دیکھی ہیں۔ ان سب سے یہ پرانی فصیلیں تاریخ عالم کی واقعی اور سچی یادگاریں ہونیکی وجہ سے زیادہ عرصہ تک ہمیں یاد رہیں گی۔ بائی زنطین کا پرانا شہر گوشہ محل سرا اور اس ہموار زمین ہی جو گوشہ مذکور کے عقب میں ہی۔ زیادہ رقبہ پر آباد نہ تھا۔ اسے تقریباً استنبول کی موجودہ حدود تک قسطنطین نے ہی بڑھایا تھا۔ اور اسی نے اسکے گرد یہ شہر پناہ اور فصیلیں بنائی تھیں۔ جنکے گرد ہمنے چکر لگایا تھا۔ اور جن کو قیاصرہ مابعد درست اور مرمت کراتے رہے تھے۔ ہون۔ ایرانی۔ اور صلیبی مجاہدین نے ان دیواروں پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا۔ اور مغلوب یونانیوں نے اسے لاطینیوں سے صرف اسلئے پھر فتح کیا۔ کہ دو سو برس بعد عثمانی ترک انکو ہمیشہ کیلئے اس سے خارج کر دیں۔ یہ تمام واقعات ان دیواروں پر جو بتدریج معدوم و منہدم ہو رہی ہیں۔ کیونکہ ترک جانتے ہیں کہ وہ موجودہ زمانہ کے جنگ و جدال میں محافظت کا کوئی کام نہیں دے سکتیں اپنے اپنے نشان پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ انکے گرداگرد پھرنیوالے کی نظروں میں اس عظیم الشان شہر کی قسمت اور ہلال کے سامنے مغلوب ہونیکا واقع فی الفور پھر جاتا ہے۔ اللہ اکبر جن دروازہ اور برجوں نے ایسے ایسے جانگداز معرکے دیکھے ہیں انکی پیشانی پر اب یہ حکم ثبت ہی کہ انمیں سے ہر ایک "باامن و امان آہستہ آہستہ معدوم ہو جائیگا" جھاڑیاں۔ بیلیں۔ پودے اور درخت زمانہ اور جنگ و قتال کے ڈالے ہوئے شگافوں کو چھپائے ہوئے ہیں اور انکو دیکھنے والا آہ سرد یہ کہتا ہوا گھر کو واپس لوٹتا ہے۔ کہ ایسا عبرت بخش اور ساتھ ہی دلاویز منظر دنیا میں اور کوئی موجود نہیں ہے۔

(۱۰) باسفرس کے کنارہ پر جلسے اور دعوتیں

باسفرس پر جلسہ کا نام ہی کانوں کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایسی دعوت کا مزہ، خوبصورتی اور کیفیت کا صحیح اندازہ کچھ وہی کر سکتے ہیں جنہوں نے باسفرس کو دیکھا ہو۔ ۹ر جون ہمارے بیٹے کی سالگرہ کا دن تھا۔ اس تقریب پر ہمنے ان میں سے بعض کو جو ہماری اقامتِ قسطنطنیہ میں ہم پر بیحد مہربان رہے تھے شہر سے باہر دعوت دینے کا ارادہ کیا۔ ہمارے رفیق شفیق صادق نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور بڑی سرگرمی سے اسکی تکمیل کے درپے ہو گیا۔ ہمنے دعوت کیلئے جزائر شاہزادگان کے جو خوبصورت جزائر قسطنطنیہ سے جھلملی سے دکھائی دیتے ہیں سب سے بڑے جزیرہ پرین کاپو کو تجویز کیا جسپر وہ فی الفور بول اٹھا کہ میں وہاں جانیکے لئے سلطان المعظم کی دخانی کشتیوں میں سے ایک کا انتظام کر لونگا۔ کھانے کا انتظام کرنے کا ذمہ انگریزی سفارت کی مہتممہ نے لیا۔ اور اپنے کام کو قابل تعریف طور پر پورا کیا۔ ہم اپنے دوستوں کو مدعو اور کل انتظام مکمل کر چکے تھے۔ کہ صادق بک نے آکر کہا کہ سلطان المعظم جن کو چھوٹے بڑے ہر معاملہ کی جو رونما ہو خبر ہوتی ہے نہیں چاہتے۔ کہ ہم دخانی کشتی پر سواری کریں کیونکہ اسی سال کے شروع میں ایک افسوسناک سانحہ گذرا تھا جسمیں دخانی کشتی مع کل طلائی ظروف کے جو اسپر تھے غرق ہو گئی تھی۔ اسکے عوض حضور ممدوح دو دس چپون کی قائقین اور باسفرس کی کوشکوں میں سے وہ محل ہمارے سپرد کرنیکو تیار ہیں جو قندیلی سے تھوڑا سا اوپر ایشیا کے آب شیریں کے دہانہ پر قلعہ رومیلی حصار کے مقابل باسفرس کے تنگ ترین موقع پر ہے۔ عام خیال ہے کہ کیخسرو شاہ ایران نے اسی موقعہ سے جو خوبصورت باسفرس کا خوبصورت ترین مقام ہے عبور کیا تھا۔ ہمیں کھلے میدان کی دعوت اور پرین کاپو کے جنگلات صنوبر میں مٹرگشت کو ترک کرنا گو ناگوار تھا۔ مگر سلطان المعظم کی انعام شاہانہ کو بکمال شکر گذاری قبول کرنیکے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ وقت مقررہ پر ہم اپنے مہمانوں کو توپخانہ عامرہ کی گھاٹ پر جہاں دو نہایت خوبصورت اور پر تکلف آراستہ قائقین ہمارے لئے تیار کھڑی تھیں جا ملے۔ ہر ایک قائق پر دس دس قائقچی تھے۔ سب کی شلواریں بڑی گھیرے دار سفید رنگ کی تھیں اور جاکٹیں بھی سفید رنگ کی بردہ کے ریشمی کپڑے کی تھیں۔ جنکے حاشیوں پر سنہری لیس ٹنکی ہوئی تھی یہ بتانے کی تو کوئی ضرورت نہیں کہ سبکے سروں پر فیس تھیں۔ ہماری پارٹی میں کئی ملکوں کے لوگ شامل تھے۔ مگر آپسمیں گفتگو انگریزی میں ہوتی تھی۔ دس چپو کشتیوں کو ہوا کی طرح اڑائے لئے جاتے تھے۔ پہلے دولمہ

باغچہ کے سفید مرمری طویل اگوارہ کے سامنے سے اور پھر چراغاں کے مربع شکل محل کے پاس سے گذرے۔ اسی محل میں عبد العزیز مرحوم نے اس دنیا سے الوداع کیا تہا۔ اب اس میں سلطان المعظم کا بڑا بہائی اور متقدم مراد (خامس) رہتا ہے جسکی نسبت بیان کیاجاتا ہے کہ وہ اس قدر شراب پیتا ہے۔ جو آخر ایک دن اسکی جان لیکر رہے گی اس محل کے گرد ہر وقت بیشمار سنتریوں کا پہرہ رہتا ہے کسی کشتی کو محل کے بہت نزدیک ہوکر گذرنیکی اجازت نہیں کسی سے ایسی غلطی ہوئی تو سنتریوں نے جہٹ اُسپر بندوقیں سر کیں پہلے صرف ڈرانے اور متنبہ کرنیکے لئے انکو ہوا میں سر کیا جاتا ہے لیکن اس صورت میں بھی گولی کے اوپر سے آکر کشتی میں گرنے کا احتمال برابر رہتا ہے چراغان کے بعد بگلر بک کا بے نظیر محل آیا۔ یہ باسفرس کی تمام محلوں میں سب سے خوبصورت ہے۔ اسے عبد العزیز مرحوم نے تعمیر کرایا تہا۔ بعد ازاں دریا کی شیطانی دہارے سے جو ایشیائی ساحل کی ایک راس کے گرد اگرد بڑے زور سے بہتی ہے۔ اور اسی لئے یہ اس کا نام رکھا گیا ہے (مردانہ مقابلہ کے بعد گذر کر قندیلی میں اور دوستوں کو ہمراہ لینے کے لئے تھوڑی دیر ٹھیرے۔ اور ایک گھنٹہ سے کچھ زیادہ عرصہ میں خوبصورت سلطانی کوشک میں جو خالص سفید سنگ مرمر کی ہے پہنچ گئے۔ اس کوشک کو سلطان عبد المجید کی والدہ ماجدہ نے جو سنہ ۱۸۳۹ء سے سنہ ۱۸۶۱ء تک حکمران رہا تعمیر کرایا تھا۔ نوکروں کو جو ایک اور بڑے قائق میں کھانیکا سامان لائے تہے دوپہر کا کھانا تیار کرنے پر لگا کر ہم کوشک کے کمروں کی سیر کرنے لگ گئے۔ ہر منزل میں چار کمرے ہیں ان کے علاوہ وسط عمارت میں خوبصورت عالی شان ایوان ہے۔ اور نچلی منزل میں خدام کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ تمام کمرے کمال شان و شوکت کے ساتھ آراستہ ہیں۔ میزیں اور کرسیاں بہت خوبصورت ہیں۔ اور ان پر منبت کاری کی ہوئی ہے۔ الماریاں بھی جنت ہیں۔ اور دریچوں پر سنہری بیش بہا پردے پڑے ہوئے ہیں۔ قالین کہیں نہیں۔ مگر فرشوں پر رنگ برنگ پتھروں کی پچی کاری۔ اور اوپر سے انکو خوب پالش کیا ہوا ہے۔ محل کی تمام دیواریں ہی سنگ مرمر کی نہیں۔ بلکہ باغ کی دیواریں بہی اسی پتھر کی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے وسط میں بڑا اچھا ٹکسہ ہے۔ یہ دروازے بہی مرمر کے ہیں۔ اور ان پر کندہ کاری کی ہوئی ہے۔ باغ خوب آراستہ پیراستہ ہے۔ نپولین سوم (شہنشاہ فرانس) کی ملکہ یوجین کو اسی محل میں اتارا گیا تہا۔ اور اسکی خاطر اسکی خاص اہتمام سے آرائش کی گئی تہی۔ یہاں اگر ہم سب کی یہی رائے ہوئی۔ کہ ٹرکی میں پکنک (کھلے میدان کی دعوت) کرنے کے لئے بہترین جگہ

کشادہ مرغزاروں کی نسبت یہ مقام زیادہ موزوں ہے۔ کھانا سب سے بڑے کمرے کی بیش قیمت منبت میز پر جو سارے کمرہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ چنا گیا۔ اسی طرح کی کئی شاہی کوٹھکیس باسفرس کے کناروں پر سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہیں۔ سلطان المعظم ان میں وقتاً فوقتاً اپنے بادشاہ اور دیگر معزز مہمانوں کو اتارا کرتے ہیں۔ اسی لئے جیساکہ ہمنے اس کوشک کو پایا ہر وقت صاف ستھری اور تیار رکھی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑا اور سب سے خوبصورت محل بگلر بیگ ہے، جسمیں اکثر ممالک غیر کے فرمانروا فروکش رہ چکے ہیں۔ کھانے سے فارغ ہونیکے بعد ہمارے نوعمر مہمانوں نے محل سے باہر گانے کی آواز سنکر گانے والے کو اندر بلانے کا تقاضا کیا۔ وہ ایک اطالین تہا۔ اور ایک ارگن (ارغنوان) بھی اسکے ساتہہ تھا۔ اسکے آنے پر خوب پالش کئے ہوئے اور چمکیلے فرش پر ناچ شروع ہوگیا۔ صادق بک جس نے برلن میں تربیت پائی تہی۔ ناچ کا بہت مشتاق اور اس میں خوب ماہر ثابت ہوا۔ دریں ولا ہم سب سے چند خوبصورت مرمرین فوارہ کو چلے گئے۔ اسپر بیل بوٹے کا نہایت نفیس کام ہے۔ اور کئی کتبے کندہ ہیں۔ وہ محل کی چار دیواری سے باہر ایک لمبے ہموار گھاس کے تختہ کے کنارہ پر جسکے گرداگرد شمشاد اور صنوبر کھڑے ہیں واقع ہے۔ یہ تختہ گیارہ گوق صو (آب نیلگوں) کے کنارہ تک چلا گیا ہے۔ گوق صو کا مشہور نام "ایشیا کا آب شیریں" ہے۔ افسوس اس دن جمعہ نہ تہا۔ گرمی کی موسم میں جمعہ کے دن اس سرسبز وادی پر ترکی مخدرات کے جہرمٹ کے جہرمٹ لگے ہوتے ہیں۔ جو اپنی قائقوں پر بیٹھی ہوئی قہوہ اور سگرٹ پیتی رہتی ہیں۔ ناچ کے بعد ہم قائقوں پر بیٹھکر دریائے آب شیریں کو راستہ عربوں کا عجیب و غریب راگ سننے کے لئے جو سہ پہر کیوقت وہاں کے پبلک (ایسی جگہ جو عوام کی تفریح کے لئے ہو) باغ میں گایا جاتا ہے۔ "متبرک چاہ" یعنی "ایازمہ" کو گئے۔ وادی گوق صو ایسی خوبصورت نہ پائی گئی جیسی کہ ہم کو توقع تہی۔ انگلستان کے اکثر چھوٹے چھوٹے دریاؤں کی سینری اور فضاء سے اسکی سینری کچھ زیادہ دلفریب نہ تہی۔ گو چند ترکی شعرا نے اسکی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہوئے ہیں۔

چاہ متبرک کے قریب پہنچکر ہم ایک مکان کے پاس خشکی پر اتر آئے۔ وہ ایک قسم کا قہوہ خانہ سا ہے اور اسکی کرسی دریا کے کنارے سے تقریباً عمودی اٹھی ہوئی ہے۔ فوراً کرسیاں لائی گئیں۔ اور ہم گویوں کے سامنے ایک لمبی قطار میں بیٹھ گئے۔ ان کا گانا بجانا کچھ خوشگوار نہ تہا۔ اور وحشیانہ قسم کا تہا۔ وہ ساز بھی رکھتے تہے۔ اور زبانی بھی گاتے تہے۔ اور بیچ بیچ میں کبھی کبھی عربی شعر

پڑھتے جاتے تھے - انکی آوازیں کرخت تھیں - اور ان ترکی گویتوں کی آوازوں سے جسکا گانا میرے خاوند نے یلدز کوشک میں سنا تھا کچھ بھی نسبت نہیں رکھتی تھیں - ہمارے عقب میں ایک سخت ڈھالدار ٹیلے کی چوٹی پر ایک بلند جالی دار مکان تھا جب مجھے بتایا گیا - کہ ترکی خاتونیں اسکے پیچھے بیٹھ کر راگ سنتی ہیں - قہوہ نوشی کرنیکے بعد میں نے ان خاتونوں سے ملاقات کرنیکی خواہش ظاہر کی جسپر ہماری جماعت کی لیڈیوں میں سے ایک جو ترکی بول سکتی تھی - میرے ساتھ چلنے پر تیار ہو گئی - ٹیلہ پر چڑھکر ہمیں ایک اونچا جالی دار پھاٹک ملا جسے کھولکر ہم ایک لمبی گیلری (برآمدہ) میں جسکے گرداگرد سب طرف جالی لگی ہوئی تھی - داخل ہو گئیں انکے پیچھے بیٹھنے والیوں پر گو باہر سے نظر نہیں پڑتی - مگر جو کچھ نیچے ہو رہا ہوا ہے وہ بخوبی سن اور دیکھ سکتی ہیں - ہماری جماعت کو محل ہمایوں کے ایک ایڈیکانگ کے ہمراہ آتا دیکھکر ان بیگمات کو ہمارا حال معلوم کرنیکا بڑا اشتیاق ہو گیا ہوا تھا - چنانچہ جب ہم پہنچیں - تو ہم سے جماعت کے مختلف افراد (زرق برق کی پوشاک پہنی ہوئیں نوجوان لڑکیوں - نوجوان مردوں اور پیرانہ سالوں) کے متعلق کئی سوال کئے گئے - ایک نہایت ہی خوبصورت خاتون نے جس سے ہمنے بات چیت کی - ہمارے کھلے (یعنی بے نقاب) چہروں پر بڑا رشک ظاہر کیا - اسنے کہا کہ میرا یشمک گو بہت باریک ہے (وہ فی الواقع نہایت ہی نفیس اور باریک ململ کا تھا) تاہم منہ اور ناک کو اس سے ڈھانپنے سے سخت گرمی ہوتی ہے - اس دن سخت گرمی تھی - اور خاتون موصوف نے اسوقت کیونکہ وہ جالی کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی اپنے یشمک کو کھسکا کر نیچے کر دیا ہوا تھا - ان خاتونوں میں سے کسی نے بھی ہماری آزادی پر اچنبھا ظاہر نہ کیا - نہ یہ آزادی انکو بری معلوم ہوئی - بلکہ ایک طرح سے انکو اسپر رشک آتا تھا - اور انکے چہروں سے واضح ہو رہا تھا - کہ ہماری اس ملاقات سے انکو بہت ہی خوشی ہوئی تھی -

جب شام کا وقت قریب ہو گیا - تو صادق بک نے چلنے پر اصرار شروع کیا انہی کہا کہ تھوڑی دیر میں دوسرے لوگ بھی اپنی چھوٹی چھوٹی قائقوں پر جو کناروں کے ساتھ بندھی ہیں سوار ہو جائینگے - اور اسوقت انکی اس قدر بھیڑ ہو جائیگی - کہ نالہ میں جس کا پاٹ بہت چھوٹا ہے ہماری کشتیوں کا جو بڑی اور لمبی ہیں - گذر نا محال ہو جائیگا - ہمارا دل تو ابھی چلنے کو نہیں چاہتا تھا - مگر وجہ معقول تھی - گوتق صو سے نکل آنے پر باسفرس میں ہمارا سفر بہت جلد طے ہو گیا - کیونکہ واپسی کیوقت اس کا دھارا بھی اسی رخ تھا - رستہ میں " بلبلکو وان " پرندوں کے بیشمار جھنڈ ہمارے

پاس سے گذرے۔ یہ چھوٹے سیاہ رنگ کے جانور ہیں۔ جو (ابابیلوں کی طرح) ہر وقت اڑتے رہتے ہیں اور پانی کی سطح کے متصل باسفرس میں اوپر نیچے چکر لگاتے رہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ انکو کسی شخص نے ایک لحظہ کے لئے بھی خشکی یا پانی پر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔ چنانچہ اسی مسلسل حرکت کی وجہ سے انکا نام "راہ گم کردہ ارواح" پڑ گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ رات کے وقت وہ غالباً ان سیاہ چٹانوں پر بسیرا کر لیتے ہیں جو بحیرۂ اسود کے دہانہ پر ہیں ہم بہت ہی جلد توپخانہ کی گھاٹ پر پہنچ گئے جہاں سے ہم اپنے مہمانوں سے جدا ہو گئے۔ اور اس دن کی خوشگوار سیر و تفریح اختتام کو پہنچ گئی۔

ہماری وہ سری پکنک کا مقام پہلی کے مقام سے بالکل مختلف تھا۔ جب سفراء[1] تھراپیا کو گئے تھے۔ تو ہم بھی اسی محلہ میں جا کر وہاں کے ایک ہوٹل میں فروکش ہو گئے تھے جولائی کے شروع میں قائمقام انگریزی سفیر نے (اصل سفیر رخصت پر گئے ہوئے تھے) تجویز کی کہ بندوں پر پکنک کا جلسہ کیا جائے۔ یہ بند جو بلغراد کے سبزہ زار میں باغچہ کوئی کے قریب ہیں عظیم الوسعت تالاب ہیں۔ جن میں اہالی قسطنطنیہ کے استعمال کے لئے موسم سرما کی بارشوں کا پانی جمع کیا جاتا ہے جن بندوں پر ہمنے پکنک کی تجویز کی تھی۔ وہ سلطان محمود بند اور والدہ بند کے نام سے مشہور ہیں۔ اور وہ گھاٹیوں کے موہانہ میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں کی مضبوط دیواریں تعمیر کر کے بنائے گئے ہیں انکے چاروں طرف بلوط۔ صنوبر۔ شمشاد۔ بید۔ مجنوں اور سرو وغیرہ مختلف قسم کے درخت موجود ہیں اور انہی درختوں کے جنگلوں کی[2] باحتیاط نگرانی اور خبر گیری پر پانی کا ذخیرہ منحصر ہے۔ اس جلسہ کے شرکاء انگریزی اور جرمن سفارتوں کے عہدہ دار اور ہم میاں بیوی تھے۔ اکثر مرد زین سوار تھے۔ باقی دیسی گاڑیوں پر جو ارابہ کہلاتی ہیں سوار ہوئے۔ ہر ایک ارابہ کے اندر چار آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ سایہ کے لئے اوپر ایک طرح کا سائبان سا ہوتا ہے اور چونکہ ان گاڑیوں میں کمانی نام کو نہیں ہوتی۔ خراب سڑک پر سواریوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ مگر یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو سڑک بندوں کو جاتی ہے۔ وہ بہت

[1] جیسا کہ لیڈی صاحبہ پہلے بتا آئی ہیں۔ سفراء ممالک غیر گرمیوں میں محلہ تراپیا میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں باسفرس کے کناروں پر بھی اُن کے لئے محل بنے ہوئے ہیں۔ مترجم

[2] لیڈی صاحبہ غالباً اس طبعی مسئلہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ جنگلات اور سبزی کی موجودگی کثرت بارش کا باعث ہوتی ہے۔ مترجم

اچھی ہے۔ یہ سڑک باسفورس کے کنارہ کنارہ جاکر قیچ بورنو کے پاس کی جہاں صنوبر کے چند شاندار درختوں کے جھنڈ میں ایک متبرک کنواں یعنی ایازمہ ہے گذرتی ہے۔ اور پھر بیوک درہ سے کچھ ورے یکبارگی بائیں ہاتھ کو خشکی کی طرف مڑ کر وادی کلاں لے کے کنارہ کنارہ جو اونے اعلیٰ کی جماعتوں کی ترکی مستورات کی عام تفرج گاہ ہے چلی جاتی ہے۔ بشرطیکہ موسم صاف اور مطلع ابر آلود یا مکدر نہ ہو۔ سہپہر کے وقت یہ وادی اول سے آخر تک چمکدار قالینوں کی بھری ہوئی ہے۔ جو شمشاد کے بڑے بڑے درختوں کے نیچے بچھے ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک پر پانچ پانچ چھ چھ یا اس سے کم و بیش عورتوں کی ٹولیاں بیٹھی ہوتی ہیں۔ ایکدفعہ ہم کو تخمیناً بیس ایک ارابوں اور گاڑیوں کی لمبی قطار رستہ میں ملی۔ ان گاڑیوں میں سفید بیل جتے ہوئے تھے۔ اور ان کے اندر برقع پوش مستورات بیٹھی ہوئی تھیں۔ جو سارا دن اس وادی میں بسر کرنیکے بعد اپنے قالینوں کو لپیٹ انکو اپنے ساتھ گاڑیوں میں لیکر گھروں کو واپس جا رہی تھیں۔ انکے گذر جانے پر ہمیں بتایا گیا کہ یہ براتنیں تھیں۔ وہ تھراپیا سے ینی کوئی کو جو باسفورس کے کنارے پر تھراپیا کے بعد دوسرا موضع ہے چلی جا رہی تھیں۔ ابھی یہ گاڑیاں تھراپیا ہی میں تھیں۔ کہ بیوقت ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اور گاڑیبان اپنے سست رفتار بیلوں کو جلد جلد چلانے کے لئے عجب شور و غل اور جد و جہد کر رہے تھے۔ کیونکہ ترکی عورتوں کے لئے لازمی ہے کہ وہ سورج غروب ہونیکے وقت گھر پہنچ جائیں۔ یہ لمبی قطار اس موڑ سے جو ینی کوئی کو تھراپیا سے اوجھل کئے ہوئے ہے ابھی ساری نہیں گذری تھی کہ تقریباً پوری تاریکی پڑ گئی۔ گاڑیوں پر لال ٹینیں روشن کر دی گئیں۔ اور سواریوں نے چھوٹے پٹاخے اور گولے چلانے شروع کر دیئے جن سے یہ کل قافلہ بتدریج بڑھتی ہوئی تاریکی میں بڑے بڑے کرمک ہائے شب تاب کے جلوس کے مشابہ ہو گیا۔ مگر بیل اپنی وہی ٹکے چال چلتے رہے۔ ان کو اپنے ہانکنے والوں کی چابکوں اور ہاے پکار کی کوئی پروا نہ تھی۔

وادی کلاں میں موڑ سے کچھ اوپر شمشاد کے دو بڑے بڑے درخت کھڑے ہیں جنکے تنے بالکل کھوکھلے ہیں۔ ان میں سے ایک کا تنا اتنا بڑا ہے کہ اس میں ایک خاصہ اچھا کمرہ بنا ہوا ہے جو قہوہ خانہ کا کام دیتا ہے۔ ترکی بیگمات وادی میں اپنے قالینوں پر بیٹھی ہوئی یہیں سے سارا دن قہوہ منگا کر پیتی رہتی ہیں۔ عام خیال ہے کہ یہ درخت گاڈ فری ڈی بولان کے وقت کے ہیں

لے لیڈی صاحبہ غالباً اس طبعی مسئلہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ جنگلات اور سبزی کی موجودگی کثرت بارش کا باعث ہوتی ہے۔ مترجم

تخمیناً تین میل تک سڑک کے کنارہ کنارہ وادی کلان میں محمود اول کی مسقف نہر گذرتی ہے۔ یہ نہران بندوں سے جہاں ہم جارہے تھے۔ پیرا اور غلطہ کو پانی پہنچاتی ہے۔ اور ویسی ہی مضبوط اور خوشنما ہے جیسی کہ بائی زنطینی قیاصرہ کی تعمیر کردہ مسقف نہریں۔ سڑک نہر کی ایک محراب کے نیچے سے گذر کر اس سے علیحدہ ہوجاتی ہے۔ اور وادی کلان کے آخری سرے کے قریب پہنچکر دائیں طرف کو ہوجاتی ہے۔ اور تھوڑی دیر آگے جاکر ایک اور سڑک جو اس سے فراخ اور بہتر ہے بائیں طرف کو ہوکر پہاڑی کے نیچے موضع بلغراد کو جاتی ہے۔ لیڈی میری ورٹلے مان ٹیگو[۱] اس گاؤں کے جس مکان میں رہتی تھی۔ وہ ابھی تک موجود ہے۔ بلغراد کے قریب جو بند کلان ہے وہ دراصل ایک چھوٹی سی قدرتی جھیل ہے۔ جو چاروں طرف سے گھنے جنگلوں سے

---

[۱] یہ لیڈی انگلستان کے امیر کبیر ایولن پری پائنٹ ارل آف کنگسٹن کی جو بعد میں ڈیوک ہوگیا تھا سب سے بڑی لڑکی تھی۔ اسے اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی گئی تھی۔ اور لاطینی زبان میں اسنے خود اپنی محنت سے خاص مہارت پیدا کرلی تھی ۱۷۱۲ء میں ۲۲ برس کی عمر میں ایڈورڈ ورٹلی مان ٹیگو چارلس مان ٹیگو ارل آف ہالی فکس کے چچا زاد بھائی کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ اور بعد میں اس سے شادی کرلی۔ اس شخص نے پارلیمنٹ میں بڑی ناموری پیدا کی۔ وہ انگلستان کے مشہور نولیسندہ ایڈیسن کا دوست تھا۔ ۱۷۱۶ء میں وہ دربار قسطنطنیہ میں انگریزی سفیر مقرر کیا گیا۔ جہاں اسکی بیوی بھی ساتھ گئی۔ قسطنطنیہ کی اقامت کے دوران میں اس خاتون نے شہر مذکور کی قدرتی دلفریبی اور فضا پر اپنے دوستوں کو کئی دلچسپ خط لکھے۔ اسی جگہ اسے معلوم ہوا۔ کہ ترکی کے لوگ چیچک کی انسداد کیلئے ایک طرح کا ٹیکا لگاتے ہیں۔ اسنے یہی عمل اپنے لڑکے پر کیا۔ اور اسطرح اس طریقہ کو مشرقی یورپ میں رائج کرنیکا باعث ہوئی ۱۷۱۸ء کے اخیر میں انگلستان واپس آکر قصبہ ٹوئکنہم میں سکونت پذیر ہوئی۔ وہاں اسکی مشہور شاعر پوپ کے ساتھ گہری آشنائی ہوگئی۔ مگر بعد میں بگاڑ ہوگیا۔ اور شاعر مذکور نے اپنی معشوقہ کی چال چلن اور لیاقت پر کئی ہجو آمیز غزلیں لکھیں جنکی بدولت اسپر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کیا گیا۔ لیکن اسوقت اسکی کمال نامردی سے ان غزلوں کا مصنف ہونے سے انکار کردیا۔ ۱۷۳۹ء میں کسی ایسی وجہ کی جو درست معلوم نہیں ہوسکی۔ لیڈی موصوفہ اپنے خاوند سے جدا ہوکر اٹلی کو چلی گئی۔ اور ۱۷۶۱ء تک وہاں کے قصبہ وینس میں رہائش رکھکر انگلستان واپس آئی۔ جہاں ۱۷۶۲ء میں فوت ہوگئی۔ وہ ۱۶۸۹ء میں پیدا ہوئی تھی۔ اور اسکا لڑکا ایڈورڈ مان ٹیگو بھی عجب نالائق تھا۔ بچپن میں دو دفعہ گھر سے بھاگ کر پہلی دفعہ لندن میں ایک بھنگی کا شاگرد ہوگیا۔ اور دوسری مرتبہ پرتگال میں جاکر خچر بانی کرتا رہا۔ اور آخر جوان ہوکر ترکی چلا گیا۔ اور وہاں ترکوں کے اوضاع و اطوار اختیار کرلئے۔ یہ ۱۷۱۳ء میں انگلستان میں پیدا اور ۱۷۷۶ء میں فوت ہوگیا۔ مترجم

گھری ہوئی ہے۔ ہم نے اس بند کو بھی بعد میں جا کر دیکھا تھا۔ مگر وہ محمود اور والدہ بندوں ایسا خوبصورت نہیں۔ نہ انکی طرح بالکل مصنوعی ہے۔ گو اس میں بھی پانی کے روکنے اور نکالنے کے لئے ایک خوشنما دیوار اور پھاٹک بنا ہوا ہے۔ ہم محمود بند کے پاس سے جو سخت گنجان جنگلوں میں چھپا ہوا ہے گذر کر والدہ بند سے تھوڑے فاصلہ پر گاڑیوں سے اتر پڑے۔ اور چاء بیٹھکر پینے کے لئے مناسب موقع تلاش کرنے لگ گئے۔ بند کے قریب قریب تمام عمدہ موقعوں پر ترکی خاتونوں کے جھرمٹ بیٹھے ہوئے تھے۔ جن کو مردوں کی موجودگی سے پریشان خاطر نہ کرنے کے لئے ہم اپنا لنگر کھنگر لئے ہوئے جنگلوں میں چڑھ گئے۔ اور تھوڑی دیر میں ہمیں ایک کف دست گیاہ دار میدان مل گیا۔ جہاں ہمنے اپنا اسباب کھولدیا۔ لیکن ہمارے جرمن رفیق ابھی تک نہ پہنچے تھے۔ اور شیرینی وغیرہ کا سامان انکے ذمہ تھا۔ پارٹی کے انگریزی ارکان نے تمام مشروبات۔ مکھن۔ روٹی اور میوہ جات کا ذمہ لیا ہوا تھا۔ ہم میں سے چند گھوڑوں پر انکی تلاش میں گئے۔ اور ان کو بند کلان کے کنارہ پر جا پایا۔ ہر فریق کو اسی بند کی خبر تھی جس جس کو وہ گئے تھے۔ یعنی ہمیں صرف والدہ بند کی اور جرمنوں کو صرف بند کلان کا علم تھا۔ چاء پینے کے بعد ہمنے والدہ بند کی خوب سیر کی۔ اکثر ترکی خاتونیں اس وقت تک رخصت ہو گئی تھیں جس سے ہم سب باسانی اِدہر اُدہر گشت کر سکتے تھے۔ جس جنگل میں بیٹھکر ہمنے کھانا وغیرہ تناول کیا تھا۔ اسکی سطح بند کے پانی کی سطح اور اس مضبوط سنگ مرمر کی دیوار کی چوٹی کے برابر تھی۔ جو گھاٹی کے ایک سرے پر بنی ہوئی ہے۔ اور پانی کو روکے رہتی ہے۔ ہم دیوار بند کی چوٹی چوٹی چلتے پھرتے رہے۔ دیوار کیا ہے خاصہ پل معلوم ہوتا ہے۔ دونوں طرف سنگ مرمر کی فصیل بنی ہوئی ہے اور اکثر جگہ کتبے لگے ہوئے ہیں جن پر دیوار کی ابتدائی تعمیر اور مابعد کی مرمتوں کی کیفیت کندہ ہے۔ دیوار کی چوٹی اس قدر چوڑی ہے کہ تین گاڑیاں آسانی کے ساتھ دوش بدوش چل سکتی ہیں۔ ہم اس راستہ پر جو بند کے کنارہ کے جنگل میں ہے کچھ دور آگے بڑہتے گئے۔ اور واپسی کے وقت وادی میں نیچے جا کر دیوار کے دامن تک پہنچ گئے۔ وہ کم از کم ساٹھ فٹ بلند اور سفید مرمر کے بڑے بڑے چٹانوں کی بنی ہوئی ہے موسم بہار میں بارشوں اور برفوں کے پگھلنے کے بعد بند بالکل بھر جاتا ہے۔ اور پانی تقریباً دیوار کی چوٹی تک بلند ہو جاتا ہے۔ ہم نے اسے شروع جولائی میں دیکھا۔ اسوقت پانی چوٹی سے کئی فٹ نیچے تھا۔ یہ بند نہایت ہی خوبصورت اور دلکش ہیں۔ انہیں دیکھکر انسان حیران رہ جاتا ہے کہ کیا مصنوعی چیزیں بھی ایسی خوبصورت ہو سکتی ہیں۔ انکی دلفریبی کا بڑا باعث وہ جنگلات ہیں جو انکے چاروں طرف موجود ہیں اور مختلف قسم کے بے تعداد درخت ان میں کھڑے ہیں۔ میں ان جنگلوں کی نسبت اوپر کہہ آئی ہوں

کہ لازمی طور پر انکی کمال نگہداشت اور متواتر حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ ہمیں شام تک وہاں نہ ٹھیر سکنے کا سبب رنج تھا۔ مگر مجبوری تھی۔ ٹرکی میں شفق بہت قلیل العرصہ ہوتی ہے۔ اور گھروں تک فاصلہ بہت بڑا تھا۔ واپسی کے وقت جرمن سفارت کے ایک سکرٹری کا گھوڑا تھراپیا کے ناگفتہ بہ فرش سے پھسل پڑا۔ اسلئے سوار کو خاصی چوٹ آئی جسے اسے کئی دن صاحب فراش ہونا پڑا۔ اور یہ سیر جس سے ہر طرح طبیعت بہت محظوظ ہوئی تھی۔ اسلئے عرصہ دراز تک بُری طرح یاد آتی رہی۔

(۱۱) دربار قربان بیرام

ایک دن صادق بک نے ہمیں کہا۔ "یہ تو ظاہر ہے۔ کہ تم قربان بیرام (عید الضحیٰ) کا دربار ضرور دیکھو گے۔ تمہارا سفیر تمہیں اس میں نہیں لے جا سکتا۔ مگر بحیثیت مہمانان سلطانی ہیجات کا آسانی کے ساتھ انتظام ہو سکتا ہے۔" پیرا سے تھراپیا کو آنے سے پہلے ہی کئی دنوں سے ہم لوگوں کو بازاروں میں ادہر ادہر دُنبے اور مینڈھے لے جاتے دیکھتے رہے تھے۔ ان میں سے بعض خوب موٹے تازہ ہوتے تھے۔ یہ قربان بیرام کی قربانیوں کے لئے بیچے جا رہے تھے۔ اس دن تمام اسلامی دنیا میں خوشی منائی جاتی ہے۔ اور یہ تیوہار بارہویں قمری مہینے کے دسویں دن کو ہوتا ہے۔ جب ہم قسطنطنیہ میں تھے اس سال ۱۹ جون کو یہ عید ہوئی تھی۔ ہر ایک کنبہ کے مالک کو خاندان کے آدمیوں کی لحاظ سے ایک یا زیادہ مینڈھے قربانی کرنے پڑتے ہیں۔ مالک کے لئے یہ بھی لازمی ہے۔ کہ نماز عید کے بعد ان کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ بعد ازاں کچھ حصّہ غربا میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ اور باقی گھر میں کھایا جاتا ہے۔ یہ تیوہار اسحاق[1] کی قربانی کی یادگار میں ہے۔ چونکہ یہ دربار صبح کے وقت بہت سویرے منعقد ہوتا ہے۔ ہم نے سونے کا انتظام پیرا میں کیا (تاکہ دوڑ سی نہ آنا پڑے) ساڑھے آٹھ بجے بعد دوپہر یعنی غروب آفتاب کے وقت ایک بڑی توپ اس امر کی علامت میں چلائی گئی کہ تیوہار شروع ہو گیا ہے اسی وقت سے گھنٹوں اور توپوں کا شور و غل۔ اور راگ رنگ شروع ہو گیا۔ جو ساری رات ختم نہ ہوا۔ ہم سویرے ہی لیٹ گئے۔ مگر شور و غل سے سو نہ سکے۔ ساری رات توپیں اور آتش بازیاں چلتی اور گھنٹیاں بجتی رہیں۔ اور کتے اس غیر معمولی بے آرامی سے بلا وقفہ تمام رات چلاتے رہے۔ دو بجے بعد نیم شب کیوقت مختلف رجمنٹیں جس سڑک پر سے گذرنا تھا۔ سلطان المعظم

[1] چونکہ عیسائی کتابوں میں حضرت اسمٰعیل کی بجائے حضرت اسحاق کا نام ہے۔ لیڈی صاحبہ نے بھی حضرت اسحاق کا نام لکھ دیا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں میں بچہ بچہ بھی جانتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی لینے لگے تھے۔ مترجم۔

نے یلدیز سے باہر برآمد ہو کر دولمہ باغچہ میں رونق افروز ہونا تھا۔ مصلحتہ کھڑا ہونیکے لئے ہوٹل کے پاس سے گذرنی شروع ہوگئیں ہر ایک رجمنٹ کے آگے آگے اسکا بینڈ بجتا جاتا تھا اور چونکہ بازاروں میں رات کو روشنی نہیں ہوتی سینکڑوں آدمی لال ٹینیں لئے ہمراہ ہوتے ہیں۔ جب یہ لال ٹینیں بردار پہاڑی پر چڑھکر میرے کمرے کے دریچوں کے پاس سے گذرتے تھے۔ تو انکی لال ٹینیں جگنوؤں کی طرح چمکتی دکھائی دیتی تھیں۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم ساڑھے پانچ بجے گاڑی پر سوار ہوگئے۔ اور گرینڈ رو (جادہ کبیر۔ کلان سڑک) کے راستہ جرمن سفارت کے پاس سے گذر کر پہاڑی سے نیچے اترتے ہوئے چھ سے چند منٹ بعد عین محل کے پائیں میں پہنچ گئے۔ اس دن موسم نہایت صاف تھا۔ اور باوجود اس قدر سویرا ہونیکے گرمی ابھی سے محسوس ہونے لگ گئی تھی۔ ہمارا صادق دوست صادق بیک اپنی سب سے بیش قیمت وردی پہنے اور تمغے لگائے ہوئے ہمارے انتظار میں کھڑا تھا۔ وہ ہمیں فی الفور سفراء کے آرام کرنے کے کمرہ میں جو بسرعت تمام پر ہوتا جارہا تھا لے گیا۔ اس میں ہم صرف ایسے شخص تھے۔ جن کا کسی سفارت سے تعلق نہ تھا۔ چنانچہ ہمنے بعد میں سنا کہ ہماری اس خوش نصیبی پر دیگر انگریز سیاحین کو جو اسوقت پیرا میں فروکش تھے سخت رشک ہوا تھا۔ سات بجے سے بعد دوم میر تشریفات (ماسٹر آف سیرمونیز) ہم سب کو بلانے کے لئے آیا۔ جسپر ہم لوگ جھٹ پٹ کمرہ سے نکلکر باغ میں سے روا روی گذرتے ہوئے بیشمار سیڑھیاں چڑھنے کے بعد ایک لمبی گیلری میں جو دنیا کے عظیم ترین[1] درباری ایوان کی ایک طرف بنی ہوئی ہے پہنچ گئے باغ سے گذرتے وقت ہمیں معلوم ہوا۔ کہ سلطان المعظم محل میں رونق افروز ہوگئے ہیں اور کہ ہم دربار بیرام کے سب سے شاندار نظارہ کو دیکھنے سے محروم رہے ہیں۔ جلالت مآب نقرہ گھوڑے پر جسکا کل سامان مرصع ہوتا ہے۔ سوار ہو کر محل میں داخل ہوتے ہیں اور کل درباری جن کے گھوڑے اور ان گھوڑوں کا ساز و سامان بھی قابل دید ہوتا ہے۔ حضور ممدوح کی جلو میں ہوتے ہیں۔ ہم سب لوگوں کو جو سفراء کے کمرہ میں تھے۔ سلطان کے ورود کا نظارہ اس لئے نہیں کرنے دیا گیا تھا۔ کہ سلطان المعظم گھوڑے سے اترتے ہی قربانی کا دنبہ ذبح کرتے ہیں اور یہ رسم ہے کہ کوئی کافر قربانی کو نہ دیکھنے پائے۔ اس دنبہ کو جو انگورہ کی نسل کا قد آور جانور تھا۔ اور اسکی اون برف ایسی شفاف تھی۔ گذرتے وقت ہمنے ان سیڑھیوں کے دامن میں

[1] دولمہ باغچہ کے اس ایوان کے برابر دنیا میں کوئی ایوان نہیں ہے۔ مترجم

بیجان پڑا ہوا پایا۔ جن کے رستہ سلطان المعظم اپنے کمروں میں تشریف لیگئے تھے۔

گیلری میں پہنچنے پر ہمیں معلوم ہوا۔ کہ وہ ایوان کے فرش سے اس قدر بلند اور خود ایوان اس قدر وسیع ہے۔ کہ جو لوگ نیچے کھڑے ہیں۔ انکے خط و خال کی بمشکل تمیز ہو سکتی ہے۔ چند خادموں کے سوا جو ادہر اُدہر دوڑ رہے تھے۔ ایوان میں اسوقت اور کوئی شخص نہ تہا۔ اور تخت شاہی کے سوا جو بڑی آرام کرسی کی شکل تہا۔ اور اسکے آگے پاؤں رکھنے کا مونڈھا رکھا ہوا تھا۔ اور دونوں طلائی مخمل سے منڈھے ہوئے تھے۔ کل ایوان خالی تہا۔ تخت کمرہ کے بالائی سرے میں تھا۔ اور اس کا رخ کمرہ میں داخل ہونے کے بڑے پھاٹکوں کی طرف تھا۔ ان دروازوں پر چھوٹی سی گیلری ہے۔ اسمیں بلینڈ کا طائفہ بیٹھا ہُوا تہا جو دربار کے شروع ہونے تک دلفریب نغمہ سرائی کرتا رہا۔ جس گیلری میں ہم ہے۔ وہ ایوان کے نصف طول سے زیادہ لمبی تہیں۔ پھر بھی وہ اس قدر بڑی ہے کہ اچھے خاصے کمرے کا کام دیسکتی ہے۔ خاتونیں سب سے آگے کٹھرہ کے ساتھ ساتھ بیٹھیں۔ جنٹلیمن (مرد) انکے پیچھے کھڑے ہوئے۔ عقب میں بلندور بچوں کے نیچے ایک لمبی میز بچھی ہوئی تہی جسپر طلائی ظروف میں جملہ اقسام کی لطیف و لذیذ ماکولات و مشروبات چنے ہوئے تھے۔ ایوان بتدریج پُر ہونا شروع ہو گیا۔ اور چونکہ سلطنت کے ہر ایک شخص کو جو کرنیل یا کرنیل سے زیادہ رتبہ رکھتا ہو عیدین کے درباروں میں شریک ہونیکا حق حاصل ہے۔ تمغہ دار وردی پوشوں کا بہت بڑا مجمع موجود ہو گیا۔ وہ مربع کی تین ضلعے بنا کر ایک دوسرے کے پیچھے صفوں میں کھڑے ہو گئے۔ ایوان کا وسط جو تخت کے بالمقابل تہا۔ کھلا رہنے دیا گیا۔ محل سلطانی کے اراکین و ملازم درجہ بدرجہ تخت کے پیچھے لمبی صف میں کھڑے ہوئے۔ سب زرق و برق کی وردیاں پہنے ہوئے اور اکثر تمغے بہی لٹکائے ہوئے تہے۔ ان میں سب سے اول اعلیٰ خواجہ سرا کھڑا ہوا۔ دوم خواجہ سرا جو لمبا اور دبلا پتلا آدمی تہا۔ تیرھویں نمبر پر اور سلطان کے دو دامادوں میں سے اوپر تہا۔ ایوان کی جو کچھ کیفیت اسوقت تہی۔ جبکہ سب لوگ داخل ہو چکے تہے۔ اور سلطان المعظم کے رونق افروزی کا انتظار کر رہی تہے۔ وہ حدِ بیان سے باہر ہے۔ اور اس کی بڑی کثرت تمغہ دار نظارہ کا خیال کرنا مشکل ہے۔ ہر قسم کی وردی وہاں موجود تہی۔ صحراءِ عرب کے جُبہ و عمامہ پوش عرب شیوخ۔ امام۔ علماء۔ اور وزراء سب کے سب تمغوں سے جگمگا رہے تہے۔ میں نے صادق بک سے پوچھا کہ سلطان المعظم کی رونق افروزی میں اس قدر دیری کیوں ہوئی ہے؟ اب آٹھ کا

عمل ہوگیا ہے۔ اس نے جواب دیا حضور ممدوح بہت سویرے بیدار ہو کر نماز کیلئے تشریف لے جانے سے کسی قدر تھک جانے کے باعث سو گئے ہیں۔ اور کسی کی مجال نہیں کہ انکی استراحت میں مخل ہو۔ آخر بینڈ بجنا موقوف ہوگیا۔ اور وہ درمیانہ قامت با جلال شخص جس کا سب آنکھیں انتظار کر رہی تھیں۔ تخت کے قریب کے دروازے سے ایوان میں بر آمد ہوگیا۔ صرف اکیلے غازی عثمان امیر المومنین کے ساتھ تھے۔ وہ سادہ فوجی فراک کوٹ اور باقی کل شاندار مجمع کی طرح فس پہنے ہوئے تھے۔ اور ایک خمدار سنہری قبضہ کی تلوار زیب کمر تھی۔ کوئی تمغہ یا نشان کسی طرح کا زیب تن نہ تھا۔ انکے داخل ہوتے ہی ہر ایک شخص جو ایوان میں موجود تھا۔ فرش تک جھک گیا۔ اور جب تک وہ تخت پر نہ بیٹھ گئے۔ اسی وضع میں رہا۔ عثمان غازی تخت سے دائیں طرف کھڑے ہوگئے۔ سنہری حاشیہ کا ایک رومال انکے دائیں بازو پر پڑا ہوا تھا۔ جسکو مجمع کے ان لوگوں نے بوسہ دیا جو درجہ میں کم ہونیکی وجہ سے سلطان کو مس کرنیکا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔

جس وقت سلطان المعظم تخت پر متمکن ہوگئے۔ تو دربار ہمایوں کا ملا آگے بڑھکر حضور ممدوح کے بائیں ہاتھ کھڑا ہوگیا۔ اور دھیمی آواز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اسکے ساتھ ہی کل حاضرین نے بھی دعا کیلئے ہاتھ اونچے کر لئے۔ جب وہ اس سے فارغ ہوکر پیچھے ہٹ گیا۔ تو کمال خوشی کے ساتھ آداب بجا آوری کی رسم شروع ہوگئی۔ دائیں طرف سے پاشا سلطان المعظم کے سامنے سے گذرنے شروع ہوئے۔ قریب پہنچکر وہ فرشی کورنش بجا لاتے اور رومال کو بوسہ دیتے۔ پھر گردنیں جھکائے ہوئے خلیفۃ المسلمین کے بائیں ہاتھ جا کر پیچھے کو ہٹ جاتے اور پیچھے ہٹتے وقت بھی دائیں ہاتھ سے فرش دل اور پیشانی کو چھوتے ہوئے آداب بجا لاتے جو درباری قواعد کے مانوس تھے وہ اس حرکت کو نہایت صفائی اور سلیقہ کے ساتھ عمل میں لائے۔ لیکن صوبجات کے اکثر پاشاؤں کو سخت مشکل پیش آئی۔ انکی حرکات بہت ہی بھونڈی تھیں۔ ہر ایک تسلیمی حرکت کے بعد تھوڑا سا وقفہ کرنیکی بجائے وہ پے درپے بلا توقف سب حرکتیں ایک ساتھ کرتے رہے۔ اور پیچھے سے دوسروں کے آ جانے پر سلطان المعظم کی نظر سے اوجھل ہو جانے پر بھی دیر تک یہی کرتے رہے جو پاشا سلطان المعظم کے ذاتی دوست تھے۔ انکو سلطان کے قدموں پر سر بسجود نہ ہونے دیا گیا سلطان المعظم انکو ہاتھ سے خفیف سا اشارہ کر دیتے تھے کہ وہ صرف نیچے جھکیں (قدموں پر نہ گریں) معمر رؤف پاشا کو جسکی ایک ٹانگ پلیونا میں ضائع ہوگئی تھی۔ ایسا ہوگیا ہوا تھا

کہ اسے سلطان کو سلام کرنیکے بعد کمرہ کا سارا عرض طے کر کے پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ وہ سلام سے فارغ ہوتے ہی تخت کے پاس سے پیچھے کو ہٹ کر ایوان سے باہر چلا گیا۔ اسکے سوا اور کوئی شخص باہر نہ گیا۔ دو باتوں کی طرف سب کو خاص توجہ ہوئی۔ دربار سے چند دن پہلے روسی سفیر بلغاری ایلچی سے نہایت نخوت اور غرور کے ساتھ پیش آیا تھا جسپر سلطان المعظم نے ارشاد فرمایا تھا۔ کہ ایلچی مذکور دربار کے موقع پر شاہی خانوادہ اور محل سمایوں کے متعلقین کے ساتھ نیچے ایوان میں کھڑا ہو تاکہ سفراء کی گیلری میں انکی بے حرمتی ہونیکا احتمال نہ رہے۔ اس حکم کی تعمیل میں وہ شام کی سادہ پوشاک پہنے نیچے کھڑا ہوا۔ اور اپنی پوشاک کی وجہ سے اردگرد کی تمام زرق برق کی وردیوں میں نہایت نمایاں ہو رہا تھا دوسرا قابل غور واقعہ معزول خدیو اسمعیل کی باریابی تھی۔ وہ اس وقت کسی رشتہ ناطہ کی وجہ کر جسے وہ کرانا چاہتا تھا۔ سخت معتوب ہو رہا تھا۔ چنانچہ جب وہ پیرمرد سلطان المعظم کے سامنے ہوا۔ تو حضور ممدوح کے چہرہ پر کوئی ایسی علامت نمودار نہ ہوئی۔ جس سے پایا جاوے کہ سلطان نے اسے پہچانا ہے جسپر بھی اُسے اور ونکی طرح پیشانی رگڑنی پڑی۔ اور ایوان کی دوسری طرف جانا پڑا سلطان نے اسپر ایک بھی نگاہِ عنایت نہ ڈالی۔ آخر سب لوگ سامنے سے گذر کر ایوان کے گرداگرد پھر اپنی اپنی جگہ پر صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ اور اب پہلی مرتبہ مُہر سکوت توڑی گئی۔ رئیس التشریفات نے منبر یا نمل کے وسط میں آکر باآواز بلند پکارا "شیخ الاسلام" یہ آواز پڑنے کیساتھ ہی ایک دراز قامت باجلال پیرمرد جو دراز سفید جبہ اور عمامہ پہنے اور طبقہ مجیدیہ کی اعلیٰ حمائل زیبِ تن کئے ہوئے تھا۔ اس کھلی جگہ سے جو وسط میں تھی تخت کی طرف بڑھا۔ جب وہ قریب پہنچا۔ تو سلطان المعظم نے ایستادہ ہو کر اسکے سامنے سر جھکا دیا۔ اور شیخ الاسلام نے ہاتھ اٹھا کر جلالت مآب کیلئے خیر و برکت کی دعا مانگی۔ تمام پاشاؤں نے بھی ساتھ ہی ہاتھ اٹھا لئے تھے۔ دعا سے فارغ ہو کر شیخ الاسلام ایک طرف کو کھڑے ہو گئے۔ اور سلطان المعظم پھر تخت پر بیٹھ گئے۔ بعد ازاں کل دیگر علماء نے ایوان کے بیچوں بیچ آگے بڑھکر تسلیمات عرض کیں۔ سب کی پوشاکیں نہایت چمکدار اور بیش قیمت تھیں۔ انکے جبّے سیاہ۔ سبز۔ اودی اور نیلگوں ساٹن کے تھے۔ بعض کے سفید رنگ کے تھے۔ اور اکثر تمغے اور نشان لگائے ہوئے تھے۔

آخری عالم کے سامنے سے گذرتے ہی جلالت مآب کسی کو کسی طرح کا اسلام کرنیکے بغیر کھڑے ہو گئے۔ کل حاضرین پھر لبِ فرش تک جھک گئے۔ اور حضور ممدوح صرف غازی عثمان کو ساتھ لئے ہوئے

ہال سے باہر تشریف لیگئے۔ جو چشم زدن میں خالی ہوگیا۔ اور ہم سب کھانیکی میزوں پر ٹوٹ پڑے کیونکہ گو ابھی صرف ۹ بجے تھے۔ مگر اکثر نے ۵ بجے کا ناشتہ کھایا ہوا تھا۔ محل سے گھاٹ کو واپس آتے وقت جہاں سفراءِ دول کی دُخانی کشتیاں انکے انتظار میں کھڑی تھیں ہم بےشمار قہوہ خانوں کے پاس سے گذرے۔ وہ سب کے سب پاشاؤں اور افسروں سے بھرے ہوئے تھے۔ جو دربار کی حاضرباشی کی کوفت اور تکان کو پوری وردیاں پہنے ہوئے قہوہ اور سگرٹ پینے سے دُور کر رہے تھے۔ صادق بک نے اس دربار میں حاضر ہونا تھا۔ جو خاص محل ہمایوں کے متعلقین اور عہدہ داروں کیلئے علیحدہ ہی منعقد ہوتا ہے۔ اسلئے وہ ہمسے ہال کے دروازہ سے رخصت ہوگیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ یہ دربار کس وقت ہوگا؟ انکا جواب تھا۔ "یہ بتانا محال ہے۔ جلالت مآب اب پھر استراحت فرمائینگے۔ اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔ وہ کب بیدار ہونگے"۔

آسٹرین سفیر نے ہمیں اپنی کشتی میں بیٹھ جانیکے لئے کہا۔ اسے ہمنے بڑی خوشی سے منظور کر لیا اور دس بجے سے تھوڑی دیر بعد تھراپیا پہنچ گئے۔ مگر باوجود اسقدر سویرے ہونیکے ہمیں یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم بڑا لمبا سفر کر کے آئے ہیں؛

(۱۲) جدید عجائب گھر اور صیدان سے برآمدہ شدہ تعویزات قبور قدیمہ

ناظرین یہ سرخی دیکھکر کہیں یہ خیال نکریں۔ کہ میں قسطنطنیہ کی گائیڈ بک[۵] لکھنی یا مرّے اور بیڈیکر کی تیار کردہ گائیڈ بکوں سے انتخاب و اقتباس دینے لگا ہوں۔ مرّے کی تیار کردہ گائیڈ بک کا تازہ ترین ایڈیشن عمدہ ہے۔ اور بیڈیکر کی کونسی گائیڈ بک ہے۔ جو ہر وقت مفید نہ پائی جائے۔ ان کتابوں کے علاوہ قسطنطنیہ اور باسفرس کی چیدہ چیدہ منظروں کی عکسی تصویریں بھی عام دستیاب ہوسکتی ہیں۔ بالخصوص قسطنطنیہ کے فوٹوگرافر عبداللہ نے باسفرس کی شفاف ہوا میں اس بے نظیر شہر اور اسکے ملحقات کی جو بےشمار تصویریں اُتاری ہیں صفائی اور درستی میں کسی نویسندہ کی قلم۔ نہ کسی مصور کی پنسل ان کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تاہم جس امر کی میں لوگوں کو ترغیب دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ وہ خود قسطنطنیہ جا کر وہاں کی نظاروں کا بچشم خود مزہ لیں جس طرح کہ میں نے کیا ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی میری یہ بھی نصیحت ہے۔ کہ کسی شخص کو وہاں پہنچنے سے پہلے کسی گائیڈ بک کا معائنہ کرنیکے بغیر اس شاندار شہر کے منظروں کی دیکھنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔ نہ کسی کو وہاں پہنچکر باقاعدہ راہبر اور ترجمان کے بغیر خود بخود ان مقامات کا

[۵] گائیڈ بک اس کتاب کو کہتے ہیں جسمیں مسافروں کی آسانی اور رہنمائی کیلئے کسی ملک یا شہر کے راستوں سڑکوں اور قابل دید

رہنے معلوم کر لینے کی کوشش کرنا چاہیئے - جن کے دیکھنے کا وہ مشتاق ہو - البتہ اس کو راہبر اور ترجمان کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لینا واجب ہے - یہ میری بڑی خوش قسمتی تھی - کہ مجھے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ ترک (بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ عرب) راہبر کا کام دینے کیلئے مل گیا تھا - وہ یکے از یاورانِ سلطانی تھا - اور جلالت مآب نے اسے اس کام پر مامور فرما دیا تھا - کہ جبتک ہم قسطنطنیہ میں ٹھیریں - وہ ہمارے ساتھ رہے - راہبری کے علاوہ وہ ہمکو ترجمان کا کام دینے ہی کے قابل نہ تھا - بلکہ اسکی وردی کے طفیل جہاں جاتے تھے - ہمیں کوئی روک نہیں ہوتی تھی - اور ایسے ایسے خزانے بڑی خوشی سے دکھائے جاتے تھے - جو اول تو کسیکو نہیں یا شاذ و نادر کسیکو دکھائے جاتے ہیں - صادق بک (یعنی یاور موصوف) جرمن - فرنچ - ترکی - اور عربی بول سکتا تھا - اور برلن میں کچھ عرصہ رہ آنیسے وہ ہمارے ان جذبات اور خیالات کو جن خیالات سے کہ ہم اہالی یورپ مشرق کے باشندوں اور انکے اوضاع و اطوار کو دیکھتے ہیں - بآسانی سمجھ سکتا - اور وہ باتیں ہمیں دکھا اور بتا سکتا تھا - جو کہ یورپینوں کیلئے خاص دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہیں - وہ ترکی عہدہ دار اور ہر پہلو سے پورا محبِ وطن ترک تھا - وہ اپنے شہنشاہ کا سچا جان نثار تھا - اور بشرط ضرورت اسکے اور نیز اپنے ملک اور اپنے مذہب کیلئے لڑنے اور جان قربان کرنیکو بالکل تیار - اس نے ہمکو ہر ایک ایسی چیز دکھائی - جو بیحد اور زائد تکلیف اور بغیر تردد کے دیکھی جا سکتی تھی - قسطنطنیہ کو تاریخی اور آثار قدیمہ کے لحاظ سے پوری پوری طرح سے دیکھنا میرے امکان سے باہر تھا - کیونکہ میں اطباء کے حکم سے وہاں آرام کرنیکے لئے گیا تھا - اور اس لئے مجھے اسی پر قناعت کرنی پڑی - کہ قدیم یادگاروں اور کھنڈروں کے پاس سے جو زبانِ حال مجھ سے تکلم کرتے تھے - روا روی گذر کر انکو ایک نظر دیکھ لوں اور انکے دیکھنے سے جو پرانے زمانہ کے واقعات دل و دماغ میں موجزن ہو جاتے تھے اور جیسی بعض پرانی عمارتیں میری نگاہ میں اس طرح منور ہو جاتی تھیں جیسی کہ گویا انہیں

بقیہ صفحہ ۱۰۷ - عمارات وغیرہ کے حالات اور دیگر ایسے امور جن کا جاننا مسافر کو غیر ملک میں فائدہ بخش ہو درج ہوتے ہیں یورپ میں ایسی گائیڈ بکوں کی تیاری کیلئے مرے اور بیڈیکر کے دو کارخانے بہت مشہور ہیں اول الذکر انگریزی ہے اور دوسرا جرمن ہے - گو اسکی بہت بڑی شاخ انگلستان میں بھی ہے - مترجم

[1] مفروضہ مظالم کے دوران میں ایشیا کوچک کے صوبوں میں بالجبر مسلمان بنانیکے الزامات کی تحقیقات کیلئے پچھلے دنوں (یعنی سنہ ۱۸۹۴ء میں) جو کمیشن سلطان المعظم نے روانہ کی تھی - صادق بک بھی اُس کا ایک رکن تھا - مصنف (کمیشن مذکور کے مفصل حالات کیلئے دیکھو رسالہ مفروضہ مظالم آرمینیا و دول ثلاثہ - مترجم)

برقی روشنی کردی گئی ہے۔ انکے خفیہ خفیہ بیان کردہ قصوں کو گوش دل سے بغور سنتا ہوں۔

فی زمانہ ہر ایک اجنبی ذرا سی محنت سے قسطنطنیہ کی بڑی بڑی یادگاروں کا معائنہ کرسکتا ہے صرف وہاں کے محافظوں کو تھوڑی سی بخشیش دینی پڑتی ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط اور مبنی بر وہم ہے کہ جو سیاح مسجدوں میں داخل ہوتے ہیں ترک ان کو غضبناک نگاہوں سے دیکھتے ہیں یہ درست ہے کہ وہ ان سیاحوں کو دیکھکر خوش نہیں ہوتے۔ اور انکو خوش آمدید نہیں کہتے۔ لیکن یہ امر صرف بزدل سیاحوں کا اپنا پیدا کردہ وہم اور ظن ہے۔ کہ وہ کل عیسائی کتوں کو قتل کرنیکے خواہشمند ہوتے ہیں بعض مقامات میں بیشک عیسائیوں کو جانیکی ممانعت ہے۔ اور اگر کوئی اجنبی لاعلمی یا غلبہ شوق تجسس کی وجہ سے وہاں چلا جائے۔ تو جو ترک اسجگہ موجود ہو اُسے صاف کہدیتا ہے کہ میں تمہاری اس حرکت کو پسند نہیں کرتا مگر اسبات کا اسے کبھی شان وگمان بھی نہیں ہوتا۔ کہ اپنی اس ناپسندیدگی کو خنجر کے ذریعہ سے ظاہر کرے۔ ایسے بزدلوں یا اتہام لگانیوالوں کو معلوم رہے کہ اور شہروں کی طرح قسطنطنیہ میں بھی پولیس اور قانون موجود ہے۔ اور زمانہ سابق کی طرح مذہبی پُرجوشی اب وہاں کسی بیجا حرکت یا تشدد کیلئے کوئی وجہ معذوری اور بہانہ نہیں ہوسکتی۔ ایک ترک گاڑی والے نے ہمسے کچھ سخت کلامی کی تھی جسپر امید ہے کہ عمر بھر اس سے یہ خطا پھر دوبارہ سرزد نہ ہوگی۔ اور اسیوقت قیدخانہ بھیجدیا گیا۔ اور اس کا لائسنس ضبط کرلیا گیا تھا۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شہر میں کبھی کوئی سختی یا زیادتی نہ ہو۔ فرانس کے (جنوبی ساحل کے قصبہ) ایکومارٹے میں بھی (جہاں موسم بہار میں اکثر لوگ ممالک غیر سے قیام صحت اور دماغی آرام کے لئے جاتے ہیں) زیادتیاں وقوع میں آتی رہتی ہیں۔ اور قسطنطنیہ میں بھی آتی رہینگی لیکن فرق یہ ہے کہ ٹرکی میں فرانس کی نسبت بھی ایسی زیادتیوں کی بہت زیادہ جلد سزا دیجاتی ہے

قسطنطنیہ کے ان نظاروں میں سے جن میں تھوڑے عرصہ سے عوام کو داخل ہوسکنے کی اجازت ملی ہے اور اسوجہ سے اکثر لوگوں کو انکی ابھی چنداں خبر نہیں ہوئی۔ سب سے اہم اور مشہور اشیاء قدیمہ کا نیا عجائب گھر ہے۔ اسکے بیش بہا اور حیرت افزا خزینوں کے متعلق گائیڈ بکوں تک میں بھی ابھی تک کوئی مفصل ذکر نہیں کیا گیا۔ اور اکثر سیاح اس کا نام تک سننے کے بغیر قسطنطنیہ واپس چلے جاتے ہیں۔

استنبول میں اشیاء قدیمہ کا عجائب گھر سالہائے دراز سے قائم ہے مگر بہت کم لوگ اسی دیکھنے

---

[1] آرمینیوں کے ہنگامہ کے بعد بھی میری یہی رائے ہے کہ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ میری رائے جو اب بھی درست ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں سے انکی مذہب کیوجہ سے نفرت نہیں کرتے۔ آرمینیوں سے جو ان کو نفرت ہے۔ وہ قومی اور سیاسی اسباب پر مبنی ہے۔ مصنف

کی تکلیف گوارا کی ہو۔ اور وہ اس قابل ہی نہ تہا۔ کہ کوئی ایسا مسافر جیسے اور بہت کام ہوں اُسی ضرور جا دیکھے بجائے اسکے کہ اشیاءِ قدیمہ کو غیر ممالک کے لوگ اٹھا لیجائیں۔ یا وہ برباد ہوتی رہیں۔ ان کو جمع کرنیکا خیال سب سے اول فتح احمد پاشا کو ہوا جنہوں نے ۱۸۴۶ء میں چند پرانے سکّے اور دیگر قدیم اشیا سینٹ ایرین کے گرجا میں جمع کیں۔ ۱۸۶۹ء میں صفوتی پاشا نے جو کچھ عرصہ کے لئے وزیر معارف (سررشتۂ تعلیم) رہا تہا اور خود بہی سکّہ جات قدیمہ کا ماہر مبصّر تہا۔ کل مجموعہ کو قدیم محلسرا کے اندر چینی لی کوشک میں منتقل کر دیا۔ یہ کوشک قسطنطنیہ میں قدیم ترین اسلامی عمارتوں میں سے ہے۔ اسلامی فن تعمیر کے نمونہ کا کام دینے کے لئے یہ کوشک نہایت ہی کارآمد ہے۔ بالخصوص چینی کی جو کھپریلیں دیواروں میں لگی ہوئی ہیں۔ وہ صنعت و استادی میں نہایت ہی کامل ہیں ۔ خیر یہ ذکر تو ضمناً تہا۔ کوشک مذکور کے کمرے جلد پُر ہوگئے اور پچہلے چند برسوں میں جبکہ حمدی بک اور دیگر اشخاص کی محنت اور جد و جہد سے ٹرکی میں اشیاءِ قدیمہ کی تلاش کا از سرِ نو شوق پیدا ہو گیا۔ تو ان نئی چیزوں کے لئے جو بافراط دستیاب ہو گئی تہیں نئے بڑے بڑے کمرے بنانا ضروری ہو گیا۔ ترکی سرزمین صنعتی خزائن کی کامل معدن ہے جس معدن کو ابہی تک بہت کم کہولا گیا ہے۔ اور جس سے ابتک زیادہ تر ممالک غیر کے لوگ ہی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ شایقِ اشیاءِ قدیمہ شلیمن اور ان متعدد علمی جہموں کو جو انگلش فرنچ اور جرمن گورنمنٹوں نے سلطنت عثمانیہ کے مختلف حصوں کو روانہ کی تہیں۔ نادر اشیاء کے برآمد کرنے میں جو نمایاں کامیابی ہو چکی ہے۔ وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ اگر عثمانیہ گورنمنٹ اس کام کو بہ نسبت حال زیادہ باقاعدگی سے اختیار کرے تو اسکی عجائب گہر بہت جلد یورپ کے بہترین عجائب خانوں کے ہمسر بلکہ ان سے فائق ہو جائیں۔ خوشی کا مقام ہے کہ اس کام کا آغاز تو ہو گیا ہے۔ اور عمدگی کے ساتھ ہوا ہے۔ چنانچہ اس تہوڑے سے عرصہ ہی میں حمدی بک کی استقلال اور موجودہ بیدار مغز فرمانروا عبد الحمید کی فیاضانہ سرپرستی اور امداد سے قسطنطنیہ میں ایک ایسا نیا عجائب خانہ موجود ہو گیا ہے جس پر ہر ایک ترک بجا طور پر فخر و مباہات کر سکتا ہے۔ اس عجائب خانہ کو ولوری آفندی معمار نے چینی لی کوشک کے مقابل میں تعمیر کیا تہا۔ اور یہ زیادہ تر پرانی قبروں کے ان شاندار تعویذوں کے لئے بنایا گیا تہا۔ جو ۱۸۸۷ء میں حمدی بک کو زمین کے نیچے سے دستیاب ہوئے تہے۔ اس دستیابی کی فی الفور تمام یورپ میں دہاک بندھ گئی اور اس کے متعلق طرح طرح کی مبالغہ آمیز حالات شائع کئے گئے۔ گو لکہنے والوں میں سے کسی نے ان تعویذوں کو جو حمدی بک نے بمقام سیدان[1] زمین سے

---

[1] سیدان یا صیدا ملک شام کے ساحل پر دمشق سے عین بجانب غرب تقریباً پچاس میل اور بیروت سے بجانب جنوب تخمیناً پچیس میل کے فاصلہ پر جزیرۂ شام کے کنارہ پر واقع ہے۔ مترجم۔

نکالے تھے بچشم خود معائنہ نہیں کیا تھا۔ کئی لوگوں نے حمدی بک پر اعتراض کئے ہیں کہ اس نے ان بیش بہا خزینوں کو اتنا عرصہ دنیا کی نظر سے پوشیدہ و مقفل رکھا۔ بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہدیا کہ اسے یہ چیزیں ٹرکی میں رکھنی واجب نہیں تھیں۔ اسے مناسب تھا کہ ان تعویزوں کو فی الفور یورپ کے کسی بڑی عجائب گھر میں بھیجدیتا۔ ہر ایک کا یہی خیال تھا۔ کہ ٹرکی کو ان قدیم زمانہ کی اشیاء پر کوئی حق نہیں ہے یہ لوگ اس امر کے مشکور ہونیکی بجائے کہ بارے ٹرکی میں بھی صنعت قدیمہ کا ایک سچا عاشق پیدا ہو گیا ہے اور اسے سلطان المعظم کی فیاضانہ امداد اور ہمدردی حاصل ہو گئی ہے۔ الٹے یہ شکایتیں کرنے لگ گئے۔ کہ ہیں ٹرکی۔ اور وہ ان چیزوں کو اپنا ملک ظاہر کرنیکی جرأت کرے۔ یہ بغض اسقدر تک بڑھا ہوا ہے۔ کہ اب اسوقت بھی جو پرانی صنعت کے نمونے ترکی قلمرو سے حاصل ہوں۔ ان کو جائز یا ناجائز وسائل سے اٹھانے اور لیجانے کے لئے ہر ایک امر مباح اور جائز سمجھا جاتا ہے۔ حتی کہ حمدی بک نے ایسے بے اصول اور بے ایمان لوگوں کے ہاتھ سے تنگ آ کر جو صنعت قدیمہ کے نہایت ہی خوبصورت نمونوں کو زمین سے نکال کر بیدریغ ملک سے باہر بیچ ڈالتے تھے سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کر کے یہ حکم صادر کرا دیا۔ کہ اس قسم کی خرید و فروخت ناجائز اور سزا کی متوجب ہے کل ملکوں میں یہی قانون رائج ہے۔ وہاں کوئی اسکی شکایت نہیں کرتا۔ مگر ٹرکی میں اسکے رواج کی نہ فقط شکایت ہی کی جاتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات بظاہر علم اشیاء قدیمہ کے مفاد و بہتری کا بہانہ کر کے اور دراصل ذاتی کمینہ اغراض کے لئے اسکی خلاف ورزی کو بھی معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے (یہ ہے عیسائی اہل یورپ کی ایمانداری اور راست بازی!) سلطان المعظم جب یہ دیکھتے ہونگے کہ حمدی بک اور مقام سیدان اسکی محنت و تردد کی جو سرپرستی کی گئی ہے اسکے بےنظیر نتیجہ سر ہوا ہے تو وہ اپنے دل میں بیشک بہت خوش ہوتے ہونگے۔ اسوقت بھی دنیا کا کوئی عجائب خانہ تعویزوں کے قبور اور تدفینی یادگاروں کے معاملہ میں قسطنطنیہ کے جدید امپریل عجائب خانہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا اور ابھی آخر الذکر کے ذخیرہ میں بہت بڑا اضافہ ہونے کا پورا یقین ہے۔ باوجود عام خبر نہ ہونیکے اب بھی یورپ کے اکثر حصوں سے شوقین طالب علم قسطنطنیہ آ کر عجائب گھر میں گھنٹوں تک صیدا کی تعویزوں کو بنظر غور دیکھتے رہتے ہیں۔ جب انکی عام شہرت ہو گئی۔ تو اسوقت اس علم کے شوقین سیاح اس کثرت سے قسطنطنیہ پہنچا کرینگے۔ جس طرح سے کہ مقام پارتھینان کی مرمریں مورتوں کی طفیل لندن کے برٹش عجائب گھر کو کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اور میلو کی مورت زہرہ کے گرد پیرس کے محل لوور میں ہر وقت سینکڑوں آدمیوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔ یہ تعویز اول اول

محض اتفاقیہ برآمد ہوئے تہی۔ ۱۸۸۷ء میں ایک شخص مسمی محمد شریف ایک قطعہ زمین کو جو موضع ہلیلہ کے قریب صیدا سے بجانب شمال مشرق تقریباً صرف ایک میل اور ساحل بحیرہ روم سے فقط چند سو گز کے فاصلہ پر اسکی ملکیت تہا۔ عمارتی مصالح کے لئے کھدوا رہا تہا۔ اس شخص کو معلوم نہیں تہا۔ کہ جس زمین کو میں کھدوا رہا ہوں۔ وہ متبرک ہے۔ البتہ اس نواح میں یہ پرانی روایت چلی آتی تہی۔ کہ قرب جوار کی زمین کسی زمانہ میں قبرستان تہی۔ فرانس کا رمیناں اسی قرب وجوار میں تلاش کرتا رہا تہا۔ اگر یہ بیش بہا عجوباتِ روزگار اسے ملجاتے اور محل لوور میں بادشاہ اشمونیعزر کی قبر کے مشہور تعویز کے دوش بدوش جو ہلیلہ سے بجانب جنوب سوا میل کے فاصلہ پر مقام مغارات ایلوان سے دستیاب ہوا تہا۔ اور اب لوور کے کمال مشہور اور بیش قیمت عجائبات میں سے گنا جاتا ہے۔ رکھا جاتا۔ تو رینان اور فرانس کو اس کامیابی پر کیسی خوشی ہوتی۔ مگر یہ ان کی قسمت میں مقدر نہ تہا۔ حالانکہ اسی بادشاہ کے عین قدموں کے تلے اس کے باپ تابنیث شاہِ صیداء کی بھی قبر کا تعویز تہا۔ اشمونسنطیر کا تعویز ڈیوک ڈمی لاہنی مرحوم نے ۱۵ ہزار فرنیک کو خریدا تہا۔ حمدی بک کو جو تعویز ملا وہ اشمونسنطیر کے باپ تابنیث کی قبر کا ہے۔ مگر اس سے رینان کو کوئی رشک نہ ہوا۔ رشک وحسد اسکی ذات میں تہا ہی نہیں چنانچہ جن لوگوں نے سب سے اول ترکی فاضل کو اسکی خوش نصیبی پر مبارکباد دی تہی۔ ان میں سے ایک رینان تہا۔ اور جیسی سچی خوشی اسکو اس برآمدگی سے ہوئی کسی اور کو نہ ہوئی ہوگی۔ صرف تابنیث کا تابوت ہی ایسا ہے جس پر اب تک کوئی کتبہ ملا ہے۔ اسپر دو کتبے ہیں۔ ایک مصر کے پرانے خط تصویر میں اور دوسرا اہالی فنیشا کی قدیم زبان میں۔ مصری کتبہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس تابوت میں ابتداً ایک مصری جرنیل موسومہ پنفطاہ مدفون ہوا تہا۔ اور فنیشی کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سب سے آخر میں تابنیث شاہِ صیداء کا جسم مردہ بند کیا گیا۔ یہی تمام لوور والے تابوت پر موجود ہے۔ اسپر اشمونسنطیر خود کو تابنیث اور اماش طورش کا بیٹا بتاتا ہے

اسی تابوت کے قریب ایک اور برآمد ہوا جسے پہلے کسی نے کھولا یا لوٹا تہا۔ جب وہ کھولا گیا تو اسمیں ایک طلائی کمر بند۔ شاہی چکر یا مالہ۔ بالوں کی ایک زلف۔ ہڈیاں۔ دانت اور ململ کی پٹیوں کے ٹکڑے پائے گئے۔ یہ تابوت سیاہ سنگ مرمر کا ہے۔ اور انسان کی جسم کا نقش اسپر نمودار ہے۔ جس سے اسے انسانی تابوت پکارا جاتا ہے۔ اور چونکہ اشمونسنطیر لوور والے تابوت پر خود کو تابنیث اور اماش طورش کا بیٹا لکھتا ہے۔ اور یہ تابوت

بھی چونکہ اسی غار میں سے برآمد ہُوا ہے۔ اسلیئے اغلب ہے کہ اس میں آماخس طورش کا جسم مدفون تھا۔ اور یہ دانت وغیرہ اسی کے ہیں۔ یہ تابوت یا یوں کہو کہ وہ لوگ جن میں سب سے آخر دفن ہوئے بقول بعض مؤرخین پانچویں صدی قبل مسیحؑ اور بقول ماس پیرو چوتھی صدی قبل مسیح میں گذرے ہیں۔ حمدی بک کا بیان ہے۔ کہ اس زمین کو جہاں سے یہ برآمد ہوئے ہیں قبرستان کہنا درست نہیں۔ اور اس کا یہ بیان ایک حد تک صحیح بھی ہے۔ کیونکہ قدیم اہل فنیشیا کا یہ وطیرہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے مردوں کو کسی خاص قبرستان کی حدود میں دفن کرنیکی بجائے جہاں کہیں مرضی ہوتی تھی۔ دفن کر دیا کرتے تھے۔ تاہم جس موقعہ سے یہ تابوت نکلے ہیں۔ وہ غالباً تدفین کیلیئے بہت مناسب مقام سمجھا جاتا تھا۔ یہ تابوت ہلیلہ سے برآمد ہوئے ہیں۔ اور ہلیلہ کی پہاڑی کے قریب کے باغ کے نام سے ہی جو بوستان المغارہ (حجروں اور غاروں والا باغ) ہے۔ متلاشیوں کو اس مقام کی طرف توجہ ہو جانی چاہیئے تھی۔ ۱۸۸۰ء کے شروع میں اسی موقع سے چند مسیحی قبریں برآمد ہوئی تھیں۔ حمدی بک کو توقع ہے۔ کہ جب وہ ذرا زیادہ باقاعدگی کے ساتھ تلاش شروع کرنیکے قابل ہو جائینگے تو انکو اس گردِ نواح میں اور بھی تابوت دستیاب ہونگے۔ انکی اس توقع کے برآنے کے بظاہر بہت کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ سر دست ان کا بڑا کام یہ ہے۔ کہ اس معدن کو جو ابھی کھولی ہے۔ غارتگروں کے ہاتھ سے جو تجارت یا علمی ہوس کو پورا کرنیکی لیئے لوٹ مار سے باز نہیں آتے۔ محفوظ رکھیں۔ جب ان تابوتوں کے برآمد ہونیکی خبر شائقین اشیاءِ قدیمہ نے سُنی تو طبعی طور پر انکے دیکھنے اور دریافت کنندہ کی قلم سے ان کی پوری کیفیت معلوم کرنیکے لیئے بیتاب ہونے لگ گئے۔ مگر بسا اوقات ایسی بے صبری اور بے قراری نامعقولیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ ۱۸- اپریل سے ۲۰ جون ۱۸۸۷ء تک تو برابر کھدوائی کا کام ہوتا رہا۔ پھر جب یہ دیو قامت تابوت صیداء سے قسطنطنیہ کو باحتیاط تمام پہنچائے گئے۔ تو انکی درستی اور مرمت باقی رہتی تھی۔ کیونکہ گو فی الجملہ انکو بہت بڑا نقصان نہ پہنچا تھا۔ پھر بھی حمدی بک نے حجروں میں سے کئی سو ٹکڑے جمع کیئے تھے۔ جنکو موقع بموقع اپنی اپنی جگہ پر لگانا ضروری تھا۔ پھر اس مرمت کی تکمیل ہو جانے پر بھی جبتک کہ انکو نئے عجائب خانہ میں نہ رکھا جائے۔ انہیں عوام کو دکھانا مناسب نہ تھا۔ اور اس نئے عجائب خانہ کی تعمیر پر بھی کچھ وقت صرف ہونا لازمی تھا۔ وہ تیار ہو گیا ہے۔ اور اب یہ

تابوت وہاں ہر ایک شخص دیکھ سکتا اور جس طرح چاہے اُنپر غور کر سکتا ہے۔ حمدی بک کی رپورٹ ۱۸۹۲ء؁ سے شائع ہونی شروع ہوئی۔ اور اسکے دو نمبر (حصے) شائع ہو چکے ہیں اور تیسرے کے عنقریب شائع ہو جانیکا اشتہار ہو چکا ہے۔ جب اس امر پر غور کیا جائے۔ کہ ان نتائج کے مرتب کرنے پر کس قدر مشکلاتِ عدیدہ کو ہٹانا پڑتا ہے۔ اور کہ قسطنطنیہ میں اس کام کیلئے جسکے واسطے برٹش میوزیم اور لوور میں باقاعدہ سٹاف موجود ہے کیسی تھوڑی مدد مل سکتی ہے۔ تو ہر ایک منصف مزاج تسلیم کریگا۔ کہ رپورٹ کی شائع کرنے میں کوئی بے جا توقف نہیں ہؤا۔ دیگر ممالک کی طرح ٹرکی میں بھی مصنفین کو جبکہ وہ نہایت قیمتی کتابیں معہ تصاویر شائع کرنے چاہتے ہوں۔ بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔ چنانچہ فرانس کا وزیر سررشتہ تعلیم کمال عزت و احترام کا مستحق ہے۔ کہ اُسنے اس کتاب کی تیاری اور اشاعت میں مصنف کو پوری پوری امداد دی۔ کیا کبھی انگریزی وزیر کو بھی ایسا کرنیکی جرأت پڑتی ہے۔

حمدی بک کی تلاش و جستجو اور تصنیفات کا نتیجہ نہایت ہی اطمینان بخش ہے۔ اسنے ابھی تک صرف دو بڑے تہ خانوں کو جو زیر زمین مدفون تھے۔ کھولا ہے۔ اور ان میں سے اُسے ۲۱ تابوت حاصل ہوئے ہیں۔ جن میں سے ۱۸ اوّل درجہ کے ہیں۔ ان تہ خانوں کے سب سے نچلے اور قدیم ترین حجرہ میں مصر تابوت تھا۔ جو در اصل ایک مصری جرنیل کی قبر تھا۔ مگر بعد میں تابنیث کو اسمیں دفن کیا گیا تھا دوسرے حجرہ سے جسمیں سات علیحدہ علیحدہ خانے تھے۔ پورے سترہ تعویذ برآمد ہوئے۔

ناظرین کو خیال رہے کہ سب سے پہلے ایک بڑا درمیانی حجرہ برآمد ہؤا تھا جس کے شمال مشرق جنوب اور مغرب کی طرف حجرہ مذکور سے بڑے بڑے حجروں کو جو پتھر کے متعدد تابوتوں سے بھرے ہوئے تھے۔ رستہ جاتا تھا۔ شمالی حجرہ میں دو تعویذ ملے۔ اس کمرہ کو صاف کرتے وقت دو رستہ مشرق اور مغرب کو دو اور حجروں کو جاتے ہوئے پائے گئے۔ مشرق کی طرف کے حجرہ میں ایک معمولی سا تعویذ تھا جسپر کسی طرح کا کوئی کام نہ تھا۔ مگر مغرب والے میں سفید سنگ مرمر کے چار نہایت ہی خوبصورت اور بدیع تابوت پائے گئے۔ سب سے بڑے تعویذ کے سرہانے والی طرف جسے حاکم صوبہ کا تعویذ پکارا جاتا ہے۔ ایک عجیب مرقع بنا ہؤا ہے جسپر رنگ آمیزی کے نشان ابتک پائے جاتے ہیں۔ ایک مرد سر پر مشرقی وضع کی پوشش رکھے ہوئے اور گھیرے دار جبّہ پہنے ہوئے ہے۔ اسکے بائیں ہاتھ میں پیالہ ہے اور دائیں ہاتھ میں جام ہے جسے وہ ایک خاتون کی طرف جو اسکے سامنے کھڑی ہے کئے ہوئے ہے اور وہ اسمیں صراحی سے عرق ڈال

۱؎ یہ رپورٹ فرنچ زبان میں ہے۔ اور پیرس کی کتب فروش ای لیرو سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

رہی ہے۔ خاتون مذکور کے پیچھے ایک اور عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ جو کہ سر کو اپنی پوشاک کے دامن سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ اور پیر مرد کی دائیں طرف ایک اور عورت کھڑی ہے۔ پائنتی کی طرف چار نوعمر مردوں کی تصویریں ہیں جو چھوٹے کوٹ پہنے اور ڈنڈے پکڑے ہوئے ہیں۔ تعویز کی بڑی طرفوں میں سے ایک پر ایک بوڑھا آدمی تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ تاج اسکے سر پر ہے۔ اور عصاے شاہی دائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔ وہ ایک چواسپہ گاڑی کو جسپر ایک نوجوان جو اپنے چھوٹے کوٹ کو کمر سے باندہے ہوئے ہے۔ اور سر کو ہوا میں اڑتی ہوئی چادر سے ڈھانپے ہوئے ہے۔ سوار ہونے لگا ہے دیکھ رہا ہے۔ ایک غلام لاٹھی پر سہارا دیے کھڑا ہے۔ اور گھوڑوں کو جو ابھی چلنے والے ہیں تھامے ہوئے ہے۔ دوسرا نوکر ایک گھوڑے کو لگام سے پکڑے ہوئے ہے۔ تخت کے پیچھے بھی چند مورتیں ہیں جو نمایاں نہیں رہ گئیں۔ دوسری بڑی طرف غالباً وہی پیر مرد گھوڑے پر سوار شیر ببر سے لڑائی کر رہا ہے ایک دوسرا سوار اسی شیر پر نیزہ سے حملہ کر رہا ہے۔ دائیں طرف ایک سوار جس کا آسن اکھڑ گیا ہے اپنے گھوڑے کی لگام کو چمٹا ہوا ہے۔ پیر مرد کی تصویر کے پیچھے ایک زخمی انسان پڑا ہے اور ایک سوار اپنے گھوڑے کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان تصویروں کا مطلب بظاہر شاید یہ ہوگا کہ بڑے بڑے مشاغل۔ لڑائی اور شکار کو واضح کرتا ہے۔ مگر ممکن ہے اس پیر مرد کی جو تخت پر بیٹھا ہے۔ اور جسے اب حاکم صوبہ تصوّر کیا گیا ہے۔ اور نوجوانوں کی تصویروں سے جو لڑائی پر جانیکو تیار ہے ہومر کی کسی داستان کا چربہ اتارنا مقصود ہو۔ اور غالباً یہ نوجوان ہیکٹر یا پیرس ہو جو شہر ٹرائے کی دیواروں کے سامنے جا کر لڑائی میں شریک ہونیکے لئے پریام سے رخصت ہو رہا ہے اور یہ مرقعے بھی اسی قسم کے ہوں جسطرح کہ جولیانشی کی سنگیں تصویریں ہیں۔ اور صرف یہ فرق رکھتے ہوں۔ کہ نسبتاً بڑے پیمانہ پر بنائے گئے ہیں۔ سرہانے کی طرف کے مرقع کی نسبت خیال ہے کہ اسمیں نزع کے وقت کا نظارہ دکھایا گیا ہے۔ اور وہ عورت جو پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہے

ؔلہ ہومر زمانہ قدیم کا مشہور شاعر گذرا ہے اسکے مقام پیدائش اور سنہ ولادت وغیرہ کا پختہ حال معلوم نہیں غالباً آٹھویں اور نویں صدی قبل مسیح میں گذرا ہے۔ عام روایت ہے کہ وہ سمرنا کے قریب پیدا ہوا تھا۔ اور دلدالحرام تھا اسے یونانی شعراء میں وہی رتبہ حاصل ہے۔ جو فارسی شعراء میں فردوسی اور ہندی شعراء میں رامائن و مہابھارت کے مصنفین کو حاصل ہے۔ اسکی رزمیہ نظمیں سلاست زبان اور فصاحت و بلاغت میں قیامت تک یادگار رہیں گی۔ اسنے شہر ٹرائے کے محاصرہ اور لڑائی کا مفصل حال شاہنامہ کی طرز پر لکھا ہے۔ ٹرائے ایشیا کوچک میں مارمورا اور بحیرۂ روم کے قریب واقع ہے۔ جو دو صدیوں سے کھنڈر پڑا ہے۔ مترجم

قریب المرگ پیر مرد کی نوحہ خوانی کر رہی ہے۔

اس عجیب و غریب تعویز یا تابوت کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں اس سے بھی زیادہ عجیب تعویز دستیاب ہو گئے۔ اس کمرہ میں جو درمیانی حجرہ ہے بجانب مشرق ہی سفید سنگ مرمر کے دو تابوت ملے۔ بائیں طرف والا تو سیدھا سادہ تھا۔ مگر دائیں طرف کا صنعت دستکاری کا کامل نمونہ پایا گیا۔ اور اس پر جزائر ایونئین کے قدیم ہندوؤں کی طرز کا ایک مندر بنا ہوا ہے اسکے ستون دار کمرہ میں اٹھارہ طاق ہیں۔ اور ہر ایک طاق میں ایک عورت یونانی لباس پہنے کھڑی ہے۔ لعہ ستون دھاری دار ہیں۔ اس مرقع پر بھی رنگ آمیزی کا نشان باقی ہیں اس کا نام تابوت نوحہ خواناں رکھا گیا ہے۔ مگر اسے دیکھکر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ تصویریں ایک ہی شخص کی ہیں جسکو رنج و غم اور نوحہ خوانی کی مختلف اوضاع میں دکھایا گیا ہے یا یہ تصویریں کسی خاص شخص کی نہیں۔ اور صرف رنج و اندوہ کے مختلف طریق اظہار کو ظاہر کر رہی ہیں یعنی آیا اس کو تابوت نوحہ خواناں پکارنا چاہیے یا کہ تابوت نوحہ خوانی۔ تابوت کا ڈھکنا مندر کی چھت کے مشابہ ہے۔ اور دونوں طرف سے ڈھالو ہے۔ اس کے دونوں سروں پر تراشی ہوئی مورتیں ہیں۔ اور کارنیس کے اوپر دونوں پہلوؤں پر جنازہ کے جلوس بنے ہوئے ہیں۔ جو بلندی میں تقریباً بیس انچ ہیں۔ تابوت کے اندر چند مردانی ہڈیاں اور سات کتوں کے سر پائے گئے انکے سوا اور کوئی چیز نہ پائی گئی جس سے مردہ کا نام یا درجہ معلوم ہوتا۔ اسمیں کی قیمتی چیزیں پہلے سے کسی نے نکال لی ہوئی تھیں۔ ابتک تابوت کے اندر کتوں کے سر موجود ہونے کی وجہ ظاہر کرنیکی کسی نے کوشش نہیں کی۔

تیسری طرف جنوبی حجرہ میں مزدوروں کو سفید مرمر کا ایک تابوت ملا جسکی شکل دیکھتے ہی معلوم ہو گیا۔ کہ وہ لیسئین[له] ساخت کا ہے اور لیسئین قبروں کی طرح جو برٹش میوزیم (عجائب خانہ) اور وائنا میں رکھی ہوئی ہیں یہ تابوت بھی چوبی عمارتوں کے نمونہ پر پتھر کا بنا ہوا ہے۔ ڈھکنا چھت کا کام دے رہا ہے۔ جسکے دونوں سروں پر مثلث گوشے بنے ہوئے ہیں اس کی تصویروں کی طرز یونانی تابوتوں کی تصویروں سے زیادہ قدیم اور درشت ہے۔ مگر اس کر انکے زیادہ قدیم ہونیکا نتیجہ نکالنا ممکن ہے۔ انکی نسبت صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ پانچویں صدی قبل مسیح سے جو کہ فنیشی تابوت کا زمانہ تھا۔ پہلے کی ہیں۔ اور کہ تیسری صدی قبل مسیح سے

له لیسیا ایشیا کوچک کے جنوبی ساحل کے ایک حصہ کا پرانا نام ہے۔ مترجم

جس میں نسبتاً زیادہ قابل یونانی تابوت تیار ہوئے تھے - بعد کی نہیں -

لیکن سب سے اچنبھے کی چیز ابھی باقی ہے - مغربی طرف کے حجرہ میں ایک شاندار تابوت سفید سنگ مرمر کا معہ تین اور تابوتوں کے دستیاب ہوا - ان میں سے ہر ایک ایسا بیش قیمت ہے - کہ اگر ان میں سے کوئی ایک کسی اشیاءِ قدیمہ کے متلاشی کو ملجاتا تو اسے مدت العمر کے لئے فارغ البالی ہوجاتی - تابوت ۱۱ فٹ لمبا اور آٹھ انچ اونچا ہے - اور اسکا ڈھکنا تقریباً تین فٹ بلند ہے - اور اس کا نام سکندر[1] فیلقوس کا تابوت رکھا گیا ہے - اور غالباً عرصہ دراز تک اسی نام سے پکارا جاتا رہیگا - گو اس دعوے کی تائید میں ایک بھی ایسی دلیل نہیں پیش کی گئی جو بحث پر قایم رہ سکے - اسکی ایک طرف شکار کا نظارہ دکھایا گیا ہے - اور دوسری طرف لڑائی کا جو یونانیوں اور وحشیوں میں ہو رہی ہے - وحشیوں سے غالباً ایرانی مراد ہیں - یونانی برہنہ بدن یا تنگ دامن قمیصوں اور مقدونی شکل کی خود نما ٹوپیوں سے اور ایرانی چست پاجاموں اور کوٹوں سے جو سر اور ٹھوڑی کو بھی ڈھانپے ہوئے ہیں آسانی تمیز ہوسکتے ہیں - گھوڑوں کے ساز سامان کی بھی آسانی کی شناخت ہوسکتی ہے کہ یہ ایرانیوں کے ہیں - اور یہ یونانیوں کے -

مجھے افسوس ہے کہ اس تابوت کو سکندر اعظم[2] کا تابوت کیوں ظاہر کیا گیا ہے بلحاظ صناعی و دستکاری کا وہ بیشک نہایت عجیب اور نادر شے ہے - مگر تاریخی شہادت قیاس مذکورہ کی صریح مخالف ہے زیادہ توضیح ازیں ہم کوئی حاجت نہ دیکھکر یہی بتانے پر اکتفا کرتا ہوں - کہ سکندر بابل میں فوت ہوا تھا - جہاں سے اسکی لاش پہلے مصر کے قدیم دارالخلافہ میمفس کو (جو قاہرہ سے بجانب جنوب دس میل کے فاصلہ پر اب ویران پڑا ہے مترجم) اور پھر سکندریہ کو پہنچائی گئی تھی اور رومن قیصر آگسٹس نے اسکی قبر کو سکندریہ ہی میں دیکھا تھا - اسوا بنگ کسی شخص نے بیان نہیں کیا کہ اس نے سکندر کی قبر کسی اور جگہ دیکھی تھی - روایت ہے کہ کالی گولا[3] سکندر کے تابوت سے اسکی زرہ بکتر خود پہننے کیلئے اپنے ساتھ روم تہ الکبریٰ کو لے گیا تھا - اسوقت سکندر کی قبر سکندریہ میں تھی - اور کسی نے کبھی ذکر نہیں کیا کہ صیدا میں تھی

[1] اس تابوت کا شہزادی کو نگمناں نے یہی عہد حکومت سلطان عبدالحمید میں فخریہ ذکر کیا ہے مترجم -

[2] سکندر سنہ ۳۵۶ء قبل مسیح بمقام پلا پیدا ہوا - اور سنہ ۳۲۳ء قبل مسیح بمقام بابل فوت ہوا مترجم [3] قیصر کالی گولا سنہ ۱۲ء مسیحی میں پیدا ہوا اور سنہ ۴۱ء میں فوت ہوا - چار برس کی حکومت کے بعد رعایا کے ہاتھ سے جو اسکے جبر و ستم سے تنگ آگئی تھی ہلاک ہوا - وہ اول درجہ کا بدمعاش ظالم - اور بدطینت تھا - علانیہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ سیاہ کاری کرتا تھا - اور رعایا کی مصیبتوں پر بہت خوش ہوا کرتا تھا - اس کا بیان تھا کہ کاش کہ قوم کا ایک سر ہوتا اور میں اسے ایک وار سے قلم کر دیتا - اسنے شراب خانے اور زناخانے بکثرت قایم کئے اور لوگوں سے اپنی عبادت کرائی - مترجم

تابوت پر ایک سوار کی شکل ہے جسکے سر پر شیر کی کھال پڑی ہے اسے سبات کا یقینی ثبوت سمجھا گیا ہے کہ یہ تصویر سکندر کی ہے۔ مگر سکندر ہی ایک ایسا بادشاہ نہیں جسکو سر کی پوشاک شیر کی کھال بنائی گئی ہے علاوہ بریں اگر اس تابوت کی نسبت یہی فرض کر لیا جائے۔ کہ وہ سکندر کیلئے بنایا گیا تھا۔ تو کیا کوئی مصور اور دستکار جسکی عقل بجا ہو بادشاہ کو مرقع کے ایک کونہ میں بناتا اور اسکی تمیز کے لئے کوئی نشان شاہی نہ دیتا۔ مزید براں کیا وہ تابوت پر ایسے مرقعے نقش کرتا جن میں ایرانی مغلوب ہونیکی بجائے فاتح دکھائی دیتے ہوں؟ اسکو کلائٹس[1] کا تابوت کہنا بھی اسی طرح بالکل بے بنیاد ہے اخبارات میں سکندریہ اور (مصر کی مشہور حسین عشوہ فروش ملکہ) کلیوپٹرا کی اصلی قبر دونکی برآمد ہونیکی جو خبر شائع ہوئی تھی۔ وہ محض اخباری دھوکا تھا۔ سکندریہ میں اسکی نسبت کسی کو علم نہیں اسبات کا مجھے ہز ایکسیلنسی طغرانی پاشا نے بزبان خود یقین دلایا تھا۔ پس ان دعووں کی بجائے خفیف سی لاعلمی یا "لا ادری" سے کیوں کام نہیں لیا جاتا۔ اور یہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کہ تابنیث والد اشیمو نیطرث و صیداء کے سوا ابتک ان لوگوں کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ جو اس اور دیگر خوبصورت تابوتوں میں مدفون تھے۔ سردست انکی نسبت یہی تسلیم کرنا کافی ہے۔ کہ ہر ایک تابوت اپنی اپنی طرز میں کمال خوبصورت اور تاریخی پہلو سے نہایت دلچسپ ہے۔

لیکن اسبارہ میں بھی بہت احتیاط درکار ہے۔ ان یادگاروں کو اگرچہ وہ ایک ہی جگہ سے برآمد ہوئی ہیں۔ ایک ہی زمانہ کی یا مقام مذکور کے فنیشی باشندوں کی دستکاری کے نمونے نہیں سمجھنا چاہیئے۔ شاہ تابنیث کے مصری تابوت سے ثابت ہو رہا ہے کہ فنیشیا کے متمول شہزادے اور تجار اپنے تابوت مصر اور دیگر ممالک سے خرید کیا کرتے تھے۔ خواہ وہ تابوت پہلے استعمال میں ہی آچکے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی جگہ سے مصر۔ یونان۔ لیسیا کی صنعت و ساخت کی یادگاریں برآمد ہوئی ہیں۔ یونانی دستکاری کے نمونے اپنی قسم کی نہایت کامل صنعتیں ہیں۔ گو وہ ابھی ایسے زمانہ کی نہیں ہیں جبکہ یونانی میں فنون و صنعت معراج پر پہنچے ہوئے تھے۔ تابوت موسومہ نوحہ خوانی کو پہلی نظر دیکھنے پر جسپر ایک نوحہ خوان عورت

[1] سکندر اعظم کا دوست اور برادر رضاعی تھا۔ اسنے ایک لڑائی میں سکندر کی جان بچائی تھی۔ مگر ایک دفعہ مے نوشی کی جلسے میں جبکہ سکندر مخمور تھا۔ سہلت سے بگڑ کر کہ کلائٹس نے فیلقوس کی کارناموں کو بیٹے کی کارناموں پر ترجیح دی۔ برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔ ہوش آنے پر سکندر کو اسکا سخت رنج ہوا۔ اور کئی دن تک کھانا پینا ترک کر دیا۔ سنہ ۳۸۰ قبل مسیح میں پیدا اور سنہ ۳۲۸ قبل مسیح میں فوت ہوا۔ مترجم

رنج و غم کے مختلف اوضاع میں دکھائی گئی ہے۔ انسان پر ہیبت طاری ہوجاتی ہے مگر تھوڑی دیر کے بعد یہ کیفیت نہیں رہ جاتی۔ اور معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ مصور کی قوت متخیلہ کوئی اعلیٰ درجہ کی نہیں تھی۔ اس تابوت کی نقش و نگار میں وہ لیسی سادگی نہیں جو اس سے پرانے زمانہ کی تابوتوں کے مرقعوں میں پائی جاتی ہے۔ آخرالذکر قسم کی ایک تابوت پر یہ حسرت افزا اور موثر مرقع ہے کہ قریب المرگ آدمی دفعۃً بیوی اور بچوں سے مصافحہ کر رہا اور اپنے کتے کی طرف یاس بھری نگاہ سے تاک رہا ہے۔ تابوت نوحہ خواناں میں ایک ہی عورت مختلف پیرایوں میں جو انسان کی قیاس میں آسکتی ہیں۔ دکھائی گئی ہے۔ اور اسکی صورت سے یہ ٹپکتا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ زبان حال سے ناظر کو کہہ رہی ہے "دیکھو میں کس طرح چلا رہی ہوں۔ اور نوحہ کر رہی ہوں"۔ اس حرمان نصیب عورت کے تمام آنسو اور اوضاع و انداز اُس حسرت بھری نگاہ کے سامنے جس سے متوفی اپنے وفادار کتے کو اور کتا اپنے آقا کو دیکھ رہا کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ ان نگاہوں میں ایسا جادو ہے جو انسان کو بے قابو کئے دیتا ہے۔

سکندر کا مفروضہ تابوت اسی شکل اور قطع کا ہے جیساکہ فکر کا تابوت۔ البتہ یہ فرق ہے کہ وہ آخرالذکر سے جسے میں نے وائنا میں دیکھا تھا۔ نسبتاً بہتر حالت میں ہے۔ لیکن تصویروں کی اس قدر بھرمار ہے۔ کہ وہ سادگی اور صوفیانہ جلال و تمکنت جو یونان کی اعلیٰ درجہ کی دستکاری میں پایا جاتا ہے نہیں رہ گئی۔ وہ سکندر اور سکندر کے زمانہ سے بعد کی ساخت معلوم ہوتا ہے اس میں رقت انگیزی اور نازک خیالی تو موجود ہے۔ لیکن یونان کی بہترین سنگین مورتوں کی سی جلال آمیز سادگی مفقود رہی ہے۔ تابوت لیسین صنعت کاری کا شاندار نمونہ ہے۔ اور ان لیسی تابوتوں سے جو برٹش عجائب خانہ میں ہیں تکمیل و آرائش میں بدرجہا بڑھا ہوا ہے تابوت حاکم صوبہ اول اول تو نامکمل سا اور کسی قدر بھدا معلوم ہوتا ہے۔ مگر تھوڑی سے غور کے بعد اسکی خوبیاں ایسی عیاں ہوجاتی ہیں۔ کہ سب سے بڑھ کر وہی یونانی بت تراشی کے رنگ میں پایا جاتا ہے۔ ان نو برآمد شدہ عجائبات کی طرف انگریز شائقین اشیاء قدیمہ نے اب تک کوئی توجہ نہیں کی میرا خیال ہے۔ کہ ان کا اب پہلی مرتبہ (یعنی میری قلم سے) انگریزی رسالہ[1] میں ایسا ذکر ہوا ہے۔ جسے فی الواقع تذکرہ کہا جا سکتا ہے۔ اب یہ ان لوگوں کا کام ہے۔ جو یونانی بت تراشی کے شوقین ہیں کہ روانگی کی تاریخیں مقرر کرکے قسطنطنیہ پہنچیں اور وہاں بچشم خود معاینہ کرکے ان تابوتوں کی

[1] یہ خطاب پروفیسر میکس مولر نے پہلے لندن کے رسالہ "نیو ریویو" میں شائع کیا تھا۔ مترجم

نسبت اپنی رائے قایم کریں - لیکن یہ میں پہلے سے کہے دیتا ہوں - کہ ان مبصروں کی قطعی رائے خواہ کچھ قرار پائے - ان میں سے ہر ایک اس برآمدگی کی عظمت کو تسلیم اور حمدی بک کے استقلال کا جسے ہر طرف سے بیشمار مشکلات احاطہ کئے ہوئے تھیں - مگر آخر وہ سب پر غالب آ گیا - اعتراف کریگا - یہ تابوت خواہ کن لوگوں کی ہوں - اسمیں کلام نہیں کہ ان سے اول ترکی مبصر ضیاءِ قدیمہ یعنی حمدی بک اور انکے بیدار مغز مربی سلطان عبد الحمید کا نام نامی ہمیشہ کے لئے علمی دنیا کی لوح پر ثبت ہو گیا ہے -

نئے عجائب خانہ کی پہلی منزل کے فرش پر اور بھی کئی یادگاریں رکھی ہوئی ہیں جن میں سے اکثر قبروں اور تابوتوں کے متعلق ہیں - کئی ابھی باہر پڑی ہیں - کہ جوں جوں گنجائش نکلتی آئے اندر رکھی جائیں - ان میں سے ایک قدیم لیسیئن قبر ہے - دوسری منزل میں وہ عجائبات قدیمہ ہیں جو شلیمن اور دیگر متلاشیوں نے ترکی گورنمنٹ کی نذر کئے تھے - ان میں کئی قدیم بابلی - اذنوی اور مفروضہ ہٹی ٹی طرز املار کے کتبے ہیں آیہ جسوقت سلیقہ دلدر رکھی گئے - اور ہر ایک پر باقاعدہ چٹیں لگ گئیں - تو اس فن کے مبصروں کو اس سے بہت مدد ملیگی - ان تمام نوادرات کو ہر شخص معائنہ کر سکتا ہے - اور جو شوقین بغرض استفادہ انکو دیکھنے جائے حمدی بک اور اس کا بھائی دونوں انکی سچی ترکی خوش اخلاقی سے تواضع اور ہر کو علمی تلاش و مطالعہ میں پوری امداد دینے کے لئے ہر وقت تیار ہوتے ہیں :-

مرقومہ پروفیسر الیف میکس مولر

۱۳ - بروصہ

ہمیں بروصہ دیکھنے کا بڑا شوق تھا - مگر قسطنطنیہ میں ہمیں اتنی چیزیں دیکھنے اور اس قدر کام کرنے پڑے کہ جولائی کے پہلے ہفتہ میں جا کر ہمکو اس شوق کے پورا کرنے کی فرصت ملی - خوش نصیبی سے صادق بک ہمارے ساتھ تھا جسکی طفیل ہمیں اس تفریحی سیاحت میں کوئی تکلیف نہ پہنچی - محل ہمایوں کی یاور کی شکل دیکھتے ہی تمام مشکلیں حل ہو جاتی تھیں - البتہ بروصہ کے اس ہوٹل میں بھی جو بہترین سمجھا جاتا تھا - وہ ہماری آرائش کا عمدہ انتظام نہ کر سکا وہاں کی ہر ایک چیز بالخصوص غذا ناقص اور غلیظ تھی - صادق اس سیر کا ذکر سنکر بہت خوش ہوا - اور جب تک سلطان المعظم کی منظوری حاصل نہ ہوئی - بچوں الیسی بیقراری ظاہر کرتا رہا - چونکہ ہم

سلطانی پاوس کے ہمراہ جانا تھا۔ ہمنے کوئی "یول تذکرہ" یعنی دستخطی پروانۂ راہداری بروصہ
جانے کے لئے نہ منگوایا۔ لیکن جب ہم نو بجے کے وقت جہاز پر سوار ہونے کو گھاٹ پر پہنچے
تو صادق ابھی نہیں آیا ہوا تہا۔ اور ادہر ہمارے پاس کوئی پروانہ نہ تہا جس سے جہاز میں سوار ہونے
میں کسی قدر دِقت درپیش آئی۔ مگر جس وقت ہمارے لڑکے نے افسرانِ گھاٹ کو یقین دلادیا
کہ ہم انگلش سرا اور سفارت انگلشیہ کے متعلقین میں سے ہیں تو ہم کو جہاز پر جانے کی اجازت
دیگئی۔ جہازی سفر میں چار گھنٹے صرف ہوئے۔ دن نہایت صاف اور مزیدار تہا۔ گرمی کچھ زیادہ
نہ تھی۔ چنانچہ بحری سفر میں بڑی کیفیت رہی۔ ہمنے مودانیہ کو جانا تہا۔ یہ چھوٹا سا قصبہ
اسی نام کی ایک خلیج کے ساحل پر جو بحیرۂ مارمرا سے خشکی کے اندر کو چلی جاتی ہے واقع
ہے۔ بحیرۂ مذکور میں اسی طرح کی کئی خلیجیں ہیں سب سے بڑی خلیج اسمد ہے جسکے دہانہ پر
جزائر شہزادگان واقع ہیں خلیج مودانیہ میں داخل ہونے پر مسافر کو سب سے اول پہاڑیوں کی
ڈھلاؤ اور دامنوں کا گھنا سبزہ زار نظر آتا ہے۔ پہاڑیاں بعض بعض مقامات پر لبِ آب سے
ہی سیدہی اٹھ رہی ہیں اس سبزہ زار کے ساتھہ ہی دور فاصلہ پر کوہ اولمپس کی برفانی چوٹیاں
بھی دکھائی دیتی ہیں ہم دوپہر کا کھانا جہاز پر ساتھ لیگئے تہے۔ کیونکہ ایسے سٹیمروں میں قہوہ کے
سوا دیگر سامان کی عمدگی کا یقین نہیں ہوتا۔ صادق نے مسافروں میں ہمیں ایک عجیب آدمی
دکھا کر کہا کہ وہ ایک طرح کا شعبدہ باز اور نقال ہے۔ قسطنطینیہ میں اسے سب جانتے ہیں
اور اکثر ترک لوگ اسے اپنے گہروں میں بلاکر اسکا تماشہ دیکھتے ہیں وہ اپنے اعضا اور چہرہ کو مروڑ
کر جسطرح کی شکل چاہے بنا سکتا ہے۔ کچھ عرصہ تک ہم اسے ایک چوہے کے ساتھہ جو اسنے اپنے رومال
کا بنا کر اپنے بازو پر بٹھایا ہوا تہا۔ اسطرح سے کھیلتا دیکھتے رہے کہ گویا وہ چوہا فی الحقیقت
زندہ جانور ہے دوسرے دن (بروصہ میں) جب وہ ہمارے ہوٹل کے پاس سے گذرا تو ہم جھروکہ میں
بیٹھے ہوئے تہے۔ اسنے ہمیں پہچان لیا۔ اور بازار میں کھڑا ہو کر ناچنے اور عجیب و
غریب شکلیں بنانے لگ گیا۔

مودانیہ پہنچنے پر ہم نے گھوڑے گاڑی پر بروصہ جانے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ ٹرین کی روانگی
میں ابھی کچھ دیر تہی۔ گرمی بہت تیز ہو گئی تہی۔ ادہر ساحل سے کچھ دور جا کر ہمیں ایک ڈہلوان بے شجر
گرد آلود سڑک پر چڑھنا پڑا۔ لیکن یہ غنیمت تہا۔ کہ پچھلی طرف خوبصورت نظارے برلب
خلیج درخشاں دہوپ میں چمک رہے تہے۔ آخر جب ہم بلندی کی چوٹی کے قریب پہنچے تو [illegible]

کے گھنے جھنڈوں کا سایہ آگیا۔ چوٹی سے گذرتے ہی بروصہ کا عجیب و غریب میدان نظر آنے لگ گیا۔ دریائے نیلوفر اسکے کنارہ کنارہ بہ رہا تھا۔ اولمپس کی برفانی چوٹیاں اسکی پشت پر کھڑی تھیں۔ اور بروصہ کی سفید فصیلیں، مساجد اور مکانات کوہ مذکور کے دامن میں گھنی سبزی میں سے چمک رہی تھیں۔ جتنی سبزی اس جگہ ہے۔ اسقدر کسی اور جگہ شاید ہی ہوگی۔ یہاں کی ہوا ایسی صاف شفاف ہے۔ کہ ہمنے خیال کیا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ میں ہم منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ حالانکہ ہم ابھی تک نصف ماہ کے پڑاؤ سے بھی بہت دُور تھے۔ چوٹی سے نیلوفر کی اترائی بڑی کا سیدھی ہے۔ اور گرمی نے بہت ستا رکھا تھا۔ جب پڑاؤ آیا۔ تو ہمنے لاکھ لاکھ شکر کیا وہ شمشاد کے درختوں میں نالہ کے کنارہ پر بنا ہوا ہے۔ موسم سرما اور اوائل بہار میں یہ دریا بہت زور سے بہتا ہے۔ یہاں سے لیکر بروصہ تک سڑک کی دونوں طرف کل اراضی زیر کاشت اور نہایت زرخیز ہے۔ اُسی شام ہمنے شہر میں تھوڑی دیر سیر کی جس سے ہمیں معلوم ہو گیا۔ کہ وہ سلسلہ کوہ اولمپس کی تین شاخوں پر آباد ہے۔ یہ عمیق گھاٹیاں جن پر اوپر نیچے دونوں جگہ پل بنے ہوئے ہیں۔ ان شاخوں کو ایکدوسرے سے جدا کر رہی ہیں۔ درمیانی آبادی شہر کا قدیم ترین حصہ ہے۔ اسکی بلند ترین مقام پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ عثمان و ارخان کی قبریں اور عثمانلی سلاطین کا قدیم محل سرا بھی اسی موقع پر ہے۔ آبادی مذکور کے نشیبی حصہ میں کلاں مسجد اور بازار ہیں۔

مشہور سبز مسجد اور محمد اول کی تُربت جو بروصہ کا دُرِ شہوار شمار ہوتی ہیں مشرقی شاخ میں جسے گوق صو (آب نیلی) درمیانی شاخ سے جدا کرتا ہے واقع ہیں۔ مغربی شاخ "قبور سلاطین" کے لئے مشہور ہے۔ بروصہ جسکا نام اسوقت پروسہ تھا۔ پہلے صوبہ بتھینیا کا دارالخلافہ تھا جسے آخری بتھینین بادشاہ نے رومن فاتحین کے حوالہ کر دیا تھا۔ پلینی خورد پروسہ کا گورنر تھا اسکے زمانہ میں یہ بڑا آباد اور بارونق شہر تھا۔ اسوقت کئی گرم حمام۔ یونیورسٹی اور کتب خانہ وہاں موجود تھے۔ سالہائے دراز تک کبھی اسپر عیسائی اور کبھی مسلمان قابض رہتے تھے۔ آخر ۱۳۲۶ء میں دوم عثمانی سلطان ارخان نے اسے قطعی طور پر فتح کر لیا۔ اور اسوقت سے وہ عثمانلی سلاطین کا مقام رہائش اور انکی سلطنت کا دارالخلافہ بن گیا۔ درمیانی شاخ پر رومن عمارتوں کے جابجا آثار باقی ہیں۔ اور بائی زنطینی فصیل کے ٹکڑے کئی جگہ اب تک صحیح سالم کھڑے ہیں۔

دوسرے دن ہم علی الصباح بیدار ہو کر ہوٹل سے باہر نکل گئے۔ کیونکہ بروصہ میں بیشمار مسجدیں اور مقبرے ہیں۔ اور وہاں کی نسبت عام مشہور ہے۔ کہ سال بھر کے دنوں میں سے ہر ایک کیلئے جدا جدا

مسجد اور جدا جدا سیرگاہیں ہیں۔ کلاں مسجد ٹھیک مربع شکل کی ہے۔ اسکا نقشہ ابتدائی زمانہ کی جامع کے مطابق ہے اور قسطنطنیہ کی مساجد سے بہت مختلف ہے جو تقریباً سب کی سب ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں۔

مسجد کلاں کے پانچ دروازے ہیں صحن کے وسط میں ایک کشادہ میدان بے سقف ہے تاکہ حوض پر دہوپ پڑتی ہے منبر کے ماسوائے جسپر نہایت عمدہ نقش ونگار اور بیل بوٹے ہیں باقی تمام مسجد قسطنطنیہ کی مسجدوں کے مقابلہ پر ہمیں بہت ہی سادہ نظر آئی۔ مگر جب ہم مسجد میں داخل ہوئے تو ہم تعجب و حیرت سے دم بخود رہ گئے۔ اسے ۱۴۲۰ء میں سلطان محمد اول نے تعمیر کرایا تہا۔ اندرونی دیواریں از سرتا پا پرانی وضع کی نہایت ہی خوبصورت مینا کاری اور پچی کاری سے ڈھنپی ہوئی ہیں۔ جو زیادہ تر سبز رنگ کی ہیں مسجد کا ایک پہلو اور دروازے بیل بوٹے دار سفید سنگ مرمر کے ہیں پہلے اسکے دو مینار بہی تہے۔ جنپر چوٹی سے لیکر پاؤں تک پچی کاری تہی۔ ۱۸۵۵ء کے مہیب زلزلہ میں جس سے شہر کا حصہ منہدم اور ایک ہزار سے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے تہے گر گئے۔ اس مسجد کے سامنے بروصہ کی خوبصورت وادی دور تک پہیلی چلی گئی ہے۔ اور اسکے قریب ہی سلطان محمد اول کا مقبرہ ہے جو سارے شہر کا گوہر یکتا تصور ہوتا ہے کسی زمانہ میں وہ اندر باہر دونوں طرف سے پچی کاری سے ڈھنپا ہوا تہا بیرونی پچی کاری متذکرہ بالا زلزلہ میں گر گئی جسکے عوض واقف پاشا نے سبز کہپریلیں لگا دیں۔ پاشا موصوف نے اپنے گورنری کے زمانہ میں شہر کی بہت کچھ رونق بڑہا دی تہی اس مسجد کے اندرونی حصہ کی پچی کاری کی جو زیادہ تر بیل بوٹوں کی شکل میں ہے۔ خوبصورتی کو بیان کرنا انسان کے حیطۂ اقتدار سے باہر ہے۔

واقف پاشا ہماری سیر سے ماقبل کے سال (۱۸۹۳ء) میں فوت ہوئے تہے۔ وہ نہایت بیدار مغز اور اعلیٰ التعلیم یافتہ تہے۔ ہمنے انکے بے نظیر کتب خانہ کا رومیلی حصار میں معائنہ کیا تہا۔ جب ہم ٹرکی میں تہے۔ اسوقت یہ کتب خانہ فروخت کیلیے رکہا ہوا تہا۔ صادق بک نے ہمارے اس کتب خانہ کو دیکہنے کا انتظام کیا۔ اور ایک سہ پہر انکے ہمراہ جاکر رومیلی حصار[1] میں جہاز سے خشکی پر

---

[1] رومیلی حصار باسفرس کی تنگ ترین جگہ پر واقع ہے۔ روایت ہے کہ کیخسرو شاہ ایران اسی موقع پر باسفرس کو عبور کرکے یورپ میں داخل ہوا تہا۔ قلعہ مذکور محمد فاتح نے عین محاصرہ قسطنطنیہ سے پہلے تعمیر کروایا تہا۔ اسکی چار دیواری اس طرح سے بنائی گئی ہے۔ کہ اس سے عربی خط میں بانی کا نام (یعنی محمد) بنگیا ہے۔ ہر میم کی جگہ برج بنا ہوا ہے۔ اور کل عمارت ایسی خوبصورت ہے اور دلفریب ہے کہ الفاظ اس کی تعریف سے قاصر ہیں۔ مصنف

اترے۔ اور اس جھوٹے سے قصبہ کی ڈھلوان بازاروں پر چڑھنا شروع کیا۔ یہ بازار ایسے ڈھالدار ہیں کہ چلنے والوں کی آسانی کے لئے ان میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ وآنق پاشا کی مکان کی چار دیواری پہنے بلندی کی عین چوٹی پر پائی۔ ہمارے کھٹکھٹانے پر دربان مذکور کا ایک دروازہ کھول دیا گیا۔ اور اندر داخل ہونے پر ہم نے اپنے تئیں ایک باغ میں پایا۔ جسے گلاب کے پھولوں کا انبار کہنا زیادہ بجا ہو سکتا ہے۔ کئی نوکر ہمارے استقبال کیلئے دست بستہ کھڑے تھے۔ ٹرکی میں ملازموں کے لئے کھڑا ہونیکا یہی درست اندازہ ہے۔ کہنہ اسکی یہ ہے کہ فی الفور معلوم ہو جائے۔ کہ ان کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ وہ ہم کو مکان کی طرف لیگئے۔ مکان لمبا اور بلندی میں درمیانی تھا۔ کتب خانہ اسکے سب سے بڑے کمرہ میں تھا جسکو اسکے مرحوم مالک نے بڑی احتیاط اور محنت سے جمع کیا تھا۔ اسمیں انگریزی اور فرانسیسی کتابوں کی بہت سے نایاب پہلے اڈیشن تھے۔ جن میں سے اکثر پرانی مستند کتابیں تھیں۔ ان کے علاوہ متعدد گریمریں (قواعد) اور ڈکشنریاں (لغاتیں) اور چند بے نظیر قلمی نسخے بھی تھے۔ خوبصورت ظروف چینی مینا کار کھپریلیں اور بہت سے دیگر عجائبات بھی کمرہ میں ادھر ادھر رکھی ہوئے تھے۔ سب چیزیں فروختنی تھیں۔ نوکروں نے ذکر کیا کہ ایک امریکن نے کل مجموعہ کیلئے بہت بڑی رقم پیش کی تھی۔ مگر وارثوں نے اسے منظور نہ کیا۔ اور اب اچھا موقعہ ہاتھ سے کھو دیا۔ ہمارے چلے آنیسے بھی کئی مہینے بعد تک نیلام جاری رہا۔ اور تھوڑی تھوڑی کتابیں کر کے بیچی جاتی رہیں۔ اور جب عرصہ دراز کے بعد کل مجموعہ فروخت ہوا تو سارا زرثمن امریکن کی پیش کردہ سے بہت کم نکلا۔ ہمارے بیٹے نے بھی ایک نایاب کتاب بہت ہی سستے داموں پر خریدی۔ مگر اس قصہ کو یہیں چھوڑ کر بروصہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اس دن ہمنے صرف ایک مسجد یعنی بایزید اول کی مسجد اور مقبرہ دیکھا۔ یہ دونوں عمارتیں ایک ٹیلہ پر باقی سب عمارتوں سے علیحدہ یکہ و تنہا حالت کس مپرسی میں کھڑی ہیں۔ بایزید یلدرم (صاعقہ و برق) فاتح یونان سرویا۔ و الیشیا و متعدد عظیم صوبجات ایشیا۔ تیمور شاہ مغلاں سے شکست کھانے اور اسکے ہاتھ اسیر ہونے سے بعد یہیں دفن ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ تیمور تقریباً آٹھ مہینوں تک بایزید کو ساتھ ساتھ لئے پھرتا رہا۔ حتی کہ وہ دلی رنج و اندوہ سے فوت ہو گیا اور اسکی لاش بروصہ کو بھیجدی گئی۔ عثمانی فرمانروایوں میں سب سے اول بایزید نے ہی سلطان کا لقب اختیار کیا تھا۔

اس مسجد و مقبرہ کے معائنہ کے وقت تک گرمی تیز ہوتے ہوتے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔

صادق نے مسقّف بازاروں میں پناہ لے لینے کا مشورہ دیا۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور وہاں کوٹاہیہ[1] کے ظروف گلی کے چند دلفریب نمونے معائنہ کئے۔ ان برتنوں کا رنگ و روغن نہایت ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ اسے دیکھکر طبیعت بے اختیار للچا جاتی ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ اس قدر نازک ہوتے ہیں کہ ہمنے زیادہ خریدنے مناسب نہ سمجھے۔ میں نے جو ایک خوبصورت گلدان خریدا تھا۔ وہ ہوٹل تک پہنچنے سے پہلے ہی چور چور ہو گیا۔ ہمنے بروصہ کے ریشمی کپڑے اور تولئے خریدے کیونکہ وہاں کے تولئے بہترین ترکی تولئے شمار ہوتے ہیں۔ صادق نے بھی اپنے ساتھی یاوروں اور دیگر دوستوں کے لئے بہت سے چھوٹے چھوٹے تحفہ تحائف خریدے گئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا تھا۔ کہ سورج کی حدّت کم ہونے تک ہلکی سے ہلکی پوشاک پہنے اپنے اپنے کمروں میں آرام کرتے رہیں۔ آفتاب کے ڈھلنے پر ہم گاڑی میں سوار ہو کر درمیانی قصبہ کے بالائی حصّہ کو گئے۔ اور قلعہ کے گرداگرد چکّر کاٹ کر اس طویل چبوترہ پر پہنچ گئے۔ جسے واثق پاشا نے بنوایا تھا۔ وہاں سے متعدّد دلفریب نظارے ہوتے ہیں۔ بائیں میں شہر بلند شمشاد و سرو اور دیگر بیشمار اقسام کے درختوں کی سبزی سے گھرا ہوا دائیں بائیں پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور شہر کے پرے بروصہ کی زرخیز وادی دور تک پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

عثمان اور اسکے فرزند اورخان فاتح بروصہ کے مقبرے اس چبوترے کے عقب میں ہیں واثق نے انکی بھی مرمّت کرائی تھی۔ وہ چند سیادینے والے سفید سنگ مرمر کے ہیں آہمانندی استنبول کے مقبروں کی طرح خوبصورت شالوں اور قالینوں سے آراستہ ہیں عثمان کی دستار میں جو اسکی قبر کے سرہانے آویزاں ہے طبقہ عثمانیہ کا (جسے ۱۸۶۱ء میں عبد العزیز مرحوم نے قایم کیا تھا) مرصّع بالماس تمغہ لگا ہوا ہے۔ اور تمغہ کے ساتھ طبقہ مذکور کی اعلیٰ حمائل مع ستارہ جو بڑے بڑے ہیروں سے بنا ہوا ہے۔ لٹک رہی ہے۔ گو مقبرہ میں ہر وقت ایک چوکیدار موجود رہتا ہے رات کو یہ نشان و حمائل بغرض حفاظت ایک مضبوط حجرہ میں جو زمین میں ہے۔ بند کر دیئے جاتے ہیں۔ ان آرائشوں کا معائنہ کرتے ہوئے ہم نے صادق کو دیکھا کہ وہ چند قدم پرے ہٹ کر مودبانہ وضع سے کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے سلطان عظیم کی قبر کے پاس جو پہلا[2] عثمانیہ خلیفہ تھا کھڑا ہو کر دعا مانگتا رہا بعد ازاں کی

[1] ایشیا کوچک کا مشہور شہر ۔ مترجم [2] یہ غلط ہے۔ عثمان ابوالسلاطین اور بانی خاندان عثمانیہ تھے۔ مگر خلیفہ نہ تھے۔ اول عثمانی خلیفہ سلطان سلیم اوّل ہوا ہے۔ زیادہ توضیح کے لئے دیکھو تاریخ خاندان عثمانیہ ۱۲ مترجم

ہم مراد ثانی کے مقبرہ کو گئے یہ سیدھی سادی گنبد دار عمارت ہے۔ اور اسمیں وہ سلطان خواب عدم میں لیٹا ہوا ہے جسنے کئی خونخوار معرکوں میں ہنگری اور البانیہ کے جرنیلان اعظم ہنیاڈ اس اور سکندر بیگ کو شکستیں دی تہیں اور پہر تخت چہوڑ کر صوبہ میگنیشیا میں چلا گیا تہا۔[1] جہاں اسکی باقی عمر عیش و عشرت میں بسر ہوئی۔ تاہم مرتے وقت ایک غریب آدمی کی طرح معمولی کچی قبر میں دفن کئے جانیکی وصیت کی جسکی تعمیل کی گئی۔ مگر پھر بہی قبر کی مینڈ کے گرداگرد سنگ مرمر لگا دیا گیا۔ اور تاکہ اسپر بارش اور دہوپ پڑتی رہے گنبد کو بیچ سے کہلا رہنے دیا گیا۔ یہ مقبرہ نہایت ہی پُر فضا موقع پر شہر کے شور و شغب سے بالکل علیحدہ ہے "قبور سلاطین" چاردیواری کی گھری ہوئی ہیں۔ انکے گرداگرد گلاب کے چمن ہیں۔ اور شمشاد کے لنبے لنبے بڑے درخت ان پر سایہ ڈالے ہوئے ہیں کہ انگلستان میں انکے برابر ہم نے شمشاد کا کوئی درخت نہیں دیکھا۔ یہ قبریں تعداد میں آٹھ یا دس ہیں۔ اور معمولی اینٹوں یا پتھروں کی ہیں۔ لیکن بعض میں پرانی دستکاری کی خوشنما کھڑکیاں بھی لگی ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک مراد ثانی کی عیسائی بیوی کی ہے۔ وہ سرویا کی شاہزادی تہی۔ اور سلاطین کی عیسائی حرموں میں سے ایک وہی ایسی تہی جو اپنا آبائی مذہب ترک کر کے مسلمان نہیں ہوئی تہی۔ مشہور روکسلانا (روشنک یا خورم) نے جسکی قبر ہمنے قسطنطنیہ میں دیکھی تہی۔ ابتدا ہی میں اپنا مذہب (کلیسیا یونانی) ترک کر دیا تہا۔ قبور سلاطین کی چاردیواری میں کئی قبریں شعراء۔ فلاسفروں۔ اور درویشوں کی ہیں جو اپنے سلاطین کے درباروں میں بمقام بروصہ جمع رہتے تہے۔ شفق کے نمودار ہونے تک ہم اس خاموش اور پُر تاثیر قبرستان میں ٹھہرے رہے۔ پھر ہوٹل واپس جا کر کھانے سے فراغت پانیکے بعد باغ میں جا بیٹھے۔ اور صادق بیگ ہمارے پاس بیٹھا ہوا نارگیلہ پیتا رہا۔ اس کے مل جانے پر سگرٹ یا چرٹ کا نام نہیں لیتا تہا۔

دوسرے دن علی الصبح انگریزی قونصل ہماری ملاقات کو ہوٹل میں آیا۔ اور ہمارے ساتھ بازار میں گیا۔ پہلا صبح کا سارا پہر ہم نے خرید و فروخت میں صرف کیا۔ صادق اس معاملہ میں بہت ہوشیار ثابت ہوا۔ وہ دوکاندار کو پہلے اسکے مذہب کی قسم دیکر دریافت کرتا کہ اسکی خود فلاں چیز کتنے کو خریدی

[1] مراد ثانی کا بحالت عزلت نشینی فوت ہونا درست نہیں۔ اسنے دو دفعہ بیشک تاج و تخت کو تیاگ کر اپنے فرزند محمد فاتح کو بادشاہ بنا دیا تہا۔ مگر دونوں مرتبہ شہزادہ کی صغر سنی سے مجبور ہو کر اسے مہام سلطنت پھر اپنے ہاتھ میں لینی پڑی۔ اور وفات کے وقت تک برابر حکمران رہا ۱۲ مترجم

تھی۔ پھر جیسا مناسب سمجھتا پانچ یا دس فیصدی اسپر منافع بڑھا دیتا۔ اسکی امداد سے ہم نے دو فی الواقع نہایت ہی شاندار قالین دو باریک کام کے چاندی کے خنجر بڑے (جو تقریباً دو سو برس کے پرانے ہیں۔ اور جنکی لسبت خیال کیا گیا ہے۔ کہ جس شخص کے قبضے میں ہوں اسکی دولت و حشمت میں ترقی ہوتی رہتی ہے) دو الماسی کار پنیں (کالر یا ٹائی کو لگانے کی سوئیاں) ایک نہایت خوبصورت ایرانی مینا کار طلائی انگشتری قہوہ کی پیالی کے لئے ایک مزید ابریشمی کپڑا۔ اور کئی دیگر چیزیں خرید کیں۔ بروصہ کا ریشمی کپڑا جو نہایت نرم اور ہلکا ہوتا ہے۔ بلاد شرق میں بہت مشہور ہے۔ ہمنے کئی خوبصورت یونانی لڑکیوں کو جو ریشمی کیڑے پالتی ہیں۔ بڑے بڑے ٹوکرے کویوں سے بھر کر کاتنے کے کارخانوں کو لے جاتے دیکھے۔ ان کیڑوں کی پرورش اور ریشم کے بنانے کا کام بالکل یونانیوں کے ہاتھ میں ہے۔ جب ہم بروصہ میں تھے۔ تو ان دنوں بحساب اوسط ایک لاکھ کوئے یومیہ اردگرد کے دیہات سے بروصہ لائے جاتے تھے۔ شکر گاہ میں ہمنے عورتوں کو یہ کوئے بازار بھیجنے کیلئے کاتتے بھی دیکھا۔ وہ سبک دھاری دار ریشمی گاج جس سے قائیتا جبئیوں کی قمیصیں بنائی جاتی ہیں۔ بروصہ میں ہی بنتی ہے۔

سہ پہر کو ہم پیر قونصل کے ہمراہ سیر کو نکلے۔ اور پہلے سلطان مراد اول کی مسجد کو گئے وہ موضع شکرگاہ[1] کی سڑک پر واقع ہے یہ مسجد صرف اس لحاظ سے قابل دید ہے کہ مسجد کی بجائے وہ زیادہ تر عیسائی راہب خانہ کے مشابہ ہے۔ سو فتاؤں یعنی مذہبی طلبا کے حجرے مسجد کا جزو ہیں۔ اور حسب معمول صحن سے جدا نہیں بنے ہوئے۔ بنا بریں طلبا اپنے حجروں میں ہی بیٹھے جمعہ کی نماز میں شریک ہو سکتے ہیں۔ اس سلطان کے مقبرہ میں ہمنے بہت بڑی سی دیگ دیکھی۔ وہ ہر وقت غلہ سے پُر رہتی ہے۔ اور یہ غلہ لوگوں کے پاس فروخت کیا جاتا ہے۔ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ تخم کے ساتھ اگر اس دیگ کے غلہ سے چند دانے ملا دیئے جائیں۔ تو فصل بہت اچھی ہوتی ہے۔ اس مسجد کے برآمدہ سے علاقہ کا اچھا نظارہ ہوتا ہے۔ اس میں سنگ مرمر کا ایک فوارہ ہے جسکی ایک ٹونٹی سے سرد اور دوسری سے گرم۔ پھر اسی طرح سے ایک سے سرد ایک سے گرم پانی نکلتا ہے قدماء کو کئی ایسے چشمے یاد تھے۔ جن میں سرد اور گرم پانی بالکل قریب ہوتے تھے۔ ایک ایسا

[1] شکر ترکی میں ٹڈی کو کہتے ہیں اور گاہ یعنی موضع۔

چشمہ بڑائے میں بھی تھا۔ مگر اب اس کا نام و نشان تک معدوم ہوگیا ہے صادق پاشا نے ذکر کیا کہ پچھلے برس میری بیوی حمام کرنیکے لئے شکرگاہ آئی تھی انکی ماں ساتھ تھی جو اس چشمہ کو دیکھکر سخت حیران ہوتی تھی۔ مسجد سے ہم آہن اور گندھک کے مشہور چشموں کو دیکھنے کے لئے موضع شکرگاہ کو گئے اور وہاں کی ایک سرائے کی سیر کی۔ مئی کے مہینوں میں وہاں کی سرائیں وجع مفاصل اور دیگر اعصابی بیماریوں کے مریضوں سے پُر ہوجاتی ہیں ان میں نلوں کے ذریعہ سے ان چشموں کا پانی لایا جاتا ہے۔ یہ پانی ایک طرح سے خالص گندھک اور آہن ہوتا ہے بعض چشموں کے پانی فہرن ہائیٹ تھرمامیٹر کے پیمانہ کے مطابق ۱۷۰ درجہ کی گرمی رکھتے ہیں۔ غالباً شکرگاہ ہی وہ جگہ ہے جہاں قیصر جسٹینین نے محل اور حمام بنوایا تھا۔ اور قیصرہ تھیوڈورا چار ہزار آدمیوں کے جلوس سے اس حمام اور محل کو گئی تھی۔

ہم نے سب سے مشہور حمام کی سیر کی۔ یہ تقریباً ۳۵۰ برس ہوئے سلطان سلیمان اعظم خان کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ جنٹلمین مردانہ حماموں میں اور لیڈیز زنانہ میں گئیں۔ کل عمارت پر نہایت ہی خوبصورت و سبک طرز اور شوخ ترین رنگ کی میناکاری ہے۔ بیرونی کمرہ میں بدیع الجمال ترکی خاتونیں غسل کے بعد رنگ برنگ کے نہایت ہی شاندار ریشمی اور سنہری روپہلی پوشاکیں پہنے دیوانوں پر بیٹھی ہوئی ایک دوسری سے باتیں کر رہی اور ساتھ ہی سگرٹ پی رہی اور قہوہ کی چسکیاں لگا رہی تھیں۔ دوسرے کمرہ میں کئی خاتونیں جو ابھی گرم حمام سے باہر نکلی تھیں برہنہ تن با چشمہائے نیم باز استراحت کر رہی تھیں۔ اس کمرہ اور خاص حمام کے کمرہ میں اس قدر گرمی تھی۔ کہ میں چند لمحوں سے زیادہ وہاں نہ ٹھیر سکی۔ حمام کے کمرہ میں بہت بڑا حوض ہے جس پر اونچا گنبد بنا ہوا ہے۔ اسکے گرم پانی میں عورتیں ادہر ادہر تیرتی پھرتیں تھیں اور انکی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں انکے جسموں کی چندھیا دینے والی سفیدی کے مقابلہ پر عجیب سرور بخش کیفیت دکھا رہی تہیں۔ حماموں کے پائیں میں اس جگہ جہاں کہ پانی گرتا ہے بہنے لوہے کا اتنا بڑا انبار دیکھا کہ خاصی چھوٹی سی پہاڑی معلوم ہوتا ہے۔ حمام سے نکلکر ہم گاڑی میں اس سڑک پر چڑھ گئے جسے پہاڑی کے ڈھلاؤ پر وافق پاشا نے بنوایا تھا۔ اس سڑک سے دلفریب نظارے ہوتے ہیں ہم تقریباً عین مغرب کے رخ جاکر آخر موضع اِنکا آیا پہنچ گئے۔ وہاں سے جھیل اپولونیا کا جو موضع مذکور سے بہت نشیب میں ہے۔ اور نیز جنگل کا جو چار طرف کئی میلوں تک

چلا گیا ہے۔ عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ انکا آبا بن شہ شاہ کا ایک درخت ہے۔ جو پانچ آدمیوں کو گھیرے میں نہیں آتا۔ ہم کچھ دیر اسکے نیچے بیٹھکر شہتوت کھاتے رہے۔ جو گاؤں سے لڑکے ہمارے لئے لے آئے تھے۔ یہانتک میرا خاوند صرف صادق بک کے ساتھ اکیلا گاڑی پر گیا تھا۔ اس نے بعد میں مجھ سے ذکر کیا کہ صادق بک کے ساتھ اسکی اسلام اور عیسویت پر عجیب گفتگو ہوئی تھی جس سے معلوم ہو گیا تھا۔ کہ صادق قرآن شریف اور اپنے مذہب کے احکام سے پوری پوری واقفیت اور خبر رکھتا ہے۔ اور اپنے پیغمبروں کا جان نثار معتقد ہے۔ مگر اسکے ساتھ ہی تعصب کا نام تک نہیں جانتا۔

واپسی کے وقت بھی عمدہ تفریح ہوئی۔ پہلے ہم قونصل کے مکان پر گئے۔ وہاں اس نے کوٹا ہیہ کے ظروف گلی کا بہت سا ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ اسجگہ ہمنے اس قواص سے جو قونصل کے ساتھ ملکر نوجوان انگریز مسٹر میکلن کی تلاش کر رہا تھا۔ بات چیت کی۔ مسٹر میکلن کوہ اولمپس پر گم ہوا تھا۔ اس واقعہ کے حالات اکثر لوگوں کو ابھی تک یاد ہوں گے۔ مختصر کیفیت یہ ہے۔ کہ مسٹر میکلن اور انگریزی سفارت کا مسٹر ہارڈنگ ملکر پہاڑ پر چڑھے تھے۔ مگر تقریباً ایک گھنٹہ بعد چوٹی تک پہنچنے سے پہلے ہی دونوں جدا ہو گئے۔ کیونکہ مسٹر ہارڈنگ زیادہ چست چالاک ہونیکی وجہ سے مسٹر میکلن کی نسبت زیادہ جلد چڑھ سکتا تھا۔ اسوقت سے بعد پھر میکلن کا پتہ نہ ملا۔ قونصل اور قواص دونو کی رائے تھی کہ اسی وحشی البانوی گڈریوں نے جو پہاڑ کی چوٹیوں اور مرغزاروں پر اپنے ریوڑ چراتے رہتے ہیں قتل کر دیا۔ اور جب ترکی گورنمنٹ نے تلاش شروع کی۔ تو نشان معدوم کرنیکے لئے اسکی لاش کو جلا دیا۔ کل جستجو سے صرف ایک ذرا سا نشان ملا۔ قواص نے بتایا۔ کہ ایک جگہ مجھے سب سے پہلے قدموں کے کھوج دکھائی دیئے۔ جن سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ چند آدمیوں میں یہاں دھینگا مشتی ہوئی ہے۔ اس جگہ کو کھودنے سے مجھے چند انگریزی سکے دستیاب ہوئے۔ مگر جرم گڈریوں پر ثابت نہ ہو سکا۔ اب آئندہ کیلئے لوگوں کو سوچ کر کوہ اولمپس پر چڑھنا چاہئے۔ ترکی گورنمنٹ حفاظت کیلئے کوئی آدمی ساتھ نہیں دیتی۔ مسٹر ہارڈنگ اور میکلن کے ساتھ کوئی راہبر بھی نہ تھا۔ دوسری صبح ہم بروصہ سے ریل پر روانہ ہو گئے۔ ایک بلا چھت کی کھلی گاڑی ریزرو کرا لی گئی تھی۔ اسپر مکلف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اور اوپر سائبان پڑا ہوا تھا جس سے ہماری نظر چاروں طرف کام کر سکتی تھی۔ رستہ بڑی عمدگی سے طے ہوا۔ کھیت لہلہا رہے تھے۔ اور دہقانوں کی

جھونپڑیاں جا بجا بنی ہوئی تھیں - سودانیا کی طرف کی انتہائی کے وقت درشتہ زیتون انجیر انگور - اخروٹ - شاہ بلوط اور سفید شہتوت کے درختوں کے بیشمار جھنڈوں میں سے گذرتا تھا - شہتوت کے درخت ریشمی کیڑوں کی پرورش کیلئے لگائے جاتے ہیں - قونصل اور ریلوے لائن کا انجنیئر سودانیا تک ہمارے ساتھ آئے - وہاں انگریزی سفارت کا حفاظتی جہاز ہمارے انتظار میں کھڑا تھا - جہاز کا کپتان ہیگس مع میم جہاز پر موجود تھا - اور ٹھیٹھ انگریزی طرز کا ناشتہ ہمارے لئے تیار کیا گیا ہوا تھا - اس ناشتہ سے صادق بہت محظوظ ہوا - انگریزی جنگی جہاز دیکھنے سے بھی اُسے بڑی خوشی ہوئی - واپسی کا بحری سفر بھی جرے سے طے ہوا - جہاں گولڈن ہارن کے دہانہ کے قریب لنگر زن ہوا - اور صادق بک ہیں سے سلطان المعظم کو ہماری واپسی اور اس امر کی اطلاع کرنے کے لئے کہ ہم اس سیاحت سے کمال محظوظ ہوئے ہیں - اور نیز ہماری طرف سے شکریہ عرض کرنے کے لئے سید حاحِل ہمایوں کو روانہ ہو گیا ؁

(۱۴) امام حسنؓ و حسینؓ

دنیا میں بعض ایسی چیزیں ہیں کہ دیکھنے سے پہلے تو خیر وہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہی ہیں مگر دیکھ لینے کے بعد وہ پہلے سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار معلوم ہوتی ہیں - یہ امر ایسا ہی قدیم زمانہ کی افسانہ نما روایتوں سے ہی نہیں بلکہ تاریخ سے بھی واضح ہے کہ بعض اوقات مذہبی خبط ایک قسم کی مجنونانہ وارفتگی ہو جاتا ہے - اور چشم دید معتبر مشاہدوں کے بیان موجود ہیں کہ انہوں نے لوگوں کو مذہبی دیوانگی کے جوش میں اپنے جسموں کو خوفناک اذیتیں اور ضربیں پہنچاتے اور دوسروں پر مظالم ناگفتہ بہ توڑتے دیکھا ہے - مگر بسا اوقات ان تذکروں کی پوری ماہیت پر غور کرنیکے بغیر ہم سرسری نظر سے انہیں عبور کر جاتے ہیں - اور دل میں خیال کر لیتے ہیں - کہ وحشت کا جبلّی خاصہ ہی یہی ہے - اور اگر وہ تذکرے نسبتاً زیادہ مہذب اقوام کے متعلق ہوں - تو یہ قیاس کر لیتے ہیں - کہ ایسی حرکات بدمستی اور شراب کے نشہ کا لازمی نتیجہ ہوتی ہیں - مگر قسطنطنیہ کی موجودہ باشندوں کو کوئی شخص وحشی نہیں پکار سکتا - اور یہ ظاہر ہے - کہ نشہ آور چیزوں کا ہماری نسبت وہاں بہت کم استعمال ہوتا ہے - تاہم امامین حسنؓ و حسینؓ کے ماتم کے دنوں میں جو کچھ ہم نے وہاں مشاہدہ کیا - اور

جو ہر سال محرم کے پہلے دنوں میں وہاں ہر ایک شخص مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اسپر اعتبار کرنا ایسا مشکل ہے۔ کہ انسان اسکی کیفیت بیان کرنیکی جرأت نہیں کر سکتا۔ مگر یہ بتا دینا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ کہ ترکوں کا اس عجیب غریب طریق اظہار رنج و ماتم میں کوئی دخل نہیں۔ بلکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ لیکن سلطان المعظم اس خیال سے کہ متعصب نہ گنے جائیں اس طریقہ کو بند کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ کام زیادہ تر ایرانیوں کا ہے۔

قسطنطنیہ کے ایرانی باشندوں نے ترکی حکومت میں ایک طرح کی خود اپنی حکومت قایم کر رکھی ہے۔ اور وہ ہر سال ان مذہبی مظالم کو مشاہدہ کرنیکے استحقاق سے ہرگز دست بردار نہیں ہونا چاہتے۔ ہمیں اس ماتم کو دیکھنے کے لئے ایرانی سفیر نے مدعو کیا تھا۔ چنانچہ ہم شام کے قریب ایک بڑی خان میں جو مربع شکل کی اور چاروں طرف سے دوکانوں اور مکانات سے گھری ہوئی ہے۔ جا پہنچے۔ وہ خلقت سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اسکے صحن میں درخت بھی موجود ہیں۔ تاریکی پڑنے پر مکانات میں چراغاں کی گئی۔ اور سرا میں بڑی بڑی مشعلیں روشن کی گئیں۔ جنپر زیادہ تر مٹی کا تیل ڈالا جاتا تھا۔ مٹی کے تیل دھوئیں موریوں اور ان ان کے جسموں اور پسینوں کی بو سے کھلے میدان میں بھی ٹھیرنا سخت مشکل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنیکے بعد باجے کی آواز سنائی دی۔ اور لوگوں نے ایک بڑے جلوس کیلئے راستہ کر دیا۔ اسمیں ایکہزار سے زیادہ مرد اور لڑکے تھے۔ جلوس کے آگے آگے سفید پوش اطفال تھے جن میں بعض گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور بڑی عمر کے مرد پیچھے بیٹھے ان کو تھامے ہوئے تھے۔ یہ سب کے سب چیختے چلاتے اور روتے دھوتے طرح طرح کی حرکتیں کرتے جاتے تھے۔ اس جلوس کے بعد تین اور جماعتیں گذریں۔ سب کی قمیصیں سفید رنگ کی تھیں۔ بعض کے ہاتھ میں تلواریں اور دوسروں کے پاس لوہے کی بھاری بھاری زنجیریں تھیں۔ کل کے کل سُر کے ساتھ باری باری یا حسین یا حسن پکارتے جاتے تھے۔ پہلی جماعت یا حلقہ والے اپنی برہنہ چھاتیوں کو پہلے دائیں اور پھر بائیں ہاتھ سے پیٹ رہے تھے۔ دوسری جماعت اپنی زنجیروں کو ایک طرف سے دوسری طرف ہلاتی ہوئی اس طرح سے موزون حرکت کرتی ہوئی گذری جس طرح ہمارے ہاں ناچ میں ہوتی ہے۔ تیسری جماعت دو لمبی قطاروں میں تھی۔ جو ایک دوسرے کے بالمقابل پہلو کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ ہر ایک نے بایاں ہاتھ اپنے ہمسایہ کے کمر میں ڈالا ہوا تھا۔ اور دائیں ہاتھ سے سب کے سب ایک ساتھ تلواریں ہلا رہے تھے۔ ان دونوں قطاروں کے بیچ میں بہت سے آدمی تھے۔ جو

امام حسنؑ حسینؑ کی داستان پڑھتے جاتے تھے۔ یہ کل جلوس آہستہ آہستہ خان کی صحن کے گرداگرد چکر لگاکر پھر اسی دروازہ سے جس سے داخل ہوا تھا باہر نکل گیا۔

ہم حیران ہو رہے تھے۔ کہ جلوس میں تو کوئی ایسی بات نہیں دیکھی گئی جس سے کچھ خوف معلوم ہو۔ پھر ہمیں کیوں کہا گیا تھا۔ کہ یہاں صرف مضبوط دل کے آدمیوں کو آنا چاہیئے جلوس یہاں سے نکلکر جب تک کسی دوسرے خان کا چکر لگاتا رہا۔ ہم نے نہایت ہی مفرح چائے اپنی تئیں تازہ دم کر لیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر باجے کی آواز سنائی دی۔ اس مرتبہ وہ زیادہ بلند اور متوحش تھی۔ اور جو لوگ صحن میں موجود تھے۔ ان کے چہروں پر بھی جوں جوں جلوس خان کے قریب پہنچتا گیا۔ سخت تحریک اور ہلچل کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے گئے۔ جلوس پھر سراء میں داخل ہو گیا۔ مٹی کے تیل کی مشعلیں آگے آگے روشن تھیں مشعلوں کے بعد بدستور خورد سال لڑکے تھے انکے پیچھے ایک سفید گھوڑے پر دو فاختہ تھیں جن سے امام حسنؑ حسینؑ کی روحیں مراد تھیں ہائے۔ وائے اور حسنؑ حسینؑ کے نعرے بتدریج زیادہ بلند ہوتے گئے۔ اور کئی تماشائی بھی نعروں میں شریک ہو گئے۔ پہلا حلقہ اس دفعہ اپنے برہنہ سینوں کو ایسی با قاعدگی اور اس زور سے پیٹتا ہوا گذرا۔ کہ یہی معلوم ہوتا تھا۔ بڑے بڑے ہتھوڑے سخت پتھر کے چٹانوں پر گر رہے ہیں۔ دوسری جماعت زنجیروں کو سروں پر سے اپنی پیٹھوں پر جواب ننگی تھیں۔ ایسی بیدردی سے مارتی ہوئی گذری۔ کہ گوشت پھٹ گیا تھا۔ اور خون کی دھاریں بہ رہی تھیں۔ سب سے آخر تلواروں والے آئے۔ وہ اپنے تمام جسم بالخصوص سروں پر سچ مچ تلواروں سے ضربیں لگا رہے تھے۔ خون ان کے بدن سے چاروں طرف اڑ رہا تھا۔ چنانچہ تماشائیوں کو ان چھینٹوں سے بچنے کے لیے کسقدر پیچھے ہو جانا پڑا۔ اس حلقہ والوں کی سفید قمیصیں چشم زدن میں لہولہان ہو گئیں۔ سر بعینہٖ سرخ ترکی ٹوپی کے مشابہ ہو گئے۔ اور فرش پر بھی خون جاری ہو گیا۔ مگر وہ بعالم خود رفتگی اس طرح بڑھے جا رہے تھے۔ جیسے پریڈ پر فوج۔ زخموں سے تعجب ہے کہ بے ہوش ہو کر بہت کم آدمی گرے۔ ایک ماتم کنندہ عین ہماری آنکھوں کے سامنے مردہ ہو کر گرا۔ آخر کار ایک طرح کی پولیس آگے بڑھی۔ سپاہیوں نے اپنے اپنے سونٹے ماتم کنندگان کے سروں کے اوپر پھیلا دیئے۔ تاکہ ضربیں سونٹوں پر پڑیں۔ اور کھوپریوں کا قیمہ ہو کر وہ مر ہی نہ جائیں کسی پر تشدد کوئی نہیں کیا جا رہا تھا۔ اور بدمستی و خمار کے آثار مطلقاً نہیں پائے جاتے تھے خلقت کا

بیحد ہجوم تہا۔ مگر بے ترتیبی کا نام نہیں تھا۔ ہم نے کئی معمر کرخت رو مردوں کو چلاتے۔ سخت اندوہ بھرے آنسو بہاتے اور آہِ سرد امام حسنؓ اور حسینؓ کے نام پکارتے سُنا۔ یہ سب لوگ جہانتک کہ انکی ظاہری شکل شباہت سے قیاس ہو سکتا تہا۔ ادنی یا ادنی ترین لوگوں کے گروہ تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان میں سے اگر کسی سے رونے چلانے کا سبب پوچہا جاتا۔ تو غالباً وہ "آہ حسن! آہ حسین" کے سوا اور کوئی جواب نہ دے سکتا تہا۔ یہ درست ہے کہ اس جلوس میں چند ایسے آدمی بھی تھے۔ جو امام حسن و حسین کے واقعات پڑہتے جاتے تہے۔ مگر ان کی طرف کوئی شخص متوجہ نہیں معلوم ہوتا تہا۔ بلکہ یہ کہ حسن حسین کے نعروں سے جو باقاعدگی کے ساتھ باری باری پکارے جا رہے تہے۔ قصہ خوانوں کی آواز سُنائی ہی نہیں دے سکتی تھی۔

کچھ عرصہ کے بعد گرمی اور مختلف ابخرات اور بدبوئیں ناقابل برداشت ہو گئیں ہمیں اندیشہ تہا۔ کہ انسانوں کے اس بحرِ متلاطم سے جو سب کے سب وحشیوں کی طرح حرکتیں کر رہے اور مہیب و خونخوار دکھائی دے رہے تہے۔ گزر کر سراء سے باہر جانا محال ہوگا۔ راستے بہت تنگ تہے۔ اور ہماری پارٹی میں کئی لیڈیاں بھی تھیں۔ مگر جونہی لوگوں کی نظر محل سلطانی کے یاور پر جو ہمارے ساتھ تہا پڑتی۔ تو وہ خود بخود ہمارے لئے رستہ کر دیتے۔ لندن میں ہزاروں پولیس والے بھی اس قدر جلد رستہ صاف نہ کرا سکتے جیسی جلدی ہمارے یاور اور چند قواصوں نے کر دیا۔ جب ہمنے اس ہجوم کی باسلیقگی کی ایک ترکی دوست سے تعریف کی تو اسنے مسکرا کر کہا۔ "بات یہ ہے کہ ہمارے اژدحاموں میں عورتیں نہیں تھیں۔ ہم اہالیانِ مغرب کو جو دقتیں درپیش آتی ہیں۔ ان کے زیادہ حصّہ کا باعث ایشیائیوں کے نزدیک عورتوں کی موجودگی ہے۔ اور وہ اپنی یہ رائے بڑے وثوق کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں۔ کہ جب تک ہم بھی عورتوں کو پردہ میں بند نہ کرینگے ہماری حالت کبھی درست نہ ہوگی۔

اس موقع پر اکثر ناظرین سوال کرینگے کہ یہ سینکڑوں ہزاروں آدمی کس لئے آنسو بہا رہے اور حسن حسین پکار رہے تہے۔ اس کے متعلق تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے۔ کہ پنجم خلیفہ امام حسن فرزند فاطمہ زہراؓ، و حضرت علیؓ خلیفہ چہارم نے صرف چھ ماہ خلافت کی اور غالباً بیوی کے زہر دے دینے سے فوت ہو گئے۔ اور امام حسینؓ کربلا کی لڑائی میں عبیداللہ

کی شامی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے سنہ ۶۸۰ء شہید ہوئے۔ سینکڑوں بادشاہ اور شہزادے بعینہٖ ویسے حالات کی موجودگی میں اس عالم سے رخصت ہوئے ہیں۔ مگر اب ان کے نام تک دنیا کو یاد نہیں۔ اور کوئی شخص ان پر آنسو نہیں بہاتا۔ امام حسن حسینؓ پر ان آنسوؤں کے بہانے کی اصل وجہ بہت گہری ہے۔ اولاً یہ مذہبی ہے۔ باوجودیکہ حضرت سرورِ کائنات اپنی امت کو بار بار سناتے اور سمجھاتے رہے۔ کہ میں بھی محض تم سا بشر ہوں۔ مجھ میں اور تم میں بلحاظ بشریت کوئی فرق نہیں۔ تھوڑا زمانہ گذرا تھا۔ کہ لوگوں کا انکی نسبت یہ اعتقاد ہو گیا۔ کہ خداوند کریم نے ان کو سب چیزوں سے پہلے جبکہ ابھی آسمان و زمین۔ نور و ظلمت۔ آفتاب و ماہتاب یا بہشت و دوزخ ابھی موجود نہیں ہوئے تھے۔ پیدا کیا تھا۔ آنحضرت کے وقت انکی اولاد میں سے فقط فاطمۃ الزہراؓ زوجہ حضرت علیؓ و مادر امام حسنؓ و حسینؓ زندہ تھیں۔ خوش اعتقادوں نے نبی کریمؐ کی رحلت کے بعد جلد ہی ان چاروں کی پیدائش کو بھی ویسا ہی سمجھ لیا۔ جیسی کہ آنحضرتؐ کی پیدائش سمجھی گئی تھی۔ بنابریں ان کا مقابلہ کرنا یا انمیں سے کسی کو قتل کرنا سخت گناہ کبیرہ شمار ہوتا تھا۔ ان کے رگ و پے میں حضرت کا خون تھا۔ اور اس مقدس خون کو بہانے سے بڑھکر کوئی سنگین جرم نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ہے کنہ امام حسن و حسین سے مذہبی تعلق ہونیکی جو دونوں قتل کئے گئے تھے حالانکہ ان کو حضرت سرورِ کائنات سے خاص قرابت تھی۔ علاوہ بریں اماین کا واقعہ اس امر سے رقت انگیز بھی بہت ہو رہا ہے۔ کہ وہ دونوں بعالم جوانی شہید ہوئے اور قومی شعرا انکو بہت سے اوصاف کا جامع بناتے ہیں۔

ایران میں مرثیہ خوانی کی مجلسیں ہوتی ہیں۔ جو قسطنطنیہ کے طریق ماتم سے بہت مختلف ہیں۔ سر لوئی اس پلی مرحوم نے کئی مرثیوں کا ترجمہ کیا تھا۔ ان مرثیوں میں امام حسن اور بالخصوص امام حسین کو قومی شہید اور ہیرو بتایا گیا ہے۔ اور دنیا میں کوئی خوبی نہیں جو انکی طرف منسوب نہ کی گئی ہو۔ آخری لڑائی سے جسمیں امام حسین شہید ہوئے۔ ایک دن پہلے بھی فریقِ مخالف نے جب ان کو اطاعت مان لینے کا پیغام بھیجا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ رات کے وقت انکی ہمشیرہ روتی ہوئی آئیں اور کہا۔ "افسوس ہمارا خاندان برباد ہو گیا۔ میری ماں فوت ہو چکی ہیں۔ اور نیز میرا والد علی اور میرا بھائی حسن۔ وائے بر بربادیٔ گذشتہ۔ اور وائے بر بربادیٔ آئندہ"۔ اس کے جواب میں امام حسین نے فرمایا۔

"بہن خدا پر بھروسہ رکھو۔ اور یاد رکھو انسان مرنیکے لئے پیدا ہوا ہے۔ اور یہ زمین آسمان بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ ہر ایک چیز سوائے خدا کی ذات کے جسنے اپنی قدرت سے ان کو پیدا کیا۔ اور اپنی قدرت سے انکو معدوم کریگا۔ صفحۂ ہستی سے معدوم اور پھر اسی کے پاس پلٹ جائیگی۔ میرا باپ میری ماں اور میرا بھائی مجھ سے بہتر تھے۔ انکے لئے اور ہمارے لئے اور نیز کل مسلمانوں کیلئے رسول اللہؐ کی نظیر موجود ہے"۔ اس کے بعد امام ہمام نے اپنے سپاہیوں کو کہا۔ تم چلے جاؤ اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ دشمنوں کو صرف میری ضرورت ہے۔ مگر ان سب نے انکار کر دیا۔ کہ ہم آپکے ساتھ اپنی جانیں نثار کرینگے۔ پھر امام گھوڑے پر سوار ہو گئے قرآن شریف سامنے رکھ لیا۔ اور باآواز بلند پکارا۔ "اے الٰہ العالمین۔ ہر مشکل میں تو ہی میرا بھروسہ اور ہر مصیبت میں تو ہی میری امید ہے۔" حضرت کی ہمشیرہ اور لڑکی رونے لگ گئیں۔ لیکن امام کا حوصلہ و استقلال برابر مضبوط رہا۔ اسیوقت دشمن کے چند سوار ساتھیوں کو چھوڑ کر امام سے آملے۔ مگر پھر بھی امام کی فوج اعداء کی جمعیت کے مقابلہ پر کچھ حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ امام حسین کے سر کو زخم پہنچا۔ اور وہ اپنے خیمہ کو واپس آ گئے۔ خون کی دھار زخم سے جاری تھی۔ وہ زمین پر بیٹھ گئے۔ اور اپنے معصوم لڑکے کو گود میں لے لیا وہ حضرت کی گود میں ہی تھا۔ کہ تیر کے لگنے سے ملکِ بقا کو راہی ہو گیا۔ باپ نے اپنے بچے کی لاش کو زمین پر رکھ کر باواز بلند کہا۔ "اے الٰہ العالمین۔ مجھے ان مصیبتوں کو برداشت کرنیکی طاقت بخش۔" پھر وہ پانی پینے کے لئے فرات کی طرف دوڑے۔ اعدا نے تیروں کی بوچھاڑ کی۔ جن میں سے ایک سے دہن مبارک زخمی ہو گیا۔ امام کھڑے ہو کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ خورد سال بھتیجا دوڑ کر چچا کو لپٹ گیا۔ اوسکا ایک ہاتھ تلوار سے کٹ گیا۔ امام یہ دیکھکر رو پڑے اور کہا۔ "پیارے بچے اسکا اجر تجھے اپنے آباؤ اجداد کے پاس بہشت میں ملیگا۔" امام نے گو وہ سخت زخمی اور خون کے بہنے سے بے ہوش ہو رہے تھے۔ اعداء پر شیر کی طرح حملہ کیا۔ وہ جلد شہید ہو گئے۔ اور ان کی لاش دشمن کے گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندی گئی۔

مندرجہ بالا واقعات تاریخی لحاظ سے ٹھیک ہوں یا نہ۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ اگر سٹیج پر انکی نقل اتاری جائے۔ تو دیکھنے والوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو جائیں۔ مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس قسم کے مشاہدہ کے بغیر ہی جس کو کہ انسان

کے دل پر براہ راست اثر پڑ سکتا ہے۔ ان سینکڑوں درشت مزاج۔ اکھڑ اور وحشی خصال آدمیوں پر یہ خود رفتگی کس طرح اور کہاں سے پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے جسموں کو زد و کوب اور ضرباتِ شمشیر سے زخمی کر کے قریب المرگ ہو جاتے ہیں۔ اور ادہر ہزارہا دوسری مخلوق بے اختیار رو رہی ہوتی ہے۔ لیکن خواہ اس معمہ کو ہم سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں یہ نقشہ ہماری آنکھوں کے سامنے موجود تہا۔ اور اکثر سفارتوں کے متعلقین اسکے مشاہدہ کیلئے آئے ہوئے تہے۔ جن میں سے بہت تہوڑے ایسے تہے۔ جو اپنی پوشاکوں پر خون کے چھینٹے نہ لے کر واپس گھروں کو گئے ہوں۔

ان متذکرہ بالا وجوہات کے علاوہ جو مذہب اور انسانی رقیق القلبی پر مبنی ہیں۔ آنسوؤں کی نہ سہی کم از کم اس سرجوشی کی ایک اور بھی وجہ ہے۔ جو قومی اختلاف پر نہ سہی پولٹیکل امور پر ضرور مبنی ہے۔ وہ پولٹیکل (سیاسی) اس لحاظ سے ہے۔ کہ مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں سُنّی و شیعہ میں سے آخر الذکر آنحضرتؐ کی اولاد علیؓ شوہر فاطمہؓ اور انکے فرزندانِ حسن حسین کے سوا اور کسی جائز خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ ابو بکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ انکی نگاہوں میں غاصب تہے۔ اور اموی خلفا یعنی جانشینانِ معاویہؓ تو جنہوں نے ۶۶۱ء میں امام حسنؓ سے خلافت لی تہی۔ بدرجہ اعلیٰ غاصب کنندہ ہے۔ یہ عناد شیعہ اور سنیوں میں اب کے دم تک موجود ہے۔ اور ممکن ہے۔ کہ کبھی اب بھی وہ معمولی ہنگاموں اور بلووں کے لئے ہی نہیں بلکہ اہم پولٹیکل مشکلات و مصائب کے واسطے کافی بہانہ بن جائے۔

اس پولٹیکل تفریق میں قومی اختلاف کا بھی کچھ دخل ہونا امکان میں داخل ہے۔ کیونکہ شیعہ زیادہ تر ایرانی یعنی آریا نسل کے اور سنی عرب یعنی سامی نسل کے ہیں۔ عربوں کا خاصہ ہے۔ کہ وہ رسم و رواج قواعد قانون اور شرع کے پابند باضابطہ ہوتے ہیں۔ برعکس اسکے ایرانی آزاد منش شاعرانہ مزاج اور فلسفیانہ طبیعت کے ہیں۔ عربوں نے گو ایرانیوں کو مغلوب کیا تہا۔ تاہم آخر الذکر عرصہ دراز تک دماغی تعلیم اور تربیت کے معاملہ میں اپنی فاتحین کی استاد اور معلم رہی ہے۔ قسطنطنیہ میں شیعہ[1] و سنی دوش بدوش

[1] قسطنطنیہ میں تقریباً ساٹہ ہزار ایرانی آباد ہیں اکثر دفاتر میں ملازم ہیں بعض تاجر ہیں اکثر جگہ اور پیشے کرتے ہیں۔ اور بعض مزدوری سے حیات بسری کرتے ہیں۔ اور گو شہر کے مختلف حصوں میں بود و باش رکہتے ہیں مگر جہاں انکی بہت کثرت ہے۔ اس محلہ کو والدہ خانہ کہتے ہیں ایام محرم میں زیادہ تر اسی محلہ میں دہوم دہام کی مجلسیں ہوتی ہیں اور نوحہ و بکا کا بازار گرم ہوتا ہے مگر یہاں سوز و تحت لفظا کا دستور بالکل نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے (از سفرنامہ مولوی شبلی)

اور بظاہر صلح و آشتی سے رہتے ہیں۔ مگر ایرانیوں کو رنجیدہ خاطر کرنا ہرگز مناسب نہیں ورنہ فی الفور بر سر فساد ہو جائیں۔ اگر انکو اس قسم کی ماتم سے روکا جائے۔ تو گو باقی تمام دنیا اس وحشیانہ دستور کی موقوفی کو بہت پسند کرے۔ لیکن وہ اسے اپنی سخت دلآزاری سمجھیں۔ ہر ایک مشاہدہ کنندہ جان سکتا ہے کہ جب ہزارہا آدمی چند گھنٹوں کیلئے محض حسن حسین کے نعرے مارنے سے ایسے خود رفتہ ہو سکتے ہیں تو اگر کبھی اسکے عوض کوئی اور کلمہ جسکا مطلب بادہ واضح ہو (مثلاً کفار کو مارو وغیرہ) ورد زبان ہو جائے۔ تو کیسا کچھ خطرہ عظیم پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے خود رفتہ اشخاص کو کوئی چالاک آدمی آسانی کے ساتھ قابو میں لاکر قتل عام لگا سکتا ہے۔ اور اغلب خیال ہے کہ اسوقت یہ لوگ جس طرح حسن حسین پکارتے بازاروں میں لہولہان پڑے رہنے پر ہمہ تن تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح بڑی خوشی سے آخری دم تک لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں اور موت کو خوشیاں کنواریوں (حوران جنت) اور امامین حسن حسین کے پاس پہنچ جانیکا جو ان کے اعتقاد کے مطابق جنت میں ان کا انتظار کر رہی ہیں زبردست ذریعہ اور وسیلہ سمجھ لیں ؛

پروفیسر ایف میکس مولر۔

۱۵۔ ترکی خاتونیں

جو یورپین لیڈی ترکی کی سیر کو جائے جبتک وہ چند حرم سراؤں کا معائنہ کرے۔ وہ اسجگہ کے باشندوں کی اصلی معاشرت سے کبھی واقف نہیں ہو سکتی۔ یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے۔ کہ چونکہ ترکی مستورات بیرونی دنیا کو دکھائی نہیں دیتیں۔ انکو اقتدار بھی کچھ حاصل نہیں۔ برعکس اسکے چونکہ وہ اپنا سارا وقت گھروں کے باہر ادھر ادھر پھرنے پھرانے اور سہیلیوں سے انکے مکانوں پر جاکر یا اپنے مکان میں ملاقاتیں کرنے پر صرف نہیں کر سکتیں انکو جوڑ توڑ اور سازشیں کرنیکے لئے بہت وقت ملتا ہے۔ مزید براں یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے۔ کہ ترکی میں رشتوں و ناطوں کا انتظام دونوں طرف سے صرف مستورات ہی کرتی ہیں۔ مردوں کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہوتا۔

گو موجودہ سلطان المعظم کی اپنی بیویوں اور کنیزوں کی نسبت مشہور ہے۔ کہ وہ محض تفریح جسمانی کے کھلونے ہیں۔ اور اپنا سارا وقت اور ہمت بیش بہا کپڑے پہننے اور لذیذ کھانوں میں صرف کرتی ہیں لیکن اکثر بادشاہوں کی بیویاں نہایت ذہین اور قابل عورتیں ہیں۔ جو اپنے خاوندوں کی جائدادوں کے انتظام کی پوری قابلیت رکھتی ہیں۔ اور یہ تو عام معلوم بات ہے کہ سلاطین کی ماؤں کو بسا اوقات امور سلطنت میں بہت دخل رہا ہے۔ اسوقت ترکی میں تمام نوعمر لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ سلطان المعظم نے اس غرض کیلئے زنانہ مدارس قایم کر دئیے ہیں۔ جو بہت عمدہ اور قابل تعریف ہیں۔ لڑکیاں ۱۲ برس کی عمر تک ان میں تعلیم پاتی ہیں۔ اسکے بعد

ان کو نشیمتق (باریک نقاب) پہنا دیا جاتا ہے۔ اور وہ پردہ میں بیٹھ جاتی ہیں اُس عمر تک وہ اپنی باپوں کے ساتھ سہ پہر کو سیر کیلئے باغوں کو چلی جاتی ہیں۔ اور بیدہٹرک مکانوں سے مدرسہ کو آتی جاتی ہیں امراء کی لڑکیوں کے ساتھ مدرسہ آتے جاتے وقت حبشی غلام ہوتا ہے۔ مجھے شاہی حرم سرا کے اندر جانیکی دعوت نہیں کی گئی تھی۔ لیکن (شاہی حرم کے سوا) قسطنطنیہ کے دوران اقامت میں مجھے کئی ترکی حرموں میں جانے کا موقع ملا۔

سب سے اول میں ایک جلیل القدر وزیر کی حرم محترم کو ملنے گئی۔ اس ملاقات کا انتظام ان یورپین افسروں میں سے ایک کی بیوی نے جو ترکی ملازم ہیں کیا تھا۔ اور خود بھی از راہِ شفقت میرے ہمراہ گئی تھی۔ ہم گاڑی پر سوار ہو کر سرا کے اس حصہ کو گئے۔ جو گرینڈ رو (جادہ کبیر) سے پرے محل یلدز کے مقابل واقع ہے۔ مگر اس میں اور محل کی حدود میں ایک عمیق گھاٹی حائل ہے۔ میں نے گاڑی پر سوار ہو کر ہوا خوری کرتے وقت اس نواح کی مکانات کی اونچی اونچی دیواروں کو کئی دفعہ دیکھا تھا۔ مگر یہ کبھی خیال نہ گذرا تھا کہ ان چار دیواریوں میں اکثر وزراء اور اعلیٰ امراء کے حرم پنہاں ہیں۔ ہماری گاڑی خود وزیر کے مکان یعنی سلاملق کے پاس سے گذرتی ہوئی سڑک سے نیچے اتر کر ایک بلند دروازہ پر جو اونچی دیوار میں بنا ہوا تھا۔ کھڑی ہو گئی۔ اور ہم اس میں سے نیچے اترنے ہی لگی تھیں کہ پھاٹک کھل گیا۔ اور گاڑی کو بھی اندر آ جانے کے لئے کہا گیا۔ کیونکہ باغ میں ابھی تک مالی کام کر رہے تھے۔ اسلئے خاتونانِ حرم اس میں نہیں آ سکتی تھیں گاڑی باغ سے گذر کر ایک وسیع مربع سفید مکان کے دروازہ پر رُک گئی۔ مکان کی کرسی بہت بلند تھی۔ اسلئے دروازہ تک کئی سیڑھیاں سنگ مرمر کی تھیں۔ چاروں طرف سے مکان کو حرم سرا کی دیواریں احاطہ کئے ہوئے تھیں۔ جن پر یلدز کی دیواروں کی طرح بیلیں نہیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ بالکل برہنہ اور سفید اور ایسی بلند تھیں۔ کہ مکان کی بالائی منزل کے دریچوں سے بھی کچھ دکھائی نہیں دیسکتا تھا پس خوبصورت گھاس کے تختوں درخشاں پھولوں کے چمنوں اور باثمر اشجار کے باوجود کل عمارت جیلخانہ کی مشابہ دکھائی دیتی اور معلوم ہوتی تھی۔ مکان کا ایک دروازہ ایک غلام نے کھولا اور ہم ایک لمبے اور تنگ رستہ میں داخل ہو گئیں وہ درمیانی ہال کو جو بہت بلند اور وسیع تھا۔ جاتا تھا۔ ہال کے وسط میں فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ چو طرفہ گملوں میں کھجوروں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اور گرداگرد غلام اور کنیزکیں دست بستہ ایستادہ تھیں۔ کنیزکیں حبشنیں اور سفید رنگ دونوں طرح کی تھیں۔ جو شوخ رنگ کی سوتی پارچات اور سفید پگڑیاں پہنے ہوئے تھیں غلام سب کے سب سیاہ فام خواجہ سرا تھے۔ جو فراک کوٹ اور فرس پہنے تھے۔

ہمیں ایک وسیع کمرہ میں جو بکلف تہا جا کر بٹھا دیا گیا۔ اسمیں ایک خوشنما زرد رنگ کا قالین بچھا ہوا تہا مگر کتاب یا سامان و دستکاری کا نام و نشان نہ تہا۔ نہ اس امر کے کوئی آثار پائے جاتے تہے کہ یہاں کوئی رہتا ہے۔ اور کسی طرح کا کاروبار ہوتا ہے۔ ہمیں بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تہی کہ پاشا کی حرم آ پہنچی۔ اسکی پوشاک یورپین طرز کی تہی۔ جسکا رواج قسطنطنیہ میں اب عام ہو گیا ہے۔ کہ اب صرف شاہی حرم سرائے میں ویسی طرز کی پوشاک پہنی جاتی ہے۔ خاتون موصوفہ کے ساتھہ اسکی دیلدانی یعنی وزیر کی بھاوجہ بہی تہی۔ آخر الذکر فقط ترکی بول سکتی تہی۔ بنابریں میری اہلیہ تو اسکے ساتھہ ترکی میں باتیں کرنے لگ گئیں اور میں وزیر کی بیوی سے فرنچ میں گفتگو شروع کر دی۔ خاتون کا قد درمیانہ شکل صورت خوشنما۔ اور آنکھیں چمکدار اور بڑی بڑی تہیں۔ اسنے مجھے بتایا کہ سال میں ایکدفعہ یا زیادہ سے زیادہ دو دفعہ وہ بند گاڑی میں سوار ہو کر ان مہیب دیواروں سے باہر جاتی ہے۔ اسکے سوائے چاردیواری سے کبہی باہر نہیں جاتی۔ اسے اپنے باغ اور پالتو جانوروں۔ بلبلوں اور پرندوں سے بہت انس تہا اولاد کوئی نہیں رکھتی تہی۔ جس سے ہروقت اسے طلاق کا اندیشہ رہتا تہا۔ کیونکہ اب بہت کم ترک دو بیویاں رکھتے ہیں۔ وہ فرنچ زبان کی ناولوں کو بکثرت پڑہتی رہتی تہی۔ اور انہی پر اسکے ان خیالات اور آرائی کا دار و مدار تہا۔ جو وہ یورپین طرز معاشرت کی نسبت رکھتی تہی۔ باتوں باتوں میں اُسنے یہی کہا۔ "ہم تم سے زیادہ خوش ہیں۔ کیونکہ اگر ہمارے خاوندوں کو کسی اور عورت سے دل لگی ہو جائے تو وہ ہماری کنیزکوں میں سے کوئی نہ کوئی ہو گی۔ جن کو ہم بخوبی جانتی ہیں لیکن تمہارے خاوند فرانسیسی ایکٹرسوں (تھیٹر میں ناچنے گانیوالی عورتوں) کو ساتھہ لئے پھرتے ہیں۔ جن کو تم مطلقاً نہیں جانتی۔" کنیزکیں پہلے شیرینی وغیرہ لائیں۔ اور پھر سگرٹ مگر میں نے تمباکو نوشی سے نابلد ہونے کا عذر کر دیا۔ سب سے آخر خوشگوار اور مفرح ترکی قہوہ لایا گیا۔ قہوہ کی پیالیاں طلائی پرچوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ خاتون موصوفہ اچھی گویّہ اور باجہ نواز ہے۔ اور اسکی دیوارانی تصویر و نقشہ عمدہ بناتی ہے۔ دونوں کا اتالیق خود وزیر تہا۔ جو بہت عمدہ صنّاع اور فنونِ لطیفہ میں خوب ماہر ہے۔ مگر موسیقی نوازی۔ مصوّری۔ فرنچ ناولوں اور خوبصورت باغ کے باوجود مجھے یہ حسرت بخش احساس ہو رہا تہا۔ کہ خاتون موصوفہ بعینہٖ اس پرندہ کے مشابہ تہی۔ جو اپنے پروں کو طلائی قفس کی سیخوں سے پھڑپھڑا رہا ہو۔ وہ اتنا زیادہ پڑھ گئی تہی کہ موجودہ حالت پر کبہی قانع نہیں ہو سکتی تہی۔ (یعنی اگر جاہل یا نیم جاہل رہتی۔ تو یہ بندش ایسی ناگوار نہ معلوم ہوتی)

جب تک ہم کمرہ میں ہیں۔ اسکے تمام دروازے کھلے رہتے۔ اور کنیزیں ان میں سے اندر باہر آتی جاتی رہیں۔ گویا کہ وہ مسلسل نگرانی کر رہی تہیں۔ ایک کنیز نے اطلاع دی کہ مالی چلے گئے ہیں جسپر ہم باغ کو جانے ہی لگی تہیں۔ کہ وزیر اور اس کا بھائی آن پہنچ گئے۔ وہ محل سلطانی سے ہماری ملاقات کیلئے جلد واپس چلے آئے تہے۔ ان دونوں کے پہنچنے کیوقت سے انکی بیویاں بالکل ساکت ہو گئیں۔ اور گو میں نے وزیر کی بیوی کو اس دلچسپ گفتگو میں جو وزیر اور میرے درمیان ہو رہی تہی۔ شامل کرنیکی کوشش کی مگر قطعاً ناکامیاب ہوئی۔ بعد میں جب میں نے اس معاملہ پر غور کیا۔ تو مجہے اس سکوت کی کُنہ یہ معلوم ہوئی کہ ہم مساجد۔ اور دیگر قابل دید عمارات۔ عجائب خانہ کے قدیم تابوتوں اور قدیم محل سرا کے نوادرات کا ذکر کر رہے تہے۔ جن کو خاتون موصوفہ نے کبہی نہیں دیکہا تہا۔ نہ آئندہ کبہی دیکہ سکتی تہی۔ میں اس ملاقات سے ان دونوں عورتوں کی حالت پہ دل میں سخت رحم کہاتی ہوئی واپس آئی۔ وہ مجہے اپنی حالت سے بیچین غیر مطمئن اور ناخوش سی معلوم ہوئیں گو خاوند انکی کمال نازبرداری کرتے تہے اور ہر چیز جو دولت سے میسر ہو سکتی تہی۔ انکے لئے موجود تہی۔

تہراپیا کی اقامت کے دوران میں ایک دن آسٹرین سفیر کی بیوی مجہے منیر پاشا رئیس التشریفات کی بیوی کی ملاقات کرانیکے لئے لے گئیں۔ پاشاء موصوف کا مکان باسفرس کے کنارہ پر ہے۔ اور پانی اسکی دیواروں سے ٹکرا کر بہتا ہے۔ مکان مذکور کا مردانہ حصہ (سلاملق) میں نے پہلے دیکہا ہوا تہا۔ حرم اور سلاملق کے درمیان خوبصورت باغ ہے۔ جسمیں مختلف اقسام کے گلاب کے سینکڑوں پودے ہیں۔ حرم کے گرداگرد چونکہ کوئی چار دیواری نہیں اسکی تمام کہڑکیاں جالی دار ہیں ان میں سے اندر کی طرف سے باہر کی چیزیں دکہائی دیسکتی ہیں۔ مگر باہر سے اندر بالکل نگاہ نہیں پڑتی۔ ہم آسٹرین سفارت کی ایک قایق پر گئیں۔ گہاٹ پر دو یا تین حبشی خواجہ سراؤں نے ہمارا استقبال کیا جن میں سے ایک بہت ہی دراز قامت تہا۔ اسے ہمنے کئی مرتبہ پاشا کی خورد سال لڑکی کے ساتہ سٹیمر پر مدرسہ کو جانے یا واپس آتے دیکہا تہا۔ ہماری میزبان پہلی منزل کے وسیع کمرہ میں بیٹہی ہوئی تہی۔ اور چونکہ وہ صرف ترکی بول سکتی تہی۔ اسکا بہتیجا[1] جو محل سلطانی میں یاور ہے ترجمان کا کام دینے کے لئے اسکے پاس موجود تہا۔ یہ خاتون نہایت قابل اور ہوشیار عورت ہے۔ اور گو اسے اعلیٰ تعلیمیافتہ نہیں کہا جا سکتا۔ تاہم اپنے خاوند کے تمام معاملات کے انصرام اور اسکی جائداد کے انتظام کی پوری قابلیت رکہتی ہے۔ پاشاء موصوف کو خود ان کاموں کے لئے بہت ہی کم فرصت

[1] یعنی انجیب بک جو قدیم محلسرا کی سیر کیوقت ہمارے ساتھ تہا۔ مصنفہ

ہوتی ہے۔ اسکا تقریباً سارا وقت محل سلطانی میں صرف ہوتا ہے۔ ہم فرانسیسی میں گفتگو کرتی رہیں اور گو ہر ایک بات یادر کی وساطت سے ہوتی تہی۔ گفتگو ایک لمحہ کیلئے بھی سست نہ پڑی۔ جن حرم سراؤں میں ہم گئیں۔ اون میں صرف یہی ایسا تہا۔ جہاں ناشتہ وغیرہ سے ہماری تواضع نہ کی گئی۔ ہماری میزبان کی عمر چالیس پچاس کے درمیان تہی۔ اور وہ اکثر خاتونوں کی طرح مضبوط جسم کی عورت تہی۔ وہ ہلکے اودے رنگ کی ململ کے کپڑے پہنے ہوئے تہی اور گلے میں بڑے بڑے نیلموں کا ہار پڑا تہا۔ بال سیاہ اور تازہ ترین فرنچ فیشن کے مطابق جوڑا کیا ہوا تہا۔ مکان کی قطع اکثر اہنی مکانوں ایسی تہی جن کے دیکہنے کا مجھے اتفاق ہوا۔ مکان کے بیرونی دروازہ سے گذرتے ہی درمیانی ہال ہے۔ اسکے دونوں طرف کمرے ہیں اور دروازہ کے مقابل والے سرے پر اوپر جانے کو خوبصورت فراخ زینہ ہے۔ منیر کی بیوی کی قطع وضع سے مجھے معلوم ہوا کہ وہ اپنے حال میں خوش اور نہایت مصروف عورت ہے۔ اسنے مجھے بتایا۔ کہ وہ اکثر قایق پر سوار ہوکر باہر جاتی ہے یہ بتانیکی تو ضرورت نہیں کہ باہر جاتے وقت وہ نقاب اور فرجہ پہن لیتی ہے۔ فرجہ سیدہے سادے لمبے گہیرے دار جبہ کو کہتے ہیں جسے تمام ترکی مخدرات جوان ہوں یا معمر باہر نکلتے وقت کپڑوں کے اوپر اوڑھ لیتی ہیں۔ اس سے تمام جسم گردن سے لیکر پاؤں تک ڈھنپ جاتا ہے۔ عموماً یہ قیمتی اور خوشرنگ کپڑے کا ہوتا ہے۔ مگر با ایں ہمہ اسکے بھداپن میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میزبانہ ہمسے کمرہ کے دروازہ سے رخصت ہوگئی۔ ہال میں اسلئے نہ آئی۔ کہ شاید باغ میں کوئی مرد موجود ہو۔ اور اسکی نظر ہال کے دروازہ سے جو کھلا ہوا تہا۔ اندر پڑتی ہو۔

اس ملاقات سے چند دن بعد حمدی بک عجائب خانہ قدیم اشیا کے اعلیٰ مہتمم اور صیدا کے تابوتوں کے دریافت کنندہ نے جو عجائب خانہ مذکور کی زیب و زینت ہیں۔ میری میرے خاوند اور ہمارے لڑکے کی دوپہر کے کھانیکی دعوت کی۔ اسکا مکان باسفرس کے کنارہ پر ہے۔ مگر مکان اور دریا کے درمیان ایک عام شاہراہ حایل ہے۔ خدام ہمکو سیڑھیوں پر سے بالائی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے جہاں ہمارا میزبان اور اسکی بیوی بیٹھی ہوئی تہی۔ یہ کمرہ صنعتی نوادرات مشرقی ساخت کے پردوں اور مینا کار کہریلوں کے بے نظیر نمونوں سے پر تہا۔ حمدی بک کی بیوی فرنچ نسل کی ہے مگر اسکی پرورش اور تربیت بچپن سے ترکی لڑکیوں کی طرح ہوئی تہی۔ تاہم وہ اپنے خاوند کے دوستوں سے پردہ نہیں کرتی۔ اور کھانے کی میز پر صدر نشین ہوتی ہے۔ تمام مکان کی آرایش یورپین طرز کی ہے۔ چنانچہ اگر اسکے دریچوں سے باسفرس۔ قایقیں اور دیگر عجیب و غریب شکل کی کشتیاں جو بحر لحظہ

سامنے سے گذرتی رہتی ہیں۔ دکھائی نہ دیتی ہوں۔ تو انسان کو یہی خیال گذر جاتا ہے کہ وہ ترکی میں نہیں بلکہ یورپ کے کسی اور ملک میں بیٹھا ہوا ہے۔ کھانیکے وقت فرنچ زبان ہیں بر جوش گفتگو ہوتی رہی جسمیں خاتون موصوفہ بھی برابر شریک رہی۔ کھانیکے بعد وہ مجھے اپنے گول کمرہ میں لیگئی اور جنٹلمین (مرد) تمباکو نوشی کیلیئے مکان کے مردانہ حصہ میں چلے گئے۔ میزبانہ نے باتوں باتوں میں مجھ سے کہا کہ سفر و سیاحت سے تمھیں بہت ہی لطف و خوشی حاصل ہوتی ہوگی۔ اسپر میں نے دریافت کیا۔ کیا تم کبھی اپنے خاوند کے ہمراہ باہر نہیں گئیں۔ یہ سنکر وہ سچ مچ ششدر رہ گئی۔ اور جواب دیا۔ "یہ امر بالکل ناممکن ہے۔ میں کبھی پچھواڑے کی سڑک سے بھی اپنے باغ کو جو پہاڑی پر ہے بلا تشمق نہیں گذرتی"۔

ہمارا صادق بک محل سلطانی کے خوش آیند و دلفریب یاور سے جو ہر جگہ سلطان المعظم کے حسب الارشاد ہمارے ہمراہ جاتا تھا۔ اس قدر ربط ضبط اور میل جول ہوگیا تھا۔ کہ مجھے اس کا گھر دیکھنے کی بڑی خواہش ہوگئی گو اسنے اسبارہ میں ہمسے کبھی ذکر نہیں کیا تھا۔ اور مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ اسکے کس قدر بال بچے ہیں وہ عرب ہے۔ اور ایک دفعہ باتوں باتوں میں اسنے ذکر کیا تھا کہ اسکی بیوی بھی عرب ہے۔ وہ میری اس درخواست سے بہت خوش ہوا۔ اور یہ قرار پایا۔ کہ میں اسکی بیوی کو دیکھنے کے لئے تھرآپیا سے پیراکو جاؤں۔ اُس کا گھر مختصر سا۔ مگر اکثر ترکی گھروں سے بلند اور اس عمودی پہاڑی کے کنارہ پر جو یلدز کوشک کے مقابل بنا ہوا ہے۔ اس مکان میں بھی بیرونی دروازہ سے اندرونی حصہ کو تنگ رستہ جاتا ہے جسکی وجہ سے دروازہ مکان کے اندر نظر نہیں پڑتی۔ خدام مجھے پہلی منزل کے ایک کمرہ میں لیگئے۔ وہ بظاہر صادق بک کی نشست گاہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ اسکے دروازے اور دریچے جالیدار نہ تھے۔ اس کا سامانِ آرائش سیدھا سادہ تھا۔ گو ایک الماری فرنچ اور جرمن کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ صادق بک نے جرمن برلن میں سیکھی تھی جہاں وہ کچھ عرصہ رہا تھا۔ اور فرنچ پیرا میں۔ انگریزی بالکل نہیں سمجھتا تھا۔ میں کمرہ میں پہنچی ہی تھی۔ کہ وہ بھی آگیا۔ اور مجھے اوپر لے گیا۔ زینہ کی چوٹی پر اسکی بیوی کھڑی تھی۔ وہ نہایت ہی خوبصورت اور دریا نفاست کی تھی۔ آنکھیں خوشنما۔ اور سیاہ بالوں پر جو رُخِ زیبا کو اس طرح ہالہ کئے ہوئے تھے۔ کہ گویا سیاہ ابر رُخ آفتاب کو حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ گلاب کا قدرتی پھول لگائے ہوئے تھی۔ وہ سفید ململ کے کپڑے اور سفید ساٹن کی پاپوش پہنے ہوئے تھی۔ جامہ کے گھیر اور حاشیہ پر گلاب رنگ کا ریشمی فیتہ لگا ہوا تھا۔

اور سرخ رنگ کا ٹپکا کمر میں پڑا ہوا تہا۔ گلاب کا پھول ہی کمال شوخ ارغوانی رنگ کا تہا۔ وہ نہایت خوبصورت الماس اور مرصع زیورات پہنے ہوئے تہے۔ اور معلوم ہوتا تہا کہ اس ملاقات کیلئے اسنے بننے سجنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اسکی نظروں میں میری سیاہ مخملی پوشاک فی الواقع بہت بے حقیقت اور میلی کچیلی دکھائی دی ہوگی جس کمرہ میں ہم گئے۔ وہ چھوٹا سا تہا۔ اور اسکے دریچوں میں سر سے پاؤں تک جالی لگی ہوئی تہی۔ خاتون موصوف نہایت خوش و خرم اور مسرور معلوم ہوتی تہی۔ اور اپنے آقا کو جو اسکے مقابل بیٹھا ہوا تہا۔ ایسی محبت بھری نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ جو عشق کے درجہ کو پہنچی ہوئی تہی صادق بک نے بیٹھتے ہی اس سوال سے گفتگو کو شروع کیا۔ "تمہارا اسکی نسبت کیا خیال ہے"؟ مینے جواب دیا۔ "کل پیرا بھر میں اس سے خوبصورت میں نے کوئی عورت نہیں دیکھی"۔ میرے اس جواب میں ذرہ بھر مبالغہ نہ تہا۔

اُس دن گرمی سخت تھی۔ صادق بک نے ایک دریچہ کا جالی دار پتہ نیچے اتار دیا۔ اس پردہ کے ہٹتے ہی سامنے کی سبز پہاڑی کا خوبصورت نظارہ جسکی چوٹی پر یلدز محل کی سفید کوشکیں اور وہ مسجد ہی جہاں سلطان المعظم سلاملق کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ میرے سامنے نمودار ہو گیا۔ اور دائیں طرف محلہ ٹپکطاش کے مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے باسفرس کا پانی چمکتا ہوا دکھائی دینے لگ گیا۔ صادق بک کی بیوی اسی وقت اپنی جگہ سے اٹھکر ایسی جگہ بیٹھ گئی۔ جہاں سے اسے دریچہ میں سے آسمان کے سوا اور کچھ نظر نہیں آسکتا تہا۔

بعد ازاں بچے کمرے میں لائے گئے۔ سب سے بڑی تقریباً آٹھ برس کی عمر کی لڑکی تہی جسکے کپڑے اور ٹوپی عجیب و غریب شکل کی تہی۔ وہ ہر صبح مدرسے جاتی تہی۔ اور سہ پہر کو اپنی ماں سے جو سوئی کے کام میں بالخصوص بہت ماہر ہے موسیقی اور کشیدہ کاری سیکھتی تہی۔ ماں کی طرح وہ بھی صرف ترکی اور عربی بول سکتی تہی۔ صادق بک نے کہا "کہ میں اپنی لڑکی کو کبھی کوئی یورپین زبان نہیں سکھاؤنگا۔ ان سے کیا فائدہ ہے۔ اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ لڑکیاں اپنی حالت سے ناخوش ہو جاتی ہیں"۔ مجھے اس کا یہ قول بالکل درست معلوم ہوا۔ لڑکی سے چھوٹا ڈیڑھ سال کا لڑکا تہا۔ وہ نہایت خوبصورت تھا۔ اُسے اسکی ماں کمرہ میں لائی۔ سب سے آخر صادق کی ساس جو بزرگ پیرانہ سال عورت تھی۔ برف سے ٹھنڈا کیا ہوا کمال مفرح شربت بادام لائی۔ جو سویڈن کے بادام سے

بہت ملتا جلتا تھا۔ یہ پیرزن سر پر سفید ململ کا دوپٹہ اوڑھے ہوئے تھی۔ اور سیاہ رنگ کے نرم کپڑے کی بیڈمل سی گون دسلیہ۔ پشواز پہنے ہوئے۔ تھی۔ میرا دل تو مکان کے دوسرے حصوں کو بھی دیکھنے کو چاہتا تھا۔ مگر درخواست کرنے سے حجاب سے آگیا۔ اور میں نے خیال کیا۔ کہ شاید یہ امر گھر والوں کو ناگوار گذرے۔ تاہم میں یہ یقین دل میں لئے وہاں سے رخصت ہوئی۔ کہ یہ کنبہ واقعی بہت خوش ہے۔ خاوند بیوی میں کامل محبت ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور بیوی اپنے فرائض خانہ داری کے سرانجام میں ایسی مصروف ہے کہ وہ اپنے حال میں پوری قانع اور سرمست ہے۔ اسے کسی اور چیز کی خواہش نہیں۔ مگر بعد میں جبکہ صادق بک اپنے کنبہ کو مفصلات کے ایک موضع میں جو شہر سے بہت زیادہ دور نہ تھا لے گیا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے ذکر کیا۔ کہ "وہاں اسے کوئی شغل نہیں۔ اور یہ مشکل ہے کہ انسان عورتوں کے پاس بیکار بیٹھا رہے"۔ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ چونکہ عورتیں مردوں سے بہت ہی ادنیٰ حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان سارا دن انکی صحبت میں نہیں رہ سکتا۔

سب سے آخر میں نے جو مکان دیکھا۔ وہ ایک نہایت وسیع خیال ترکی خاتون کا تھا۔ جو سلطان المعظم کی دور سے رشتہ دار ہے۔ وہ اپنی خوبصورت لڑکیوں کو انکی عمر سترہ برس کی بھی اوپر ہو جانے تک مختلف سفارتوں میں جانے دیتی رہی۔ حتی کہ خود سلطان المعظم نے اس معاملہ میں مداخلت کرکے ان کو شیمق پہننے کا حکم دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اب بھی جب کبھی مصر یا جزائر شاہزادگان میں رہتی ہیں۔ تو بہت کچھ آزادانہ روش رکھتی ہیں۔ ان کا مکان جو بر لب فاسفورس ہے بہت خوشنما ہے۔ اسمیں ایک بڑا حجرہ کہ دریا کی طرف ہے جو تقریباً کلہم ورجینی[1] بیلوں سے ڈھنپا ہوا ہے۔ سٹیمر پر مکان کے پاس سے گذرتے وقت مجھے بسا اوقات ان لڑکیوں کے سروں کی جھلک دکھائی دے جایا کرتی تھی۔ جو اسوقت حجرہ کے میں بیٹھی کشیدہ کاری میں مصروف ہوتی تھیں۔ یا سہ پہر کی چاء پیتی ہوتی تھیں۔ جب دن میں گئی۔ لڑکیوں کی ماں باہر گئی ہوئی تھی۔ میں نے ان کو نہایت ہی دلآویز اور کمال خوبصورت پایا۔ وہ انگریزی بہت عمدہ بولتی ہیں۔ اور ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ ایک اعلیٰ درجہ کی موسیقی نواز اور دوسری چابک دست مصورہ ہے۔ اسکی اپنی ہاتھ کی بنائی ہوئی بیشمار روغنی اور آبی تصویریں کمروں میں آویزاں ہیں۔ انہوں نے مجھ کو اپنا خاص کمرہ نشستگاہ دکھلایا۔ وہ بعینہٖ انگریز لڑکیوں کے کمروں کے مشابہ تھا۔ فرق صرف یہ تھا۔ کہ نسبتاً بڑا اور زیادہ

[1] ورجینیا صوبجات متحدہ امریکہ کی ایک ریاست کا نام ہے۔ مترجم

مکلف اور آراستہ تھا۔ کوٹھڑیوں کے تختوں پر قاہرہ کے منظروں کی دستی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ جوان لڑکیوں نے خود بنائی تھیں۔ اور میزوں پر بکثرت عکسی تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کمروں کو دیکھنے سے فوراً معلوم ہوجاتا تھا۔ کہ وہ اپنی پابندی اور محبوسیت کو حتی الامکان خوشگوار بنانیکی کوشش کرتی رہتی ہیں۔ مگر پھر بھی وہ خوش نہ تھیں چھوٹی کی سگائی ایک سخت بدچلن شخص سے کردیگئی ہوئی تھی۔ ٹرکی سے چلے آنیکے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ اُس نے اس رشتہ کو توڑ دیا ہے۔ اسکی باتوں سے واضح ہوتا تھا۔ کہ وہ شادی کے خیال سے متنفر ہے۔ اور حتی الامکان بیاہ کو معرض التوا میں ڈال رہی ہے۔ سہ پہر کی چاء ہمنے پانچ بجے حجرو کہ پر بیٹھ کر نوش کی۔ وہاں سے وہ سب کچھ دیکھ سکتی تھیں۔ مگر خود بخوبی نہیں دیکھی جاسکتی تھیں۔ وہ ہرم قایق پر سوار ہوکر دریا کی سیر کو نکلتی تھیں۔ انکے نقاب اور خاتونوں ایسے دبیز نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ اس ملاقات کے بعد میں اکثر انکو پہچان لیا کرتی تھی۔ میں جب انکی آئندہ زندگی کی ناخوشی اور بے اطمینانی پر خیال کرتی تھی تو مجھے انکی حالت پر بہت ہی رحم آتا تھا۔

ترکی خاتونوں کی طرزِ معاشرت کی ایک سوادی اور یک آہنگی کی پوری پوری کیفیت ہم باشندگانِ مغرب محسوس نہیں کرسکتے۔ ہر عورت کیلئے امیر ہو یا غریب جسکو اپنی عزت کا کچھ بھی پاس ہو۔ لازمی ہے کہ وہ غروب آفتاب کے وقت تک اپنے گھر میں پہنچ جائے۔ اب ایک طرف جاڑے کی کٹھن اور نہ ختم ہونیوالی شام اور راتوں کا خیال کرو۔ اور دوسری طرف یہ کہ کوئی دوست یا سہیلی اسوقت انکے پاس نہیں ہوسکتی۔ زنانہ رفقا یعنی سہیلیوں کے واسطے ضروری ہے۔ کہ وہ اسوقت اپنے اپنے گھروں میں ہوں۔ اور مرد رفیق ان کا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ باقی رہے اپنے کنبہ کے مرد۔ وہ بھی عورتوں کی صحبت میں کم بیٹھتے ہیں یہ کیفیت دیکھکر ہم مغربی عورتوں کو اپنی ترکی بہنوں پر بہت رحم آتا ہے۔ مگر امید ہے کہ جوں جوں ترکوں اور یورپینوں میں میل میل بڑھتا جائیگا۔ عورتوں کی طرز معاشرت میں ضرور تغیر ہوتا جائیگا۔ اور جسطرح مردوں نے مشرقی پوشکیں اُتار دی ہیں۔ ایک وقت ایسا آئیگا۔ (جو خدا کرے کبھی نہ آئے) کہ عورتیں تشمق اور فرجہ کو دور کردینگی۔ اور انکے ساتھ ہی انکی تنہائی اور پردہ داری کا بھی خاتمہ ہوجائیگا۔ وہ نوجوان ترک جنہوں نے برلن پیرس اور وائینا میں تعلیم پائی ہے

شادی سے پہلے یہ کہتے سُنے جاتے ہیں - کہ ہم اپنی بیویوں کو پردہ میں نہیں رکھیں گے - وہ آزاد رکھی جائینگی - لیکن جب موقع آجاتا ہے - تو وہ سب کے سب رسم و رواج کی پابندی کے سامنے چوں نہیں کرتے - نہ اعلیحضرت عبدالحمید خان[لہ] کی عہد حکومت میں تغیّر کی کوئی امید کی جاتی ہے - عورتوں کے پردہ کے متعلق انکی رائے بہت ہی سخت ہے - اور مشکل کوئی ایسا برس گذرتا ہے جسمیں لشمقوں کے اور زیادہ دبیز کرنے اور فریجوں کو اور زیادہ بیڈول اور گھیرے دار بنانیکی نسبت جدید سلطانی احکام صادر نہ ہوتے ہوں - جن خاتونوں کے مکان باسفرس کے ساحل پر ہیں انکے لئے تو ہوا خواری کے واسطے قایقیں موجود ہیں - مگر سرا کی بیگمات صرف بند گاڑیوں میں آب شیریں کو جاسکتی ہیں - جن کے ساتھ گاہ گاہ انکے خاوند بھی زین سوار ہوتے ہیں - مگر وہ گاڑی میں سے کسی کے ساتھ گفتگو نہیں کرسکتیں - اگر ترکی خاتون کی گاڑی اسکے خاوند یا فرزند کے پاس سے گذرے تو وہ بھی اسوقت اسکو سلام نہیں کرسکتا - اور جبکہ گاڑی کھڑی ہو - اسوقت کوئی شخص اپنی بیوی یا ماں سے بھی ایک لفظ بولنے کی جرأت نہیں کرسکتا - اگر وہ ایسا کرے تو پولیس فوراً مواخذہ کرے - بڑی سے بڑی عزت جو تم کسی خاتون کی کرسکتے ہو - یہ ہے کہ جب اسکی سواری گذرے مُنہ پھیر کر اُدھر پیٹھ کر دو - جب شاہی حرم سرا کی کسی بیگم کی سواری گذرے تو ایسا کرنا لازمی ہوتا ہے - ایک دن ہم (دریا) آب شیریں کے اس حصّہ کے کنارے پر جو سلطان المعظم کی ایک مفصلاتی محل کے باغ کے پاس سے بہتا ہے - بیٹھے ہوئے قہوہ پی رہے تھے - کہ صادق بک یکبارگی کھڑا ہوگیا - اور وہ مڑ کر پیٹھ دریا کی طرف کئے ہوئے ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہوگیا - اس کا باعث معلوم کرنیکے لئے ہمنے ادہر ادہر نظر دوڑائی تو کیا دیکھتے ہیں کہ دریا کے دوسرے کنارہ پر باغ میں سے سلطانی حرم سرا کی دو یا تین گاڑیاں سڑک پر چلی جارہی ہیں - انکے پردے (یعنی کھڑکیاں) اسقدر اٹھے ہوئے تھے کہ یہ دیکھنا

لہ لیڈی ملر کی خیالات چونکہ بدنیتی پر مبنی نہیں ہیں - اسلئے ہم مسلمانوں کو انکی شکایت کرنیکا کوئی حق نہیں ہے - اور ہمارے رسم و رواج اور خیالات کو اچھی طرح نہ سمجھہ سکنے کے باعث معذور ہی سمجھی جاسکتی ہیں - اور کمال خوشی کا مقام ہے - کہ جو امید لیڈی صاحبہ نے اوپر ظاہر کی تہی - اسلام کے مخلص خادم اور سچے حامی خلیفۃ المسلمین عبدالحمید خان کی ذات والا صفات کی طفیل اسکے پورے ہونیکے کوئی آثار نہیں ہیں - مترجم

ناممکن تھا - کہ آیا گاڑیوں میں کوئی شخص سوار بھی ہے یا نہیں؟ تاہم ہماری طرف جس قدر ترک تھے - ملازم یا غیر ملازم سب بہی بیہودہ حرکت کر رہے تھے - اور صرف اسوقت اپنی اپنی جگہ پر واپس آئے - جبکہ گاڑیاں نظر سے اوجھل ہوگئیں -

پہلے مرد اپنی منگیتر کو شادی سے پہلے کبھی نہیں دیکھ سکتا تہا - شادی کے بعد جب میاں بیوی الگ کمرہ میں جاتے تھے - تو اسوقت پہلی مرتبہ نقاب اٹھایا جاتا تہا - لیکن اب عموماً اس امر کا انتظام کیا جاتا ہے - کہ لڑکا اپنی مستقبلہ بیوی کا چہرہ ایک لمحہ کے لئے بے نقاب دیکھ لے - پردہ کی وجہ سے ٹرکی میں ایسی مہمان نوازی نہیں ہوسکتی تہی - جو کہ ہم لوگوں کی مفہوم ہے - پاشا ایک دوسرے کی دعوتیں کرتے رہتے ہیں - اور بعض پاشا یورپین شرفا کو بھی اپنے گھروں میں مدعو کرتے ہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ جہاں لیڈیوں کی تواضع اور مدارات کیلئے میزبانونکی خاتون شریک ضیافت نہ ہو - انکو مدعو نہیں کیا جاتا - اسنیا میں جہاں تک مجھے علم ہے - صرف حمدی بک ایک مستثنی ہیں - مگر ساتھ ہی یہ بات بھی ہے - کہ انکی بیوی بلحاظ پیدائش فرنچ ہے - تاوقتیکہ وہ مبارک زمانہ آئے - جبکہ ترکی عورتیں اپنے والدین اور شوہروں کے ساتھ ہر جگہ آسکیں - میری رائے میں اعلی تعلیم انکو صرف بیچین اور ناخوش بنانیکا موجب ہوتی رہیگی - اور محض ان عورتونکی زندگی آرام سے بسر ہوگی - جن کو سلطانی حرم سراء کی بیگمات کی طرح کھانے پینے اور پہننے اور ساری عمر نازپرورده بچوں کی طرح رہنے کے سوا اور کسی کام سے سروکار نہ ہو ٭

(۱۶) - آخری باریابی بارگاہِ سلطانی میں

۹ - اگست پہنچ گیا - - اکو ہمارا ارادہ روانہ ہوجانے کا تہا - مگر ابتک آخری ملاقات کی نسبت ہمیں محل سے کوئی اطلاع نہ ملی تہی - صرف یہ افواہ سننے میں آئی تہی - کہ اعلیحضرت کی طبیعت (بنصیب اعدا) کسی قدر ناساز ہے - شام کیوقت ہم انگریزی سفارت کی سکرتریوں کی مسکوٹ میں سکرتری خانہ میں جو لارڈ سٹریٹ فورڈ دہی ریڈ کلف کی زمانہ میں انگریزی سفارت خانہ تہا - کھانا کھانے گئے - اور میز پر بیٹھے ہی تہے - کہ ہمیں اطلاع دی گئی

کہ صادق بک محل سرا سے پیغام لیکر آیا ہے۔ پہلے وہ ہوٹل گیا تھا۔ اور ہمکو وہاں نہ پاکر سکوٹ
کو آیا ہے۔ ہمارے میزبانوں نے اس کو کھانے میں شریک ہونیکی درخواست کی۔ جسے اس نے
خوشی سے منظور کر لیا۔ اور پھر ہمیں بتایا۔ کہ دوپہر کے کھانیکے لئے ہم دوسرے دن دوپہر کے وقت
محل میں پہنچ جائیں۔ ہمنے ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے اسے محل سے باہر آ ملنے کا اقرار کیا
چنانچہ دوسرے دن سفارت کی کشتی پر سوار ہو کر دولمہ باغچہ کے کنارہ خشکی پر اترے
اور وہاں سے گاڑی پر محل کو گئے۔ وہاں صادق ہم کو سفراء کی کوشک سے باہر مل گیا
وہ ہم کو اس دروازہ سے آگے لے گیا جس سے اس کوشک کو رستہ جاتا ہے۔ جہاں ہم نے
حاجی علی کو دیکھا اور جلال الدین افغانی سے ملاقات کی تھی۔ مگر ہم اس کوشک کو نہ گئے۔
بلکہ وہ ہمکو ایک لمبی سی پست قامت عمارت کی طرف لے گیا جسکی دیواریں بیلوں سے ڈھنپی
ہوئی تھیں۔ اور جو حرم سرا کے اس دروازہ کی سیدھ میں ہیں جسمیں سے ہم پہلی سلاملق کے موقع پر گذرے
تھے۔ باغ کی جس روش پر ہم چلے جا رہے تھے۔ وہ عمارت مذکور کے ایک آئینہ دار دروازہ پر جا کر ختم ہوئی
جسکے سامنے کوئی زینہ نہیں تھا۔ اسکی سطح روش کی سطح کے برابر تھی۔ اسمیں سے گذر کر ہم ایک وسیع حال میں جو
بہت ٹھنڈا تھا داخل ہو گئے تھے۔ اسمیں کوئی نوکر موجود نہ تھا۔ مگر صادق بک کو مفصل ہدایات ملی ہوئی
تھیں۔ وہ ہمیں ہال میں سیدھا ایک کمرہ کو جو بائیں جانب تھا لے گیا۔ اور ہمیں وہاں بٹھا کر باہر چلا گیا
ہمیں اپنی فرزند کو ہمراہ لانیکی خاص طور پر ہدایت کی گئی تھی۔ کمرہ میں شاندار قالین بچھا ہوا تھا اور
اودی رنگ کی ریشمی زربفت کے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ چند الماریاں اور چھوٹی چھوٹی میزیں اور
بعض دیگر مینا کار چیزیں بھی جا بجا رکھی ہوئی تھیں۔ ہمنے وہاں کچھ دیر انتظار کیا۔ دوپہر کے
وقت ہمیں موذن کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی مینار سے نہیں بلکہ باغ میں کھڑا ہو کر اذان
دے رہا تھا۔ قرب کی وجہ سے اسکی آواز معمول سے زیادہ متوحش معلوم ہوئی۔ دور سے سننے پر
اس میں پھر بھی ایک طرح کی نرمی سی پیدا ہو جاتی ہے۔

آخر کار صادق بک نے واپس آ کر کہا۔ کہ سلطان المعظم کی طبیعت درست نہیں۔ اسلئے وہ
تمہارے ساتھ بیٹھ کر طعام تناول کرنیسے معذور ہیں۔ پھر ایک اور کمرہ کے جو پہلے کے اندر کی طرف تھا
دروازے کھولدیئے گئے۔ ہم نے ایک چھوٹی سی میز پر کمال لذیذ اور بینظیر کھانا چنا ہوا پایا
میز کے گرد چار کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ اور وسط میں تین بڑے بڑے طلائی بادیئے جن پر نہایت
نفیس کام تھا۔ ایسے بے نظیر پھلوں سے بھرے رکھے تھے۔ کہ ویسے پھل ہمیں پہلے ٹرکی میں دیکھنے نصیب نہیں

ہوئے تھے- دیگر ماکولات کی علاوہ مچھلی- پلاؤ اور چوزے کا گوشت بھی تھا ہمیں نہایت ہی اعلیٰ قسم کی شامپین بھی دیگئی- مگر صادق کے سامنے اسکے جام نرکھے گئے- جب کبھی وہ ہمارے ساتھ کھانا کھاتا تھا- تو شراب سے ایسا سخت پرہیز کرتا- اور کہا کرتا تھا کہ میں اسے گناہ صغیرہ تصور کرتا ہوں"- کھانیسے فارغ ہونیکے بعد ہمیں اطلاع دیگئی- کہ جلالت مآب ہمسے ملاقات کرنیکے لئے تیار ہیں- چنانچہ صادق کے ہمراہ ہم پھر سے بڑے ہال کو واپس گئے- وہ اسی جگہ رہا اور منیر پاشا رئیس التشریفات ایک دروازہ سے جو اس کمرہ کے عین مقابل تھا جس سے ہم باہر آئے تھے- باہر برآمد ہوکر ہمکو اپنے ساتھ لیگیا- ایک چھوٹے سے کمرہ سے گذر کر ہم سلطان المعظم کے روبرو پہنچ گئے- جلالت مآب کھڑے ہوئے تھے- جب ہمنے قریب پہنچکر فرشی سلام کیا حضور ممدوح نے ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ مصافحہ کیا- پھر مجھے ہاتھ سے پکڑکر اپنی دائیں جانب ایک سوفا پر جا بٹھایا- اور پروفیسر- ہمارا فرزند اور منیر پاشا سوفا کے مقابل تین کرسیوں پر بیٹھ گئے ٭

جلالت مآب کے چہرہ پر اسدن سے جبکہ ہمنے انکو پہلی مرتبہ دیکھا تھا بہت فرق تھا جب وہ سلاملق کو تشریف لے جاتے ہیں- تو گو کوئی شخص ان فوجوں کی صفوں کو چیر کر جو ہر ایک سڑک پر صف بستہ کھڑی ہوتی ہیں آگے نہیں بڑھ سکتا- حضور ممدوح کو یہ اندیشہ رہتا ہے- کہ کوئی (مردود) انکی ذات پر حملہ نکردے- چنانچہ جب پہلی مرتبہ سلاملق کے بعد انکو ہمنے دیکھا تھا- تو چہرہ مبارک پر ابھی تک تردد کے آثار باقی تھے- محل میں وہ اپنے تئیں بالکل محفوظ تصور فرماتے ہیں- بنابریں وہ اب محل میں بہت خوش اور کمال مطمئن نظر آتے تھے انہوں نے سلسلۂ گفتگو افسوس ظاہر کرنیسے شروع کیا کہ انکی طبیعت درست نرہی تھی- اور ابتک بھی بالکل بحال نہیں ہوئی- اسلئے وہ ہمکو اپنے ساتھ کھانا تناول کرنیکے لئے مدعو نکر سکے- منیر پاشا نے حضور ممدوح کے ارشاد کا فرانسیسی میں یہ ترجمہ کیا کہ "ہمارے معدہ میں کچھ فتور آگیا" یہ عام مشہور بات ہے کہ جلالت مآب ہیضہ کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں لیکن گو آداب شاہی کے مطابق انکو ترکی کے سوا کسی دوسری زبان کے سمجھ سکنے کا اظہار کرنا مناسب نہیں- پھر بھی انہوں نے منیر پاشا کو فی الفور ٹوک کر ترکی میں کچھ کہا- چنانچہ منیر نے پہلے فرنچ فقرہ کی اصلاح کرکے دوسرے الفاظ استعمال کئے جن کا مطلب تھا- کہ "جلالت مآب کی طبیعت ناساز رہی ہے"- اسکے بعد حضور ممدوح نے میری نسبت ارشاد فرمایا کہ تمہاری صحت اسدن کی نسبت جبکہ ہمنے تمکو پہلے دیکھا تھا- بہتر معلوم ہوتی ہے- اس عنایت آمیز ارشاد کا میں یہی جواب دے سکتی تھی- کہ ترکی کی عمدہ آب و ہوا مجھے بہت ہی موافق آئی ہے- پھر جلالت مآب نے ہمارے بیٹے کو تسلی دی- کہ ہمارے چلے جانے سے اسے پژمردہ خاطر نہیں ہونا چاہیئے- اسکے جواب میں ہوشیار مدبر نے فی البدیہہ عرض کیا کہ کسی اور ملک میں تو ضرور وہ بہت ہی آزردہ خاطر ہوتا- مگر ترکی میں اسکی زندگی ایسی خوشی کے ساتھ بسر ہوتی ہے کہ

کہ وہ اس مجبوری کو چنداں محسوس نہیں کریگا۔ ہمیں اس بات کا وہم و گمان تک بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ عنقریب قسطنطنیہ میں آرمینیوں کا خوفناک قتل عام ہوگا۔ اور ہمیں اسکو منصبی حیثیت سے بہت کچھ دخل دینا پڑیگا۔ میرے خاوند کے ساتھ سلطان المعظم نے اپنے ملک کے مدارس اور ان مساعی جمیلہ کے متعلق جو انہوں نے اپنے سپاہیوں اور اپنی رعایا کی اولاد لڑکوں لڑکیوں دونوں کی تعلیم و تربیت کیلئے اختیار کی ہیں کس دلی کے ساتھ بحث کی۔ وہ یہ سنکر بہت خوش ہوئے۔ کہ ہم انکے ملک کی سیر سے کمال محظوظ ہوئے ہیں ہم نے جلالت مآب کا اس امر کیلئے بھی شکریہ ادا کیا۔ کہ حضور ممدوح نے صادق بک کو ہمارے ہمراہ کردیا جس نے ہر ایک معاملہ میں ہمارے لئے کمال آسانی پیدا کردی۔ اور بدوران اقامت ہم پر ہر وقت نظر عنایت مبذول رکھی۔ اور ہمارے حال پر کمال شفقت ظاہر فرماتے رہے۔ جب امیر المومنین ہمکو رخصت کرنیکے لئے کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا۔ کہ انکی خواہش ہے۔ کہ ہم میں سے ہر ایک کے پاس انکے ملک میں کچھ عرصہ بسر کرنیکی یادگار موجود رہے۔ جو یادگاری تحائف ہمکو دوسرے کمرہ میں ملیں گے۔ پھر ہمارے لڑکے کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔ "میں جانتا ہوں کہ انگریزی سفارت کے ممبر کی حیثیت سے تم کوئی تحفہ نہیں لے سکتے مگر میں تمہارے باپ کے بیٹے کو تحفہ دیتا ہوں"

سلطان المعظم دروازہ تک ہمارے ساتھ آئے مگر اس دفعہ مجھے اپنے بازو کا سہارا نہ دیا۔ ہمنے دروازہ پر پھر شکر و امتنان کا اظہار کرکے مودبانہ سلام کیا۔ اور منیر پاشا چھوٹے کمرہ ہال میں سے ہمکو پھر اسی کمرہ میں لیگیا۔ جہاں ہمنے پہلے انتظار کیا تھا۔ صادق بک بھی ہمیں وہیں آملا۔ منیر پاشا نے وہاں سفید ململ کا ایک بڑا تھیلا جیب سے نکالکر اسمیں سے تین پیکٹ جو سفید کاغذ میں بند تھے۔ نکالے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک پیکٹ دیدیا۔ میرے خاوند کو طلائی سگرٹ دان تحفہ دیا۔ اسپر سلطان المعظم کا طغرا ہیروں میں بنا ہوا تھا اور حاشیہ پر بڑے بڑے حجم کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ مجھے ایک نہایت خوبصورت ہیروں کا موباف جوڑے کیلئے عطا ہوا۔ اسکے ساتھ ہی ہیروں کا بنا ہوا ایک پرندہ تھا جسکی دم زمرد اور لعل کی تھی۔ یہ پرندہ بطور جگنو گلے میں بھی پہنا جا سکتا ہے اور بیچ سے موباف کے ساتھ بھی جڑ سکتا ہے۔ جو دونوں ملکر نہایت ہی خوبصورت زیور بنجاتے ہیں۔ میرے لڑکے کو بھی خالص کندن کا سگرٹ دان ملا جسپر سلطان المعظم کا طغرا ہیروں میں بنا ہوا ہے۔ یہ پروفیسر کے سگرٹ دان سے چھوٹا ہے۔ اُسے اس تحفہ کو اپنے پاس رکھنے کی اپنی گورنمنٹ سے اجازت منگوانی پڑی تھی۔ جو اُسے عطا کردی گئی۔ ان شاہانہ تحائف کو دیکھکر ہماری زبان سے خوشی اور تعجب کے جو کلمات بے اختیار نکل گئے۔ انکو سنکر منیر پاشا نے کہا کہ "جو کچھ تمنے کہا ہے اسے فی الفور سلطان المعظم کی خدمت میں عرض کرنا مجھپر لازمی ہے۔" اور اسطرح سے ہمکو اس غیر معمولی عنایت و نوازش شاہانہ کا جو ہماری اقامت کے دوران میں

ہمارے حال پر مبذول رہی۔ شکر و امتنان ظاہر کرنیکا ایک اور موقع ملگیا۔ ہمیں دروازہ تک خود منیر پاشا تہا آکر چہوڑ گیا۔ کوئی خادم سامنے نہ آیا۔ اور ہم محل یلدیز سے اسکو بلند مرتبت سکونت گزین کیلئے پسندیدگی و محبت اور رحم کے مخلوط احساس کو دل میں لئے ہوئے رخصت ہوگئے۔

یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ جو وہ شخص بلاشک و شبہ اعلیٰ درجہ کا مہمان نواز اور نہایت ہی پُرفریب میزبان گفتگو و تکلم میں کمال خوش اخلاق مہربان اور بیدار مغز ہے۔ اور جو بیحد خواہش دوسرونکو خوش کرنیکی رکھتا ہے کیا وہی آدمی ہے جسنے اور کچھ نہیں تو کم از کم ارمینیوں کے قتل عام میں چشم پوشی اور مسامحت کی ہے۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ انکو بچوں سے بہت محبت ہے۔ جب ہم ٹرکی میں تہے تو ہمنے سُنا تہا۔ کہ انکے محل میں ایک کمرہ نہایت خوبصورت اور بیش قیمت کھلونوں سے جو یورپ سے منگوائے گئے ہوئے ہیں بھرا ہوا ہے۔ اور جو ہنی وہ سنتے ہیں۔ کہ کسی لیڈی کے ساتھ اسکا بچہ بھی شاہی حرم سرا میں آیا ہے تو وہ ان میں سے ایکدو کھلونے بطور تحفہ لیڈی مذکور کو ارسال فرمادیتے ہیں۔ انگلستان میں عام خیال ہے کہ اگر سلطان المعظم چاہتے تو وہ اس مہیب قتل عام کو جو بیجا انکے نام سے کیا گیا۔ روک سکتے تہے۔ مگر مجہے اسکے ماننے میں کچھ کلام ہے جو عیسائی انکی سلطنت میں رہتے ہیں۔ انکو بیشمار رعایتیں حاصل ہیں۔ اور اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے انکے لئے ممنوع نہیں ہیں۔ کئی سفراء اور کئی وزیر عیسائی ہیں۔ اسکی نظیر نہ انگلستان بلکہ ہندوستان میں بہی نہیں ملتی۔ سلطان المعظم کو تخت کے ساتھ ہی ایک ایسی مشکل ورثہ میں ملی ہے جسکا بظاہر کوئی تدارک نہیں معلوم ہوتا۔ انکی عیسائی رعایا بلحاظ تعلیم و ذہانت۔ دولت و حشمت اور اقتدار سلطنت کا سب سے زیادہ زبردست حصہ ہے۔ ادہر ترک تعداد میں زیادہ اور صلیبی لڑائیوں اور فتح قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی اقوام کے باہمی جھگڑوں کے طفیل ملک کے مالک ہیں۔ ان دونوں حصوں کے تعلقات کچھ ایسے واقع ہوئے ہیں کہ ترک اور عیسائی وقت ایکدوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار ہیں۔ چنانچہ جب کبہی کہیں بغاوت پھوٹ پڑتی ہے۔ تو سلطان المعظم یا انکے وزراء کے پاس یہ حکم دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ کہ جسطرح ہو بغاوت کو فرو کیا جائے۔ عیسائی خود ہی بتائیں کہ جب دو قومیں جو ایک ہی گورنمنٹ کی ماتحت ہوں۔ ایکدوسرے سے سخت عناد رکہتی ہوں۔ تو وہاں اور کیا چارہ ہوسکتا ہے؟ ہندوستان کی بہتری اور فلاح کیلئے انگریزی گورنمنٹ نے جو کچھ کیا تہا۔ وہ دنیا میں پوشیدہ نہیں۔ مگر انکی طرف سے ایام غدر میں جو بیرحمی محض اور نامناسب سفاکی ظہور میں آئی ہے اسکی کوئی نظیر ہوسکتی ہے۔ بہر ادکے عوض میں جب ہزارہا باغی توپوں کے سامنے اڑادیئے گئے۔ تو ابنائے ملک سے مخفی نہیں کہ لارڈ کیننگ پر بہی سخت اعتراض کئے جاتے ہی تہے۔ کہ انہوں نے باغیوں کے ساتھ بیحد ہی نرمی کی ہے۔ سلطان المعظم جانتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرح اپنی غیر مسلم رعایا کی

طرفداری کریں۔ تو یورپ میں انکی سلطنت کا خاتمہ ہو جائیگا۔ اور انکی مسلمان رعایا انکے مقابلہ پر اٹھ کھڑی ہوگی ناظرین کو یہ بھی خیال رہے۔ کہ سلطان کی سلطنت میں ایک جماعت نوجوان ترکوں کی بھی ہے جو آرمینیوں سے بڑھ کر انکی حکومت کیلئے خطرناک ہے۔ اور جو محض اعلیٰ سلطان المعظم کی وفادار چلی آتی ہے۔ کہ جماعت مذکور کو عیسائیوں سے دشمنی ہے۔ ان دونوں قوموں میں ایسا سخت عناد ہے۔ کہ وہ قطعی طور پر کبھی دُور نہیں ہو سکتا صرف یہ ہو سکتا ہے۔ کہ وقتاً فوقتاً عارضی طور پر عناد کے اظہار اور لڑائی میں التوا ہوتا رہا ہے۔ مگر اسکا واقعی خاتمہ صرف دو صورتوں میں ہی ہو سکتا ہے۔ یا عیسائی بالکل معدوم کر دیئے جائیں یا مسلمان یورپ سے نکال دیئے جائیں۔

کیا یورپین دول نے اس مسئلہ کے متعلق درست وطیرہ اختیار کیا ہے؟ اور کیا انہوں نے صرف عیسائیوں کی حمایت کا بیڑا اٹھا کر اس امر کو فراموش نہیں کر دیا۔ کہ ترکی رعایا کو بھی بد انتظامی ٹیکسوں کی زیادتی اور کئی دیگر سختیوں کی شکایت ہے۔ فرق فقط یہ ہے۔ کہ ترک ان سختیوں کو عرصہ دراز سے خاموشی اور تحمل کے ساتھ برداشت کرتے چلے آئے ہیں۔ اور اف نہیں کرتے۔ برعکس انکے ارمنی مدت سے برسر بغاوت اور خونریزی چلی آ رہی ہیں اگر دول یورپ یہ اصرار کریں۔ کہ ٹرکی کی کل طرز حکومت ہی از سر تا پا ایسی خراب ہے۔ کہ اسے قایم رہنے دینا ناممکن اور یورپ کیلئے باعث شرم ہے۔ اور جبتک ترکوں کا باسفورس سے ورلی طرف رہنا گوارا کیا جائے۔ یہ لازمی امر ہے۔ کہ انکی حکومت تہذیب و تمدن کے مسلمہ اصول کے مطابق ہو تو اس صورت میں خواہان اصلاح جماعت جو نوجوان ترکی جماعت کے نام سے موسوم ہے ان کی طرف مائل ہو جاتی۔ اور ٹرکی کی عیسائی رعایا بھی یورپین دول سے فرنٹ نہ ہوتی۔ اور پھر یہ مجتمعہ اور متحدہ اقتدار اور دباؤ کل سلطنت کے لئے ڈائنامائٹ اور بمب کے گولے پھینکنے کے بغیر دربار سلطانی سے ضروری اصلاحات حاصل کر لیتے۔ اور یورپ کو وہ خوفناک مقاتل عام نہ دیکھنے پڑتے جو حصول اصلاحات کیلئے ناجائز وسائل اختیار کرنے کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔[1]

(قسطنطنیہ حصۂ اول ختم ہوا)

[1] لیڈی صاحبہ نے آرمینیوں کی قتل عام۔ نوجوان ترکی پارٹی۔ اصلاحات اور سلطان المعظم کی منشاء و ارادہ اور انکی کارروائی کی نسبت جو کچھ تحریر کیا ہے۔ اسکے متعلق میں کچھ تنقید کرنے یا لیڈی صاحبہ کی بعض غلط استدلالات اور قیاسات کی تردید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں دیکھتا۔ میں رسالہ میں رسالہ مفروضہ مظالم آرمینیا۔ واقعات روم۔ بیست سالہ عہد حکومت امیر المومنین عبدالحمید خان خلد اللہ ملکہ اور تاریخ خاندان عثمانیہ میں مفصل تحریر کر چکا ہوں۔ مترجم

قسطنطنیہ حصۂ دُوم

(جزو دوم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

قسطنطنیہ کی سیاحت اور وہاں کی پُرفضا سینریوں اور نظاروں کے متعلق انگلستان کے زندہ سیاح اور مشہور مصنف مسٹر موریَن کرافورڈ حسب ذیل لکھتے ہیں

فتحِ قسطنطُنیہ

آنحضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے ارشاد فرمایا تھا۔ "مبارک و مغفور ہونگے وہ لوگ[1] جو قسطنطنیہ کو فتح کرینگے"۔ اس موعود مغفرت و برکت کو حاصل کرنیکے لئے بیشمار جان توڑ لڑائیاں اور کئی دلیرانہ معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ آنحضرت کے صحابی ایوب رضی اللہ عنہ اُس فوج کشی[2] میں شہید ہوئے۔ جو سب سے اول ترکوں نے مشرقی رومن سلطنت کے دارالخلافہ کو فتح کرنے کیلئے کی تھی۔ عیسائی مجاہدین[3] نے شہر کو فتح کر کے قدرے قلیل برکت حاصل کی۔ اور ایک ہفتہ کے اندر اندر اسے اس قدر تباہی و بربادی کی۔ کہ تمام دوسرے فاتحین نے بارہ صدیوں میں بھی اُسے ایسا ویران اور برباد نہ کیا تھا۔ آخر رسول کریم (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ایک ہمنام اور جانشین

---

[1] حضرت سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم سے اس شہر کے متعلق یہ حدیثیں مروی ہیں اول اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم (میری امت سے اول جو لشکر قیصر کے شہر پر فوج کشی کریگا اسکے لوگ مغفور ہونگے) دوم لتفتحن القسطنطنیہ ولنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا (قسطنطنیہ فتح کیا جائیگا اور کیا اچھا ہے امیر جو اسکی فتح کا امیر ہو اور کیا اچھی ہے وہ فوج جو اس فتح کے حاصل کرنیوالی فوج ہو۔ مترجم) [2] یہ فوجکشی معاویہ بن ابی سفیان کے زمانہ خلافت میں بقول بعض ۳۲ھ بقول دیگر ۴۸ھ میں کی گئی تھی جسکا اختتام ۵۲ھ میں صلح پر ہوا تھا۔ [3] یہ مجاہدین بیت المقدس کو مسلمانوں سے فتح کرنیکے لئے یورپ سے روانہ ہوئے تھے۔ مگر راستہ میں اپنا ہی مذہب سلطنت کے دارالخلافہ کا محاصرہ کر کے سنہ ۱۲۰۴ء میں اسکو فتح کر لیا۔ اور بالڈون کی زیر حکومت قسطنطنیہ پر لاطینی بادشاہی قایم ہو گئی۔ جو سنہ ۱۲۶۱ء تک قائم رہی ہو (مترجم)

محمدؐ فاتح جیسے حرکا ابتک اپنے کل دوسرے فاتح و منصور سلاطین پر ترجیح دیکر فاتح کے ممتاز لقب سے پکارتے ہیں اس فتح کے در پے ہوا قسطنطین اول کی وسیع و عظیم الشان سلطنت گو اسکے آخری ہنگام کے زمانہ میں صرف شہر کی چاردیواری تک محدود ہوگئی تھی - لیکن محمدؐ کو اس چند میل مربع کیلئے بھی جو سینٹ صوفیا اور قلعہ رومیلی حصار کے درمیان ہے کئی برس لڑائی کرنی پڑی اس فتح کیواسطے ناقابل تسخیر بڑے بڑے قلعے تعمیر کرنے پڑے - بڑی بڑی خندقیں کھودنی پڑیں اور حملہ آور بیڑہ کے جہازات کو پانی سے باسفرس کے کنارے پر اٹھانا پڑا جو وہاں سے پہیوں اور گراریوں کی مدد سے خشکی پر کھینچکر خلیج گولڈن ہارن میں لے گئے - اور ان ابتدائی مرحلوں کو طے کر کے بعین آخری وقت سخت جانگداز اور خونخوار لڑائی کرنی پڑی -

آخری قیصر اپنے شہر کے دروازہ پر جان توڑکر پیدل لڑتا ہوا ہلاک ہوا - اور فاتح گھوڑے پر سوار مقتولین کی لاشوں پر سے گذرتا ہوا آیا صوفیا کے جنوبی حصہ میں داخل ہوا - جہاں اسے قریب ترین ستون پر اپنا خون آلود ہاتھ مار کر اپنی فتح کا خونی نشان لگا دیا - جو ابتک وہاں دکھائی دیتا ہے فاتح کے داخلہ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے - اسکی صحت اور درستی کا میں ذمہ وار نہیں - تاریخ نہ سہی کم از کم روایت بھی کہتی ہے - فی زمانہ تو گرجے کی چاردیواری کے اندر کوئی خونریزی ہونیسے بھی قطعاً انکار کیا جاتا ہے اور وثوق کے ساتھ کہا جاتا ہے - کہ جو عیسائی اسمیں جمع ہوئے تھے - انکو بلا کشت و خون گرفتار کر لیا گیا تھا تاہم ہم لوگ جو اس ترقی و تہذیب کے موجودہ زمانہ میں بستے ہیں - اور وہ زمانہ ایسا ہے کہ اسمیں فوجوں کی فوجیں کلوں سے تباہ کردیجاتی ہیں - اور سلطنتیں کھمبوں کی طرح ایک رات میں پیدا ہوجاتی ہیں اور اگر گولی کے پھولوں کی طرح ایک دن جوبن دکھا کر دوسری صبح دھوئیں کی طرح معدوم و فنا ہو جاتی ہیں اور ایسی بے ثبات ہوتی ہیں کہ مندرجہ بالا استعاروں میں سے بھی کوئی ایک فی الحقیقت ان پر پورا پورا صادق نہیں آسکتا - ان مختصر دو ٹک وظالمانہ کارناموں کو جو مذہبی اعتقاد اور دینی پرجوشی کے پرانے زمانہ میں وقوع میں آتے تھے - انکے فاتحانہ عمل ہونیکی وجہ سے اعتقادانہ نظر محبت سے دیکھتے ہیں اور انکو کبھی غلط تصور کرنا گوارا نہیں کر سکتے آجکل کے زمانہ میں سلطنتیں ایک دوسری کو لڑائی کرنیکے لئے مدتوں پہلے اپنی لمبی چوڑی تجویزیں کرتی رہتی اور تدابیر سوچتی رہتی ہیں - کہ انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے - اور وہ چاہتا ہے کہ کیوں نہیں پہلے زمانہ کی طرح جھٹ پٹ معاملہ کو یکسو کر دیا جاتا - اس انیسویں صدی میں اب جو معرکہ کی جنگ ہوتی ہے اسمیں شریک ہونیوالی سلطنتوں کی طول و طویل فوجی تیاریاں اور جنگ کرنیوالی فوجوں کی نقل و حرکت

اور اجتماع کی تجاویز کے طومار پر جو جنگ مذکور کی رٹ پر جو عمل میں لائی جائینگی گھنٹوں غور کرتے رہنے کی بجائے انسان کا دل یہی چاہتا ہے۔ کہ وہ اس عالی شان مسجد کی نیم تاریک مسقف راستہ میں کھڑا ہو کر ایک لمحہ کیلئے اسے درست باور کرلے کہ نیم مہذب تبرزد آزما (یعنے محمد فاتح) نے عیسائی خون کا نشان اسمیں اس امر کی علامت میں لگایا تھا کہ اب وہ اسکی ملکیت ہو گئی ہے۔ اگر یہ معاملہ صحیح ہو۔ تو اس ایک چھاپہ میں اور اگر یہ محض روایت ہے تو اس روایت میں مشرقی کل تاریخ اور داستان مرکوز ہے۔ جسوقت یہ چھاپا لگایا گیا تھا۔ اسوقت مغرب نے مشرق کا مقابلہ کیا اور اسکے سامنے ہزیمت یاب ہوا۔ اسوقت جو گذشتہ زمانہ کی باتیں تھیں۔ وہ نسیاً منسیاً ہوگئیں۔ اور استقبال حال ہونا شروع ہو گیا۔ نئی سلطنت کی قائم کرنیوالوں نے جنکے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے۔ قدیم سلطنت کی آخری حصن حصین کو مار لیا۔ اور قسطنطین جسٹینین اور یونانی قیاصرہ کا قسطنطنیہ ہمیشہ کیلئے صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ اور یہ بے بہا مرصع زیور جو تین نقرئی سمندروں کے محل اتصال پر جڑا ہوا ہے۔ یورپ کی گردن سے اتار لیا گیا۔ تاکہ ایشیا کی تاج میں گوہر شب تاب کا کام دے۔ قیصر جسٹنین۔ اسکی قیصرہ تھیوڈورا اور اسکے اندھے سپہ سالار بیلی ساریس الغرض زمانہ گذشتہ کے تمام یونانی ناموروں کی روحیں اور انکے آثار ان تمام وسیع در و دیوار اور ستون دار گیلریوں اور ایوانوں سے جو استنبول کی نیچے پھیلے ہوئی تھے۔ ابد الآباد کیلئے غائب ہو گئے۔ اور انکی مذبوح آل و اولاد اور ورثا کی لاشوں سے ابھی خون جاری ہی تھا۔ کہ انکے ورثہ کے مالک نے اپنی قوم اور اپنی ذات کیلئے اس خیر و برکت کی عطا ہونیکی دعا مانگی جسکا تقریباً ۸ سو برس پیشتر رسول اللہؐ نے وعدہ فرمایا تھا۔ (یعنی جامع ایا صوفیا میں نماز شکرانہ ادا کی)

تاریخ عالم میں ایسا بہت کم ہوا ہے۔ کہ کوئی شہر ایکہزار برس سے زیادہ تک ایک سلطنت کا دار الخلافہ رہکر چوبیس گھنٹوں کے اندر دوسری ایسی سلطنت کا دار الخلافہ ہوجائے جسکے بانی مبانی اور رونق دہندگان مغلوب قوم سے۔ مذہب، ملت، زبان اور اوضاع و اطوار اور رسم و رواج میں قطعاً مختلف اور متضاد ہوں۔ یہ طبعی امر تھا۔ کہ محمدؐ کی فتح قسطنطنیہ کی حالت میں جو اچانک تغیر پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اہمیت اور نوعیت میں بہت ہی بڑا تغیر ہو۔ لیکن پھر بھی جو کچھ انقلاب ہوا۔ اس سے اس فاتح کی اوصاف حمیدہ کی بدیہی شہادت مل رہی ہے۔ اسدن سے لیکر آج تک میرے یقین میں قسطنطنیہ میں کسی عیسائی یا یہودی کو ایذا نہیں پہنچائی گئی۔ استنبول پیرا اور اسکودرہ (سقوطری) کو یکجا کر کے دیکھا جائے تو ترکی دار الخلافہ میں آجکل مسیحیوں کی تعداد مسلمانوں سے غالباً زیادہ پائی جائیگی جسکا باعث ترکوں کی بے تعصبی کے سوا اور کچھ نہیں

ہو سکتا۔ گو انکی اس صنعت کا عام طور پر چنداں اعتراف نہیں کیا جاتا۔ یہ بیشک درست ہے کہ بڑے بڑے گرجوں
کی مسجدیں بنالی گئی تھیں اور جہاں کہیں ان میں صلیب کے نشان تھے۔ وہاں وہاں ہلال کا نشان بنا دیا گیا تھا
اور مزید براں انکی دیواروں پر اولیا۔ فرشتوں اور متبرک لوگوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ان پر
فی الفور چونہ کا پلاستر کرا دیا گیا جس سے اکثر تصویریں ہمیشہ کیلئے نظر سے چھپ گئیں۔ اور اسلام کی سخت
سادگی پسندی نے ان تصویروں کی جگہ چند نام اللہ۔ محمدؐ۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حسنؓ۔ حسینؓ لکھوائے
استنبول کی ہر مسجد میں یہ آٹھوں نام نہایت خوبصورتی کے ساتھ عربی خط میں آٹھ سپروں پر لکھے ہوئے
ہیں۔ جو مسجد کے اندر آویزاں ہوتی ہیں۔ اور دنیا میں شاید ہی کوئی مسجد ایسی ہوگی جسمیں اس طرح
یہ نام نہ لکھے ہوئے ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ہی یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ترک فنا کنندگان نہ
تھے۔ بلکہ برعکس اسکے انہوں نے اپنی مساجد کیلئے عیسائی گرجہ کا نمونہ پسند کیا۔ چنانچہ ترکوں نے جسقدر
مسجدیں قسطنطنیہ میں تعمیر کی ہیں۔ وہ تقریباً سب کی سب کم و بیش ایا صوفیا کے نمونہ پر ہیں۔

قسطنطنیہ کی دلچسپی اور اسکے نام میں ایسا جادو ہونیکی جو فی الفور لوگوں کو اسکی طرف کھینچ لیتا ہے بڑی
وجہ میرے خیال میں یہ ہے۔ کہ وہاں ہر ایک عمارت اور ہر ایک چیز کے متعلق جو صدیوں کے انقلابات سے ابتک
بچی چلی آتی ہیں طرح طرح کی مختلف روایتوں کے طومار در طومار موجود ہیں عمارتوں کو دیکھو۔ گرجہ ایا صوفیا کو اور
وہ مگر چیزوں کو لیجئے ڈیلفی کے ستون کے بے سر سانپ کو جو آتمیدان میں کھڑا ہے۔ نمونہ سمجھ لو۔ اور قسمت کے اس سہ سانپ
کے ستون کو جو ڈیلفی سے قسطنطین کے ہاتھوں قسطنطنیہ منگوایا۔ جہاں وہ اس موقعہ پر کھڑا کیا گیا جسکا ڈیلفی کے مندر کے
مہنت نے ابتدا میں حکم دیا تھا۔ اس انتقال کی متعلقہ داستانیں عجیب و غریب افسانوں سے بھری ہوئی ہیں۔

اس روایت میں بھی قضا ابتک رنگ دکھا رہی ہے۔ کہ جب محمد فاتح مشرقی سلطنت کے دار الخلافہ کو تیسرا
نام دینے کیلئے شہر پر قابض ہوا۔ تو اسنے شہر میں داخل ہونیکے پہلے ہی دن اپنے جنگی تبر سے سانپ کا
تیسرا سر اڑا دیا۔ اسمیں کلام نہیں کہ قدیم زمانہ کی موجودہ چیزوں میں سے بہت کم ایسی ہیں جن کا
بانی تھونس کی اس یادگار سے زیادہ پرانا اور گہرا تعلق دنیا کی قدیم ترین تہذیب سے چلا آتا ہو۔ اگر
سر غائب ہو گئے ہیں مگر اور سب طرح سے سالم ہے۔ وہ آتمیدان میں مشرق کی تہذیب ہوپ میں تن تنہا
کھڑی ہوئی ہے۔ اور کسی اور انقلاب کا انتظار کرتی دکھائی دیتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ شاید ایک صدی
بھی گذرنے نہ پائے اور کسی زم و بست کے ہاتھ اسکو یہاں سے اٹھا کر لیجائیں۔ اور دوسری جگہ اسکو کھڑا کرکے
اسپر پھر بدستور مندر بنادیں۔ اور اسکے تینوں سروں کو پھر اسیطرح درست کردیں جسطرح کہ وہ پان غالم کی فتح سے پہلے
تو بس اور یونانیوں کے زمانہ اقتدار میں تھے۔ کون جانتا ہے۔ کہ شاید وہ فاتح پیدا ہو چکا ہو جو اللہ اور محمد

اور چھ اماسوں کی ناموس کے ڈھالوں کو اکھیڑ کر انکی جگہ پھر طلائی مورتیں جڑ دیگا۔ مگر خواہ نوشتۂ تقدیر میں ایسا واقع ثبت ہی ہو۔ میں اس دن جبکہ یہ عظیم انقلاب پیدا ہوگا غور وفکر کرنا نہیں چاہتا تاہم یہ کہدینا مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ خواہ عثمانلی قوم کسی دن پھر ایشیا کے اسی گمنام گوشہ میں جا پڑے۔ جہاں سے وہ آئی تھی۔ قسطنطنیہ جس کا نام بھی شاید بدل جائے۔ بدستور قدیم پھر بھی مشرق کا دارالخلافہ یا ایشیا کی طلائی کلید اور ایسا گوہر تاباں رہیگا جسکی ہوس وتمنا کئی تاجداران کو ستاتی رہیگی اور جسپر قیامت تک دنیا کی طامع قومیں آپسمیں لڑتی جھگڑتی رہیں گی۔

ترکوں کے اوصاف

قسطنطنیہ کی سب سے حیرت انگیز چیز اسکی بیحد جانداری اور بارونقی ہے جسنے اسکو باوجود اس قدر انقلابوں کے جو بمنزلہ موت کے تھے۔ ابتک قایم وبرقرار رکھا ہے۔ ٹرکی کو "مرد بیمار" اور قسطنطنیہ کو جو دنیا کی نہایت ہی بارونق اور آباد شہروں میں سے ہے ویران وبوسیدہ کہنا ایک معمولی بات ہو رہی ہے مگر جس شخص نے غلطہ پل کے کسی سرے پر چوبیس گھنٹے بھی صرف کئے ہوں۔ وہ استنبول کی جگہوں اور غلطہ پل یا خود غلطہ کے پر ہجوم بازاروں یا اس سے اوپر کی محلہ پیرا کی نسبت کبھی وہم گمان میں بھی بیرونقی کا بعید ترین شائبہ تک کا تصور نہیں کر سکتا۔ یورپین سیاح خواہ وہ آسٹریا کو دیکھ کر آئے۔ یا اٹلی کے دارالخلافہ کی چہل پہل رونق شگفتگی اور گرمی بازار دیکھکر دنگ رہجاتا ہے۔ دنیا کے کسی اور شہر میں [illegible] بنی نوع انسان کی اس قدر مختلف قسمیں ایک دوسرے کے دوش بدوش گذرتی دکھائی نہیں دیتیں یورپ کے ہر ایک ملک اور ایشیا کی ہر ایک قوم کے آدمی وہاں موجود ہیں غلطہ پر جو سفید پوش اہلکار میر بحری کا محصول وصول کرنے پر مامور ہیں حضرت آدم کی موجودہ نسل کے اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ ترین نمونے انکو محصول کا پیسہ دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ دنیا کے اکثر امور دارالخلافوں کی طرح یہاں یہ بات نہیں۔ کہ کسی خاص خط وخال یا رنگ کے لوگ دوسری قسموں کے زیادہ پائے جائیں بلکہ سب طرح کے لوگ یکساں بیشمار نظر آتے ہیں۔ خود ترکوں کی نسبت یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ آیا انکو ایک قوم کے افراد تصور کیا جائے۔ یا مختلف اقوام کے افراد کا مجموعہ سمجھا جائے۔ اسلام نے ایک مشترک رشتہ سے وابستہ کر رکھا ہے۔ تم کسی مسجد میں چلے جاؤ۔ وہاں تمہیں خالص اصل ترک جسکے رنگ کی صفائی ناروے کے باشندہ کے چہرہ کی رنگت کو بھی ماند کر رہی ہوگی۔ افریقہ کی تاریک سرزمین کے سیاہ ترین حبشی کے دوش بدوش رکوع سجود میں مصروف دکھائی دیگا اور جونہی تم مسجد میں داخل ہوگے دونوں کی نظریں بالکل ایک ساتھ خود بخود تمہارے قدموں کی طرف پڑینگی۔ یہ دیکھنے کیلئے۔ کہ آیا تم بوٹ اتار کر یا اپنے پاپوش (موزہ)

پہنے ہوئی ہو یا نہیں جو بالعموم ہر مسجد کے دروازہ پر اس غرض کیلئے رکھے رہتے ہیں روسن کیتھولکوں کی طرح مسلمانوں میں بھی مشترک استعمال و رسومات بکثرت ہیں اور اس کثرت و عمومیت میں کوئی نہ کوئی چیز ایسی مؤثر ہے کہ انسان مسلمانوں کے اس تقاضا و طلب کو کہ انکی عبادتگاہ کا احترام کیا جائے بے اختیار عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے میں اس موقعہ پر شروع شروع میں ہی ناظرین سے یہ کہدینے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کہ بلاد مشرق کی متعدد سیروں میں اور قدرے رہائش کے بعد مجھے ذاتی تجربہ سے خالص ترکوں کی اوصاف حمیدہ کا پورا پورا یقین ہو گیا ہے۔ مگر خالص ترک کی شرط لازمی ہے۔ یونانیوں۔ ارمنوں۔ ایرانیوں اور افریقیوں نے اپنی آپکو ترک مشہور کر کے اور بعض اوقات سرکاری عہدے ملجانے پر انکے فرائض بد دیانتی سے ادا کر کے ترکوں کو بدنام کر رکھا ہے ورنہ ترک بذاتہم نہایت شریف النفس اور دنیا کی اعلیٰ اور غالب قوموں میں سے ہیں۔ وہ بالطبع خوبصورت دراز قامت۔ کمال جفاکش۔ و متحمل اور بے اندازہ مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ انکا رنگ نکھرا ہوا اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ وہ متین۔ پاکیزگی پسند اور ایسے دیانتدار ہیں کہ اپنا نقصان گوارا کر لیں گے لیکن دیانت اور صداقت کو کبھی نہ چھوڑینگے۔ اس معاملہ میں وہ چالاک یونانیوں اور ارمنوں سے جوان کا خون جگر پی کے موٹے ہوئے ہیں۔ کبھی برسر نہیں آ سکتے۔ بلاد مشرق میں عام کہاوت ہے کہ ایک ارمنی کو دغا دینے کیلئے دس یہودی اور ایک ایرانی کو دغا دینے کے لئے دس ارمنی درکار ہوتے ہیں خالص ترک ایسے بدمعاشوں سے بھلا کب پورے بنٹ سکتے ہیں۔ وہ ان شریر مفتنیوں سے ویسے ہی برسر آ سکتے ہیں۔ جیسے شاید کہ خود بدمعاش ایک متوسط ذہانت کے ہندو بنئے سے۔ قسطنطنیہ کی عجیب و غریب مخلوط الاقوام آبادی ہی ترکوں کی سادگی اور شرافت کا بدیہی ثبوت ہے۔ ترک آسانی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ چنانچہ انکی سادگی سے فائدہ اٹھانیکے لئے دنیا کی چار کونٹ سے لوگ قسطنطنیہ میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس امر کو ذہن نشین رکھکر قسطنطنیہ کے بازاروں میں کھڑا ہو جائے۔ اور تھوڑی دیر کیلئے اپنے دماغ سے بھی کام لینے کی تکلیف اٹھائے تو اسے اس بیان کی پوری پوری تصدیق ہو جائیگی۔ ملک کی پیداوار کم ہے اور ممالک غیر سے بہی زیادہ مال داخل نہیں ہوتا۔ وہ گویا بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیان بحری راستہ کا ایک پڑاؤ ہے۔ پس ان یونانیوں اور ارمنوں کے جم غفیر جو پیرا کے بلند ترین مقام سے لیکر یدی قلہ اور دروازہ ایڈریانوپل کے قرب و جوار یعنی استنبول کی انتہائی سرے تک کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں۔ اگر ترکوں کو نہیں لوٹ رہے تو اور کس چیز پر گذارا کر رہے ہیں۔ اور فربہ و مالدار بن رہے ہیں؟

کیا تمکو قسطنطنیہ میں کبھی کوئی ایسا یونانی یا ارمنی مالدار ملا ہے؟ جو سرکاری کسی امتیاز اجارہ ٹھیکہ یا کسی اور

خاص عنایت کا طلبگار نہ ہو۔ اور کیا ان امتیازات۔ اجاروں یا ٹھیکوں کی بدولت ترکوں کو آخر بدنیت اجارہ داروں کو تاوان اور ہرجانے نہیں دینے پڑتے؟ کاروباری لوگوں کو اس قدر انبوہ کی کھپت اور انکی گذارہ کیلئے بیشمار کارخانے، کوٹھیاں۔ اجناس کی منڈیاں اور ریلوے لائنیں دوکانیں مگر کیا حسب ضرورت کارخانے اور کوٹھیاں وغیرہ کہیں دکھائی دیتی ہیں؟ پھر یہ لوگ کس طرح گذارہ کر رہے ہیں؟ بلکہ جبار کی تہا سے ترکوں کو لوٹ لوٹ کر؟

غلطہ پل سے نظارہ

غلطہ پل کی خوبیوں اور اسکے دلکش منظر کی پوری پوری کیفیت پہلی نظر میں نہیں بلکہ کچھ دیر مشاہدہ کرتے رہنے کے بعد واضح ہوتی ہے۔ اسے وینس اور فلورنس کی سرد و شہرہ آفاق پلوں کا مجموعہ کہنا چاہیئے۔ پل کشتیوں پر بنا ہوا ہے اسکے درمیان ایک جوڑ ایسا ہے جسے حسب ضرورت ہٹا کر جہازوں اور کشتیوں کے لئے رستہ بنا لیا جاتا ہے۔ یہ ٹکڑا صرف رات کو ہٹایا جاتا ہے۔ پل عرضاً تین حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ میں گاڑیوں اور پیدل مسافروں کا رستہ ہے۔ دوسرے حصہ میں جو چنداں عریض نہیں چھوٹی چھوٹی دوکانوں اور قہوہ خانوں کی قطار ہے۔ اور تیسرا وہ حصہ ہے جہاں دُخانی جہازوں پر چڑھنے اترنے یا مال اتارنے چڑھانے کیلئے پیلپائے بنے ہوئے ہیں۔ کسی سال کا اوسط نکالکر میں نے سرسری طور پر اندازہ لگایا ہے کہ ہر روز غلطہ پل پر ۲۸ ہزار آدمی گذرتے ہیں۔ اس تعداد میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اسکودرہ اور باسفرس کو جانے کیلئے پل سے گذر کر جہازوں کی گھاٹوں کو چلے جاتے ہیں۔ اس پل پر ایک ایسا مقام ہے جہاں انسان گھنٹوں آرام و چین سے قہوہ اور سگرٹ نوش کرتے ہوئے پل پر سے گذرنیوالوں، ایک پیلپایہ یا گھاٹ سے جہازوں پر اترنے چڑھنے والوں اور غلطہ کے قایق چیوں اور حمالوں کی اوضاع و اطوار اور طریق و دستور کو جو غلطہ کی طرف کے سرے پر پل سے مشرق کی طرف کی گھاٹ پر جمع رہتے ہیں۔ بخوبی دیکھ سکتا ہے۔ اکثر یورپین سیاح جنکو اس مقام کی خبر نہیں۔ یہ خوشگوار مقام اس قہوہ خانہ کا ایک گوشہ ہے جو استنبول کو جاتے ہوئے پل کی بائیں طرف سب سے پہلے آتا ہے۔ اس قہوہ خانہ میں ایک وسیع ہوادار اور کمال پاکیزہ و ستھرا کمرہ ہے۔ اور کمرہ کے تین طرف دریچے ہیں جن میں سے ہر وقت گرم سے گرم دن میں بھی ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے۔ کمرے کے اس گوشہ میں بیٹھ جاؤ۔ جو پل اور نیز غلطہ سے قریب ترین ہے۔ اور شکر کی (میٹھی) یا سادہ (بلا قند) قہوہ کی ایک پیالی تیار کئے جانے کا حکم دیکر اپنا سگرٹ سلگا لو اور مشاہدہ شروع کر دو۔ جو منظر تمہارے پیش نظر ہوگا۔ وہ ایسا رنگا رنگی اور کثیر الالوان ہوگا کہ آنکھیں چندھیا جائیں گی پھر لطف یہ کہ وہ رنگ ساکن نہیں ہونگے بلکہ سیر بین کی رنگین تصویروں کی طرح رواروی گذرتے چلے جارہے ہونگے۔ سب سے اول جو چیز آنکھوں کو محسوس ہوگی وہ فس (ترکی ٹوپیوں) کی کثرت اور بہتایت ہی سینکڑوں نہایت شوخ سرخ رنگ کی بالکل ہم شکل نیم مخروطی

ٹوپیاں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر سرخ بکمیوں کے جھنڈوں کی طرح تقریباً ایک ہی سطح پر حرکت کرتی اور ایک دوسرے کے پاس سے گذرتی دکھائی دینگی۔ فیس کو سلطان محمود ثانی الملقب بہ مصلح نے جسنے اسے یونانی ٹوپی سے تھوڑا سا ادل بدل کرکے اختراع کیا تھا۔ رواج دیکر سرکاری ملازموں کے سر کی پوشش قرار دیا تھا ان کی وہ بھاری بھاری دستاریں جنکو پہلے فوج اور تمام سرکاری اہلکار باندھتے تھے مفقود ہوگئیں رنگ کی شوخی کو اگر علیحدہ رکھا جائے تو یہ ٹوپی بذاتہا چنداں خوشنما اور خوش شکل نہیں مگر اسمیں کلام نہیں کہ ساتھ ہی مصفا اور ستھری ضرور ہوتی ہے۔ اس سے سر کی پوشش میں یکرنگی و یکسانی پیدا ہوگئی ہے۔ اور لمبے سیاہ ریشمی پھُندنے کیوجہ سے اسکو پہن لینے پر افسروں اور سپاہیوں کے سرخ چہروں پر ایک قسم کا رعب وجلال برسنے لگجاتا ہے۔ لیکن ابھی عمامے بالکل غائب نہیں ہوئے۔ وہ ابھی تک موجود اور بکثرت مروج ہیں۔ جو زیادہ تر سفید یا سبز رنگ کے ہوتے ہیں۔ اکثر غربا اس امر کے اظہار موکد کیلئے کہ وہ مسلمان ہیں اپنی ٹوپیوں کے گرد سفید یا سرخ کپڑا لپیٹ لیتے ہیں۔ سفید اور سبز رنگ کے عمامے علما کا امتیازی لباس ہے اسے وہی پہنتے ہیں جنہوں نے دینی تعلیم پائی ہو۔ گو یہ ضروری نہیں کہ وہ بالضرور علما کا کام ہی کرتے ہوں۔ علما کی باقی پوشاک بھی قدیم طرز کی ہے۔ یعنی گھیردار تنگ آستین کا سیدھا سادہ چوغہ جو سامنے سے کھلا ہوتا ہے۔ اور اسکے نیچے سے سفید بیداغ قمیص اور کلابتون کے کام کی صدری دکھائی دیتی رہتی ہے۔ ڈھیلی شلوار۔ اور بہت چوڑا کمربند جنکے سرخ کے سوا اور سب رنگوں کے ہوتے ہیں مگر اب زیادہ رواج یورپین طرز کے لباس کا ہے۔ فوجی وردیاں ہوبہو جرمن فوج کی وردیوں کی نقل ہیں۔ اور سویلینوں (غیر فوجی اشخاص) کا لباس مغربی یورپ کے شرفا کے لباس سے ملتا جلتا ہے۔ علما رعب داب اور متانت کے ساتھ چلتے ہیں جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے لباس کی خوشنمائی پر نازاں اور اس کی فوقیت سے باخبر ہیں جسکے سر پر سبز پگڑی ہو۔ اُسے جانلو کہ پیغمبر کے خاندان سے ہے۔ جو حضرت ابراہیم کے خاندان کی طرح جسکے بڑھانیکا خدا نے وعدہ کیا تھا۔ کثرت میں صحرا کی ریت کے ذروں کے برابر ہوگیا ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ یہ سب بناوٹی سید ہیں۔ سادات کی نسل سے ہونیکے دعوے میں اکثر سچے ہیں کیونکہ سبز کپڑے کا نشان خاندان میں آباً عن جدٍ چلا آتا ہے۔ اور باپ سے بیٹے کو ملتا ہے۔ بس یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص جسکا خاندان پشتوں سے ایک جگہ رہتا ہو اپنے آپ ہی یہ نشان لگا کر سید بن جائے۔ ہاں کوئی گھر سے باہر جاکر ایسا کرے تو وہ دوسری بات ہے۔ سیدوں کے گھرانے کی عورتیں بھی اپنے گھونگھٹوں میں سبز ریشمی یا سوتی کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا بطور نشان اپنے کپڑوں سے لگا لیتی ہیں۔ مکانوں سے باہر نشان عورتوں پر شاذ و نادر دیکھا جاتا ہے۔ شاید یشمیق یا فریجہ کے پیچھے چھپا ہوا ہوتا ہوگا۔ فریجہ اس گھیردار جبہ کو کہتے ہیں جسے تمام

عورتیں گھروں سے باہر نکلتے وقت گردن سے پاپوش ایڑیوں تک پہن لیتی ہیں۔ جو تباں سب عورتوں کی اعلیٰ درجہ کے ولایتی چمڑہ کی ہوتی ہیں۔ شیمق اب وہ نہیں رہ گیا۔ جو دس برس پہلے تہا۔ موجودہ شیمق چہرہ کو چھپانیکا متعلق کام نہیں دیتا۔ سلطان معظم نے اسبارہ میں سخت احکام جاری کر رکہے ہیں۔ مگر کوئی عورت ان کی تعمیل کی پروا نہیں کرتی۔ آجکل اکثر صرف پیشانی کو باریک سی سفید ململ کی نقاب سے ڈہانپ کر نقاب کا باقی حصہ ٹھوڑی کے نیچے گچھا کر دیتی ہیں۔ وہ دوہری پٹی جو آدہی چہرہ اور ناک پر ہوتی تہی اب بالکل غائب ہوگئی ہے۔ یا صرف اس وقت پہن لی جاتی ہے۔ جبکہ آپ شیریں جیسی تفنج گاہوں میں ہوں۔ یا اپنی قائقوں میں بیٹھکر خلیج گولڈن ہارن اور باسفرس کی سیر کر رہی ہوں۔ پرانی طرز کی نقابوں کا رواج ہٹ جانیسے قسطنطنیہ کے بازاروں سے ایک بڑا دہوکہ اور چھلاوا دور ہوگیا ہے۔ ان نقابوں سے ان کی طبیعت خواہ مخواہ اُلجھتی تہی۔ کہ ع کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے۔ سفید پٹیوں میں صرف آنکہیں دکھائی دیا کرتی تہیں۔ جو تنہا دیکہے جانے پر کمال سیاہ طرح دار مست اور دلاویز نظر آتی تہیں۔ اسوقت خواہ مخواہ یہی خیال ہوتا تہا کہ اس شیمق کے نیچے حور کا چہرہ پنہاں ہے مگر اب نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ باریک شیمقوں نے ظاہر کر دیا ہے۔ کہ وہ سب سراب ہی تہا۔ ورنہ پہلے بھی وہی زرد رنگ اور نحیف چہرے ہوتے تہے۔ جو اب دکھائی دیتے ہیں۔ ترکی مستورات کے حسن کی یہ کیفیت دیکہکر مجہے اکثر تعجب ہوتا تھا۔ کہ شائد انکے حرم سرائیوں میں آئینہ کا عام رواج نہیں۔ ورنہ وہ کس بضاعت پر اپنے شیمقوں کو باریک نہ کرتیں۔

مگر قہوہ خانہ کے دریچوں میں بیٹھے ہوئے متحرک انبوہ کے لباسوں یا خط و خال کی پوری پوری چھان بین کرنیکی اصلاً فرصت نہیں مل سکتی۔ جو کچھ تمہیں وہاں سے نظر آئیگا۔ وہ یہی ہے کہ متحرک دہوپ اور چمک اور سایہ اور رنگ آپس میں مل جلکر عجب شاندار کہچڑی بنا رہے ہیں۔ مشرقی و مغربی طرز معاشرت کا حیرت افزا اجتماع اور گڑبڑ ہو رہی ہے۔ ادہر ایک نہایت ہی صاف و شستہ پوشاک کا آدمی ہے اور ادہر اسکی شانہ بشانہ غلیظ ترین انسان موجود ہے۔ یہاں ایک فوجی لفٹیننٹ زرین کمر بند لگائے عرب گہوڑے پر سوار جا رہا ہے۔ ادہر دوسری طرف ایک کمال بدبخت اندہا اور لنجا گداگر ہاتھ پہیلائے "ان پارہ" ایک پیسہ راہ خدا میں دیتے جاؤگے مسلسل ہانک رہا ہے۔ جسجگہ کوئی سید آل رسول سبز عمامہ باندہے جاہ و تمکنت کے ساتھ آہستہ آہستہ چلا جا رہا ہے۔ اُسکے قریب ہی بنہایت زرد رنگ کوئی ترکی لیڈی سفید و سیاہ فرجہ میں چھپی ہوئی بےفکرانہ جا رہی ہے۔ اور اسکے پیچھے پیچھے اسکی شوخ چشم حبشن کنیزک ہے جسکا نقاب اپنی خاتون کی نقاب سے بہی ہلکا اور ڈہیلا ڈہالا ہے۔ کہیں کوئی متبرک صورت صوفی [illegible]

ہلکا سبز یا فولادی بھورے رنگ کے کپڑے اور لمبی نوکدار کلاہ پہنے سر و چشم جھکائے چلا جا رہا ہے کہیں کوئی نو عمر فوجی طالب العلم جسکی عمر غالباً بارہ برس سے زیادہ نہیں چست وردی ڈانٹے اکڑتا چلا جا رہا ہے۔ اور ایک ترشرو حبشی غلام اسکے ساتھ ساتھ ہے۔ اور اگر وہ لونڈا ذرا بھی دائیں بائیں ہو تو فی الفور اسے گھونسہ رسید کر دیتا ہے۔ یہ نظارہ کچھ دیر آنکھوں کے سامنے رہتا تھا کہ لو یکبارگی انبوہ پھٹ جاتا ہے۔ اور ایک شاندار گاڑی اسمیں سے بجلی کی طرح کوندتی ہوئی گذر جاتی ہے۔ اسمیں غالباً کوئی سفید ریش چست کوٹ۔ متین و ثقہ وزیر سلطنت سوار تھا۔ جو سلاملق کو جا رہا ہوگا۔ یا یلدز کوشک سے باب عالی کو واپس آ رہا ہوگا۔ اگر گاڑی بند بروام تھی اور اس سے آگے اردلی بھی کچھ سوار تھے۔ تو سمجھ لو کہ اس میں خاندان قیصری کے بیشمار شاہزادوں میں سے کوئی خفیف بدن و نفیس مزاج زرد رو نیم وقت زدہ شہزادہ سوار تھا۔ انسانی سروں کا یہ دریا سفید دھوپ میں ادھر سے ادھر لہریں مارتا رہتا ہے۔ اس کے پرے سمندر کا شفاف نیلگون پانی اور اسی رنگ کا آسمان اور دور فاصلہ پر پہاڑیوں کی باریک سی دھاریاں نظارہ کی دلفریبی کو غایت درجہ تک بڑھائے دیتی ہیں یہ درخشاں سیلاب پُل پر سے اس طرح گذرتا رہتا ہے جسطرح پگھلی ہوئی دھات کی دھار بھٹی سے نکلکر دوڑتی ہوئی سانچہ میں گرتی رہتی ہے۔ اور کل نظارہ کچھ ایسا دلکش اور دلاویز ہے۔ کہ انسان کے حواس تقریباً مبہوت ہو جاتے ہیں۔

اس کا یہ حیرت افزا اثر صرف نو واردوں پر ہی نہیں پڑتا۔ بلکہ تم دیکھو گے۔ کہ وہ موٹا تازہ توندل یونانی بھی جو تمہارے قریب چرمی بنچ پر بیٹھا ہوا ہے اس نظارہ کو ٹکٹکی لگائے دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ طفولیت سے اسکی آنکھیں اس سے مانوس ہو رہی ہیں اور اسکے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں۔ وہ باورچی ہے اور اسکی آنکھیں صفرا زدہ ہیں۔ ہمکو اس کا باورچی ہونا اس سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ وہ نارگیلہ (حقہ) پی رہا ہے۔ اور جن لوگوں کی قسطنطنیہ کے قہوہ خانوں میں عام آمدورفت رہی ہے اُن سے پوشیدہ نہیں کہ تمباکو نوشی کی یہ طرز تقریباً محض اسی پیشہ والونکی پسندیدہ خاطر ہے۔ وہ چولہے میں آگ کو روشن رکھنے کی مسلسل کوشش کرتا ہے۔ مگر اس کے اور نیز حقہ کی آواز کی باوجود غلطہ پل کی دوپہر کیوقت کے دلفریب منظر سے اسکی بیمار و زرد آنکھیں ایک لحظہ کیلئے نہیں ہٹتیں صوبجات متحدہ امریکہ کے مغربی ساحل کے مشہور بندرگاہ سان فرانسسکو سے لیکر چین کے دار الخلافہ پیکن تک کل دنیا میں اسکی نظیر موجود نہیں۔ اور نہ کوئی اور منظر ایسا دلفریب و ضعدار۔ شوخ شگفتہ۔ مختلف الانواع اور جامع اتضادات و عناصر مختلفہ ہے۔ ان بیشمار آدمیوں میں سے

جوہر لحظہ نظر سے گذرتے ہیں۔ اور انسانی بود و باش کے دو حصوں (استنبول و پیرا)
کے درمیان جو صرف ایک تنگ سے راستہ سے آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی طرح
ادہر سے ادہر تانتا باندہے ہوئے ہیں۔ دس بیس ہی کی قطع وضع اور تراش خراش
کی پوری کیفیت نظم و نثر یا انشا میں بیان کرنی حیطۂ انسانی سے خارج ہے۔ بیان
کرنا تو در کنار انسانی تصور کے پائے ثبات ایسا کرنیکی کوشش سے بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔

قسطنطنیہ کا منظر

اول اول قسطنطنیہ کو دیکھنے پر جو نقشہ میرے دل پر قائم ہوا۔ اسے میں مدت العمر فراموش نہیں
کر سکتا۔ اس کے بعد خوش نصیبی رہی کہ مجھے کئی مرتبہ قسطنطنیہ کو سال کے مختلف موسموں اور دن کے
مختلف وقتوں اور حصوں میں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ مگر پہلی دفعہ کے نظارہ کی دلچسپی اور خصوصیتی
کو مابعد کا کوئی نظارہ نہیں پہنچا۔ مجھے یاد ہے کہ فروری کا مہینہ تھا۔ جبکہ ہمارا اسٹیمر بحیرۂ مارمورا سے آبنائے باسفورس میں داخل ہوا
اسوقت سخت برفباری ہو رہی تھی برف کے پہنے ایسی سرعت و کثرت کے ساتھ گر رہے تھے کہ بمشکل کوئی بھی
عمارت بھی صاف صاف دکھائی دیسکتی تھی۔ مگر جونہی ہمارا جہاز جامع ایا صوفیا کے بالمقابل پہنچا
برف یکبارگی بند ہو گئی۔ بادل پھٹ گئے۔ صاف نیلگون آسمان برآمد ہو گیا۔ اور ہمارے پیچھے سے صبح کا
آفتاب نکل آیا جس سے استنبول پر روشنی چھا گئی۔ اسوقت کا سماں کمال حیرت افزا تھا۔ ہر
ایک گنبد اور مینار برف سے ڈھنپا ہوا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا یہ تمام خوبصورت شہر چاندی
کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے۔ اور پھر صناع دستکاروں نے اسپر طرح طرح کی کندہ کاری کر دی ہے۔
نازک مینار روشنی کی کرنوں کی طرح سربفلک دکھائی دینے لگ گئے۔ اور یہ شمشاد چاندی کے
طرے معلوم ہوتے تھے۔ حتی کہ یدی قلہ بھی جو مغربی فصیل کی انتہا پر واقع ہے۔ خالص سنگ مرمر کا
مکان نظر آرہا تھا۔ صرف سمندر کا رنگ اور تھا۔ چند لحظے پہلے وہ غلیظ و کثیف سا تھا۔ آب ہوب
کی چمک سے وہ یک لخت سخت نیلگوں رنگت کا ہو گیا۔ جو نیلم کی بجائے زیادہ تر لاجورد کے مشابہ تھی
اس نظارہ کی کیفیت ہرگز بیان نہیں ہوسکتی۔ نہ ویسا منظر میں نے عمر بھر دنیا کے کسی اور حصہ میں دیکھا ہے
یہ کیفیت چند لحظے ہی اپنی جھلک دکھا کر کافور ہو گئی۔ ابر پھر گھر آئے۔ روشنی دور ہو گئی۔ برف پڑنی
شروع ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر تک بارش اور بعد ازاں اور برفباری ہوئی۔ اسوقت ہم خشکی پر پہنچ گئے تھے۔ گلیوں
کے کیچڑ و سنسانی۔ پرنالوں کی بوچھاڑ اور سرد ہوا کے جھونکوں سے جو ہڈی کے گودے کو بھی یخ بنا رہی تھی
ہماری بری گت بنی۔ اور دل یہی چاہتا تھا۔ کہ فوراً ہوٹل پہنچ جائیے۔ تاکہ اسکی کسی آرام دہ کمرہ میں آتشدان

کے پاس بسیرا کیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس دوسری کیفیت نے ہی پہلی کیفیت کو دماغ کے خانۂ یادداشت میں اسکی قدر سے زیادہ نمایاں جگہ دلادی ہو۔ مگر یادداشت کے بعض مبالغے کچھ ایسے خوشگوار ہوتے ہیں کہ انسان کو اُن پر کچھ تاسف نہیں ہوتا۔

تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے میں نے قسطنطنیہ کی تصویر کو ایک اور روشنی میں جو پہلی سے بالکل مختلف تھی دیکھا تھا۔ ایکدن مجھے محلہ قاضی کوئی[1] میں دیر ہوگئی۔ اور شام پڑ گئی۔ مگر چونکہ رات ضرور پیرا واپس جانا تھا میں نے چار چپوں کی قائق کرایہ کر لی۔ گرمی کی بہار تھی۔ چاند چھٹی یا ساتویں رات کا تھا۔ اور خوب روشن چمک رہا تھا۔ مگر شمال کی طرف دور فاصلہ پر کچھ ابر دکھائی دیتے تھے۔ اور سطح سمندر پر سرد و تیز ہوا چل رہی تھی کشتی آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی کہ بادل بڑھتے بڑھتے چاند تک پہنچ گئے۔ اور جب ہم توپ کاپو کے مقابل پہنچے تو طوفانِ رعد و برق پوری زور سے شروع ہوگیا۔ یکبارگی کمال تاریکی چھا گئی اور پل کے لیمپوں کی دھندلی روشنی اور سمندر کی سفید جھاگ کے بغیر جو سامنے نظر آ رہی تھی اور سب چیزیں دکھائی دینی سے گئیں۔ پانی کی بڑی بڑی بوندیں پڑنے لگ گئی تھیں۔ لیکن ملاح روشنی کے مینار موسومہ مینار لینڈر کی سرخ روشنی کی مدد سے جو ہمارے عقب اور دائیں رخ تھا کشتی کو برابر کھینچتے گئے۔ اتنے میں بجلی بھی چمکنی شروع ہوگئی۔ تھوڑے تھوڑے لمحوں کے بعد اسکی چمک سے دونوں شہر پیرا اور استنبول ایسے روشن ہو جاتے کہ دور دور کے مکانات کے دریچے انکی عمارتوں کی دیگر جزئیات اور حتی کہ مسجدوں کے بلند و بالا میناروں کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی صاف دکھائی دیجاتیں اسوقت بعینہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ سارا شہر آگ کے شعلوں سے مشتعل ہوگیا ہے۔ جو دوسرے ہی لمحہ بجھ جاتے ہیں اور پھر یکبارگی روشن ہو جاتے ہیں۔

قسطنطنیہ کا سب سے بہتر نظارہ جسکا اثر بھی دیر پا رہتا ہے گرمی کے موسم میں نظر آتا ہے۔ اُن دنوں مسلسل دھوپ کی کرنوں سے ہر گلی کوچہ اور کونہ صبح سے شام تک یکساں روشن رہتا ہے۔ اور انکے سامنے تاریکی و سایہ اسی طرح غائب ہوتا جاتا ہے جس طرح گرمی نمی کو چوس لیتی ہے۔ اس موسم میں تم دیکھو گے کہ ان سقاؤں کو جو سلطان احمد کے خوبصورت فوارہ کے زریں جنگلے کے اندر بیٹھے ہوتے ہیں مومن و کافر بلا تمیز مذہب کل پیاسوں کو ٹھنڈے پانی کے چھوٹے چھوٹے کٹورے دینے سے ایک لمحہ کی فرصت نہیں ملتی۔ یہ وہ دن ہیں جبکہ گلیوں کے کتے اپنے رہنے کی جگہ تک بھول جاتے ہیں اور روشن سایہ میں جو دوسرے شہروں کی دھوپ کی برابر ہوتا ہے۔ گرمی کے مارے ہانپتے ہوئے لیٹے رہتے ہیں اور دلسے دعا کرتے رہتے ہیں کہ ہر ایک راہگذر رحمدل ترک ہو جو انکو تکلیف دینے کی بجائے خود ایک قدم پرے ہٹکر گذر جائیگا۔ کوئی یونانی یا ارمنی نہ ہو۔ جو خود ایک گز پرے ہو جانیکی بجائے بیچارے کتوں کو بوٹ کی ضرب سے سڑک کے نصف پار پھینکدیگا۔ محل توپ کاپو سرا کے ایوان اور مسقف رستوں میں گلگشت کرنیکا مزہ ابھی اسی موسم میں آتا ہے۔ اس محل میں ایک مختصر سا کتب خانہ بھی ہے جسمیں خاندانِ عثمانیہ کے سلاطین کی

[1] قاضی کوئی ایشیائی ساحل پر اسکودار کے قریب واقع ہے اور پیرا یورپی ساحل پر غلطہ کے اوپر (مترجم)

کی عجیب اور حیرت بخش تصویریں کھچی ہیں۔ مگر وہ ہر ایک کو نہیں دکھائی جاتیں۔ محمد فاتح۔ بایزید سوم، سلیمان عظیم الشان۔ احمد اول۔ بانی شش مینار جامع مسجد۔ محمود مصلح قاتل ینگچریاں و رواج و ہند وغیرہ اور دیگر اکثر سلاطین نے اسی وسیع و فراخ محل میں اپنی زندگیاں بسر کی تہیں۔ یہ سلاطین تہے تو ایک ہی خاندان کے۔ مگر ہر ایک کی امنگیں اور خواہشیں ایکدوسرے سے بالکل مختلف تہیں۔ یعنی ایسے عیاش منش تہے کہ رومن قیصروں کے وہم وگمان میں بھی ویسے عیش عشرت کے سامان کبھی نہ گذرے تہے۔ بعض سپاہی منش اور سادہ طبیعت اور سخت مزاج۔ چند کمال رحمدل۔ اور بعض سفاک و خونخوار۔ مگر مطلق العنانی میں البتہ سب یکساں تہے۔ فرق یہ تہا۔ کہ بعض اصولاً تو اسکے قایل تہے۔ مگر عمل نہیں کرتے تہے۔ بعض اسپر عامل تہے۔ اور باقی میں دونوں باتیں تہیں۔ ان سب کی تصویریں مکمل موجود ہیں۔ ہر ایک بادشاہ پورا مسلح۔ شاندار درباری پوشاک میں ملبوس اور مرصع کلغی دار عمامہ باندہے ہوئے ہے۔ اکثر کے چہروں پر درشتی اور جلال برستا ہے۔ ایسات سے وہ بہی خالی نہیں۔ جن کی تصویروں پر زنانہ عیش و عشرت کے بہی تہوڑے بہت آثار پائے جاتے ہیں کیونکہ سلطان صرف بادشاہ (شہنشاہ کا مرادف) ہی نہیں بلکہ "ھنکار" (تلفظ ہُنکیار) قاتل انسان کا بہی لقب رکھتا ہے۔ محل کی ڈیوڑہی میں دونوں پھاٹکوں کے درمیان ایک چہوٹا سا کمرہ ہے۔ جو مقتل کا کام دیتا تہا۔ وہیں بے شمار پاشا وزرا اور ارکانِ سلطنت جلاد کی کمان کا شکار ہوئے تہے۔ چند لمحے پہلے ان کے دلوں میں ارمان ہوتے تہے۔ کہ سلطان ہمپر یہ نوازش کریگا۔ اور ہمیں فلاں عزت بخشے گا۔ مگر ان کو یہ خبر نہ تہی۔ کہ قضا سر پر کہیل رہی ہے۔ سمندر کی طرف محل میں ایک چہوٹا سا پھاٹک ہے۔ اسکی نسبت بیشمار روایتیں مشہور ہیں۔ مگر وہ ویسے مستند تاریخی واقعات نہیں۔ جیسے کہ متذکرہ صدر کمرہ "جلاد آدہ اسی"[1] کے متعلق روایتیں معتبر ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ جن کنیزوں پر سلطان کا عتاب وارد ہوتا انکو ٹاٹ کے تہیلیوں میں جنہیں پتہر وغیرہ ڈالکر اور بوجہل کر دیا جاتا تہا۔ بند کرکے اس دروازہ کے رستہ سمندر میں پہینک دیا جاتا تہا۔ جہاں انکا جسم مچھلیوں کی خوراک بنجاتا تہا۔ لیکن اگر تمہارے ساتھ کوئی یونانی ہمراہ ہو۔ تو وہ تمہیں قسمیں کھا کر یقین دلائیگا۔ کہ پہلے سلطان متمول یونانیوں کو یہ بتانے کیلئے جسمانی عقوبت پہنچایا کرتے تہے۔ کہ انہوں نے اپنا زر و مال کہاں چہپایا ہوا ہے اور پہر انکی لاشونکو اس دروازہ کے رستہ سمندر میں پھینکوا دیا کرتے تہے۔ لیکن سلاطین نے عیسائیونکو جو شاہی سندات عطا کی تہیں۔ انہیں دیکہکر اس روایت پر مطلق اعتبار نہیں ہو سکتا۔ مزید براں خود عیسائی مؤرخین کی کتابوں سے بہی اس امر کی بہت ہی کم (جو نہ ہونیکے برابر ہے) تصدیق ہوتی ہے۔ الغرض خاندان

[1] جلاد داسی کا لفظی معنی ہیں جلاد کا کمرہ۔ یہ کمرہ دروازہ "اورطہ کاپو" یعنی محل کے بڑے دروازے کے پیچھے ہے محمد حکیم ۱۲

حرم کے قصہ کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے حالات بیرونی دنیا کو شاذ و نادر معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس وسیع عظیم الشان محل کے کمروں میں سیّاح کو عالم تصور میں ابتک یہی محسوس ہوتا ہے۔ کہ ابتک نازنینانِ حرم کی دلآویز آنکھیں سفید شیشوں میں سے اُسے دیکھ رہی ہیں۔ اس کتب خانہ کے شاہی مرقعوں میں کسی بیگم کی تصویر نہیں ہے۔ یہاں کی دُکانداری اور خرید و فروخت بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ انگریزی میں مثل ہے۔ کہ ہر شخص کا گھر اسکا قلعہ ہے۔ یہ ٹرکی میں ہر ایک شخص کی دوکان پر لفظاً و معناً زیادہ صادق آتی ہے۔ ہر گاہک کا دوکان کے سامنے نمودار ہونا اسکی باقاعدہ محاصرہ کرنیکے برابر ہے۔ ٹرکی میں سودا پختہ کرنے پر لازمی طور پر بہت وقت صرف ہوتا ہے۔ اور یہی تعویق غالباً بازاروں میں ہر وقت انبوہ رہنے کا باعث ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ایسی چیز کے خریدنے کا خواہشمند ہو۔ جسکی قیمت عام معلوم یا از روئے رواج مقرر نہ ہو تو خریدنے سے پہلے اسے کئی مرتبہ دوکاندار کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اگر ہر شخص کی نسبت قیاس کر لیا جائے۔ تو اُسے چار مرتبہ جانا پڑتا ہے۔ تو اسکا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب ہوگا۔ کہ بازار کے بیچ و بیچ راستوں اور بغلی گلیوں میں فی الواقع کاروبار اور خرید و فروخت کی مقدار کے مطابق جس قدر آدمی ہونے چاہئیں۔ اُن سے چوگنے موجود رہتے ہیں۔ یہ طریق واقعی بڑا تکلیف دہ ہے۔ جسوقت اوّل اوّل مطلوبہ شے نظر آئے۔ تو تم کو بالکل اندھا بن جانا چاہیئے۔ اور اپنا چہرہ ایسا قائم رکھو کہ گویا تمہیں اس چیز سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں۔ پھر دوکاندار سے کم از کم سو مختلف چیزوں کی قیمت پوچھو اور اُنہی میں اُس خاص چیز کی قیمت پوچھو۔ اگر تم چھوڑ جاؤ گے۔ تو سوداگر کو یہ شبہ ہو جانا امکان میں داخل ہے۔ کہ تم فی الواقعہ اسی چیز کے متلاشی ہو۔ معائنہ سے فارغ ہو کر قہوہ کی پیالی طلب کرو۔ اور دوکاندار سے کہدو۔ ہمنے کوئی چیز خریدنی نہیں تھی۔ محض تفریح کے لئے قیمتیں پوچھتے رہے تھے۔ اسکے بعد چند دنوں کا وقفہ کر کے پھر جاؤ۔ اور متعدد اشیاء کا مول کر کے واپس چلے جاؤ۔ تیسری مرتبہ اگر تم شئے مطلوبہ کو زیادہ غور سے دیکھو۔ تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اور جو دام دوکاندار کہے۔ اس کا تیسرا حصہ اسے بتاؤ۔ چوتھی مرتبہ معرکہ کی تیاری کر کے جاؤ۔ دوکاندار نے اگر دیکھ لیا۔ کہ تم بے حد متمول اور غیر مستقل مزاج نہیں۔ تو غالباً قیمت مطلوبہ کی دو تہائی پر فیصلہ ہو جائیگا۔ اور اس میں تم گھاٹے میں رہو گے۔ لیکن دوکاندار کے مسلمان یا یہودی ہونیکی شرط لازمی ہے۔ عیسائی دوکاندار تو سر سے پاؤں تک مونڈ لیتے ہیں۔ اُن سے ایسے بچتے رہو۔ جیسے طاعون سے۔ یہ طریقہ بجائے خود بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ ان متواتر چکروں اور دوسر کا معاوضہ کافی مل جاتا ہے۔ بازار میں ہر ایک چیز پُر اسرار ہے۔ اور اکثر خوبصورت بھی ہیں۔ بس اس ہیرا پھیری میں تمہیں انکی صفت بس

سیر ہو جائیگی - بازار کیا ہے! فصیلدار شہر کے اندر دوسرا فصیلدار شہر ہے - اور اس دوسرے شہر میں ایک ناممکن التسخیر قلعہ بنا ہوا ہے جسکے چاروں طرف تنگ گلیاں اور تاریک کوچے اور راستے موجود ہیں جن کل مجموعہ پر جسکے پیچ در پیچ راستے بھول بھلیاں کو بر ے کرتے ہیں - اور خود وہاں کے رہنے والے بعض اوقات ان میں چکرا جاتے ہیں - ڈاٹ دار سقف ہے جسپر دریچہ دار چھوٹے چھوٹے گنبد روشنی کیلیئے بنے ہوئے ہیں - اس چھت کے نیچے دنیا کے ہر حصہ کے باشندوں کا جم غفیر کاروبار میں ادہر ادہر چکر لگاتا رہتا ہے - اور ہر دوکان اور کنج مغربی تہذیب اور مشرقی صنعت کی ہر ایک پیداوار سے پٹا ہوا ہے - مگر مشرقیت کی بو ہر طرف پائی جاتی ہے - یہ وہ بو ہے - جو نو واردوں کو تو بہت پیاری معلوم ہوتی ہے - مگر اُن یورپینوں کو جنھوں نے مشرق میں رہایش اختیار کر لی ہو سخت ناگوار گذرتی ہے - الغرض کل دنیا میں یہ فخر استنبول کے بازار "چارشی" کو ہی حاصل ہے - کہ یورپ ایشیا اور افریقہ تینوں براعظموں کی پیداوار ایک جگہ ایک دوسرے سے ملی جلی ہوئی موجود پائی جاتی ہے سب مرکزوں کا مرکز اور قسطنطنیہ کے سوداگروں کا محفوظ امانت گھر اور قلعہ "بازستان" درنہ فروخت کی منڈی ہے - چارشی کے اس اندرونی حصہ میں کہا جاتا ہے - کہ انتہا زر و دولت موجود ہے - ہر قسم کے سکے جواہرات جملہ قسم کے قیمتی پتھر - ریشمی قالین - بیش بہا اقمشہ اور کارچوبی پارچات - سونا چاندی - اسلحہ اور ہر قسم کے مشرقی دستکاری کے بیش قیمت نمونے لکڑی کے صندوقوں میں ایسی بے احتیاطی سے رکھے ہوئے ہیں - کہ یورپین دیکھکر حیران رہجاتا ہے - ان صندوقوں کو کم بیش آہنی پتریاں اور پٹیاں تو لگی ہوئی ہیں - مگر قفل معمولی قسم کے ہیں - تاہم آجتک بازستان میں کبھی کوئی چوری نہیں ہوئی - اسمیں بجز بڑے مضبوط پھاٹک ہیں - جو شام کو سویرے بند کئے اور زیادہ دن چڑھے کھولے جاتے ہیں اور سوداگروں اور دیگر امانت جمع کرنیوالوں نے بیشمار چوکیدار نوکر رکھے ہوئے ہیں - جو مشرق کے قدیم طریق کے مطابق جس کا یورپ میں بھی عنقریب رواج ہونے والا ہے - دن رات پہرہ دیتے رہتے ہیں - عجیب و غریب قفلوں اور زنجیروں وبلیوں کے بنانے میں صدیوں تک اپنی ذہانت صرف کر کے یورپ کو اب یہ سمجھ آنی شروع آگئی ہے کہ سب سے بڑھکر حفاظت صرف زیادہ روشنی اور معتبر چوکیدار سے ہو سکتی ہے -

اس جگہ جو سوداگری کا مال یا قدیم اشیاء فروخت کیلیئے جمع ہیں اُنکی تفصیل بیان کرنے کی کوشش کرنا سراسر فضول ہے ایسی فہرست ایکسو جلدوں میں بھی ختم نہیں ہو سکتی - وہاں کوئی دو چیزیں یکساں نہیں وہاں انسان مشرق کی دستکاری کی مقدار عظیم - اسکی مختلف اقسام اور گوناگونی اور صنعتی خوبصورتی دیکھکر دنگ رہجاتا ہے - اہل مغرب بلا طور سے بیس برس گذشتہ کی نسبت اب زیادہ باخبر اور واقف ہیں - اسوقت

تو ایک معمولی تربیت یافتہ یورپین کسی قالین کو دیکھکر یہ تمیز نہیں کر سکتا تہا۔ کہ آیا یہ فرانس کے شہر جیبرو کی ساخت ہے۔ یا سمرنا کی۔ لیکن ان دستکاریوں کو دیکھ کر انسان کے دل میں خود بخود یہ سوال اٹھتا ہے۔ کہ اگر وہ بیشمار آنکھیں جو فضول کتابوں کی تحریر میں ذرات عرق ہستی ہیں۔ اور وہ بیرون از حد و حساب انگلیاں جنکا بڑا کام ہے۔ کہ بنجوں کے ہاتھوں کیطرح بیکار رہیں۔ کسی ایسی مفید چیز کی تیاری میں مصروف ہوں جو مشین کی نہیں بلکہ ہاتھ سے بنائی گئی ہو۔ تو کیا دنیا اب سے زیادہ دولتمند اور زیادہ خوبصورت نہو جائے +

قسطنطنیہ کی دلفریبی زیادہ تر اُن تین سمندروں کی بے نظیر خوبصورتی پر منحصر ہے۔ جو اُس کی دیواروں کے نیچے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ اور ان تین سمندروں کی شہرت زیادہ تر اُنکی قایقوں کی طفیل ہوئی ہے یہ امر متنازعہ فیہ اور قابل تصفیہ ہے۔ کہ آیا ترکوں نے اہالی وینس کی کشتی موسومہ گنڈولا کی نقل اتاری ہے یا وینس والوں نے ترکی قایق کی۔ لیکن ان دونوں میں ایسی زبردست مشابہت ہے کہ یہ یقینی امر ہے۔ کہ ان دونوں کی اصلیت مشترک ہے۔ گنڈولا سے اسکی چھتری اتار لو اور منقار نما اگلے حصہ کو ہٹا دو تو جو باقی رہجاتا ہے۔ وہ ہو بہو قایق ہے۔ قایق اپنے حجم اور جسامت کے برابر کی تمام دوسری کشتیوں سے سبک سیر کمال آرام دہ اور باسانی قابو میں رہتی ہے۔ باقی رہے انکے ملاح وہ ترک ہوتے ہیں۔ جو یورپ بہر میں بہترین ملاح مانے گئے ہیں۔ اگر وہ ایسے نہوں تو ایک دن کام نہ کر سکیں۔ باسفرس اور گولڈن ہارن ہر قسم کی کشتیوں اور جہازوں سے پر رہتے ہیں۔ اور انکا پانی اس تیزی سے بہتا ہے۔ کہ ذرا سی غفلت بھی مہلک اثر رکھتی ہے مزید بریں ان کشتیونکو عموماً فاصلے بھی ایسے ایسے لمبے طے کرنے پڑتے ہیں۔ کہ معمولی لیاقت کا کشتی بان محض تفریح یا کثرت کیلیئے انکو طے کرنا گوارا نہ کرے۔ ایسے دریا میں جسکی دہار بعض بعض جگہ چار پانچ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہو دہار مذکور کے مقابل ۱۵ یا سولہ میل تک کشتی کو کہینا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔

اجنبی اکیلا ہونیکی صورتمیں قایق سے محترز رہتا ہے۔ کیونکہ ایک تو وہ کشتی بانوں سے کرایہ کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ یا اگر رہنما ساتھ ہو اور اسنے سودا کرا دیا۔ تو ملاحونکے علاوہ صرف اسی اکیلے کی صحبت میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ اور وہ مسلسل بکواس کرتے رہنے سے دماغ کو چاٹ جاتا ہے۔ مگر یہ سواری نہ کرنے سے وہ گھاٹے میں رہتا ہی کبھی جبکہ سہ پہر کو گولڈن ہارن میں ایسے وقت جبکہ کشتی بحری کارخانہ سے پرے کی چوڑی کھاڑی میں داخل ہو اور سورج پہاڑی کے عقب میں ہوگیا ہو۔ خاموش ملاحوں کے بالمقابل کسی ساتھی کے بغیر تن تنہا گدگدی گدیلوں پر سہارا لگا کر بیٹھے ہوئے سگرٹ پیتے رہنے سے جبکہ کشتی تیزی کیساتھ سطح آب پر تیرتی جارہی ہو وہ کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ جو مدتوں نہیں بھول سکتی۔ خلیج جا بجا تنگ اور چوڑی ہوتی جاتی ہے۔ یہاں وہ چوڑی ہوگئی ہے تو کچھ آگے جا کر یکبارگی تنگ ہو جاتی ہے اور اسی طرح پھر چوڑی اور پھر تنگ سایہ اور روشنی دوش بدوش پڑ رہی

ہیں۔ سبز پہاڑیوں کا عکس برابر پانی میں پڑتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ہلکی پھلکی کشتیوں کی رفتار سے پیدا شدہ ننھی ننھی سی موجیں قایق جیون پہنے ملاحوں اور مردانہ سواروں کی سرخ ٹوپیاں سفید براق قمیصیں اور زرق برق کی پوشاکیں اور زنانہ سواریوں کی سیاہ مخملی گونوں اور فرجیوں کے گوناگون رنگ عجب دلکش سماں بنا رہے ہوتے ہیں۔ جہاں دریا (خلیج) چوڑا ہو وہاں کل کشتیاں دستی پنکھا کیطرح اسکی سطح پر پھیل جاتی ہیں اور ہر ایک کشتی والے کی یہی کوشش ہوتی ہے۔ کہ تنگ موقعوں پر سب سے اول وہی پہنچے۔ ان تنگ موقعوں پر کشتیوں کا بہت ہجوم ہو جاتا ہے۔ اور اسوقت ملاحوں کی استادی ظاہر ہو جاتی ہے کہ وہ بھیڑ میں سے کس طرح اپنی کشتیوں کو بچائے رکھتے ہیں۔ اور کوئی تصادم نہیں ہونے دیتے اور شاذونادر اگر ایک کشتی دوسرے سے چھو جائے تو طبیعت پر کیسا ضبط رکھتے اور ایکدوسرے سے قطعاً سخت کلامی یا گالی گلوج نہیں کرتے

ان تنگ حصوں میں جابجا خوبصورت چوبی پل بنے ہوتے ہیں۔ اور خلیج کے کنارے ان موقعوں پر پست اور سبز گھاس سے ڈھپے ہوئے ہیں۔ کشتیاں ان پلوں کے نیچے سے عجب پھرتی کیساتھ گذرتی ہیں کناروں پہ جابجا چھوٹے چھوٹے گھنے جھنڈ ہیں۔ ہر ایک جھنڈ میں قہوہ فروش اپنی چھوٹی سی انگیٹھی جسمیں ہر وقت کوئلے دہکتے رہتے ہیں پانی کی صراحی اور مصفا پیالیوں کی قطار لگائے بیٹھا ہوا ہوتا ہے ان کناروں اور مرغزاروں میں کنبوں کے کنبے گھنے سایہ میں ساری سہ پہر آرام کرتے رہتے ہیں۔ عورتیں اور بچے گھاس پر ایک طرف جھرمٹ باندھے ہوتے ہیں اور مرد انسے کسیقدر فاصلہ پر آپسمیں ملکر بیٹھے ہوتے ہیں عورتیں فرجیوں سے سارے جسم کو لپیٹ کر اور اپنے یشمقوں سے خوب احتیاط سے چہروں کو چھپا کر بیٹھتی ہیں قیصری بنگلہ کے قریب درخت زیادہ گھنے ہیں اور لوگوں کا ہجوم بھی وہاں زیادہ ہوتا ہے مصری بین نواز اور ننھائے بجانیوالوں کی عجیب و غریب عربی سروں سے جنمیں سے بعض کرخت بعض بھلی مگر جو وقت دلگیر ہی میں سب یکساں ہیں شام کی سہاونی فضا میں اور دلفریبی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ لوگ آپسمیں کم بات چیت کرتے ہیں چپکے بیٹھے یا لیٹے ہوئے قدرت کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔ البتہ سب طرف قفلیاں بیچنے والوں کی یہ صدا "وندالہ قیماق سو ملائی کی قفلیاں" برابر گونجتی رہتی ہے۔ محل سے اوپر درخت اور بھی بڑے گنجان اور بلند ہیں اور خلقت کا وہاں زیادہ ہجوم ملتا ہے۔ اعلےٰ سے اعلےٰ اور نفیس سے نفیس گاڑیوں سے لیکر ٹوٹے ہوئے دہقانی چھکڑے تک گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگی ہوئیں جابجا سائبان اور خیمے بھی موجود ہوتے ہیں یہ دوکانداروں کے ہیں اور وہاں سے تم گوشت۔ ملائی پنیر۔ سادہ قفلیاں شربت قہوہ اور سگرٹ جو ہر شخص کے منہ میں ہوتا ہے۔ خرید سکتے ہو۔

یہ وہ موقعہ جو یورپ کے آب شیریں کے نام سے مشہور ہے اس جگہ خوشگوار سایہ میں خنک آب رواں

کے قریب کچھ دیر بیٹھکر مشرق کی بھینی بھینی ملائم ہوا کا لطف اُٹھاؤ اور اسوقت تک جبکہ شفق نمودار ہو جائے اور قالیقین واپس جانی شروع ہو جائیں۔ اپنے تصورات کا مزہ اٹھاتے رہو یا اگر تمہاری طبیعت کاروباری ہو اور صبح کو تم خرید و فروخت کے لیئے بازار میں رہے ہو اور وہاں تمہیں کسی دوکان پر ایرانی قالین پسند آیا ہو تو آپ وہاں لیٹ کراس (یہودی) اسحاق یا موسیٰ (یا عیسائی) مارسٹو یا دیانتدار ترک دوکاندار مسمی عثمان بک کو قابو کرنے کی تدابیر سوچتے رہو۔

قسطنطنیہ کا رہائشی حصہ

کاروباری محلوں کے حدود اور سرکاری دفاتر اور وزارت خاتون کے قرب و جوار سے پرے قسطنطنیہ دنیا کے خاموش ترین شہروں میں شمار کیئے جانے کے قابل ہے یورپین لوگوں کی نظروں میں ترکوں کی خانگی معاشرت پر اسرار معلوم ہوتی ہے مگر فی الحقیقت وہ ایسی مخفی چیز نہیں جیسا کہ خیال کیا گیا ہو دیگر بلاد کیطرح بلاد مشرق میں بھی گھر کے نوکروں کا یہی حال ہے کہ وہ اکھٹے ہو کر گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور آپسمیں عموماً ذکر کرتے رہتے ہیں کہ آج اُن کے آقاؤں نے فلاں فلاں کھانے کھائے انکی خاتونیں اتنی دفعہ بالوں کو حنا کی رنگتی ہیں۔ دن میں اتنی مرتبہ غصہ سے بے بس ہو جاتی ہے۔ اور اسقدر رقم کی دوکانداروں کی مقروض ہیں لیکن گو یہاں بھی سب چیزیں اسیطرح وقوع میں آتی رہتی ہیں جسطرح کہ انسانی بود و باش کے دیگر مقامات میں تاہم تنگ و تاریک کوچوں کے مکانات کے بند دروازے اور جالی دار کھڑکیاں نامحرم کی نظر کو ہرگز اندر دخل نہیں پانے دیتیں۔ کاروباری حصص شہر کے مرکز یعنی بازار سے مغرب کیطرف جانے پر دوسرے حصوں کی نسبت بازاروں میں بہت کم عورتیں دکھائی دیتی ہیں اور جو باہر نظر بھی آتی ہیں انکے نقاب زیادہ دبیز اور چہرہ کے زیادہ حصہ پر پڑے ہوتے ہیں۔ یہاں ترکی آبادی ہے جو شہر کے وسط سے شروع ہو کر دروازہ ایڈریانوپل اور قہریہ مسجد کی جانب بڑھتی چلی گئی ہے۔ مکانات عموماً دو منزلہ ہیں اور مختلف الحیثیت۔ بعض نہایت مضبوط اور بعض بالکل بوسیدہ اور دوسرے ان دونوں کے بین بین ابھی تم کو پختہ اینٹوں یا پتھر کی نہایت خوبصورت نفیس اور مصفا عمارت ملیگی۔ جسکے جھروکے باہر کو نکلے ہوئے ہونگے۔ اور زینہ تک ایسے صاف و شفاف ہونگے۔ کہ بوٹ سمیت ان پر چڑھنے کو دل نہ چاہیگا۔ اسکے ساتھ ہی دوسرا مکان ایک چھوٹا سا چوبی جھونپڑا ہوگا۔ جسکے تختے اور کڑیاں ایسی بوسیدہ اور خمیدہ نظر آئینگی۔ کہ تم اسکو دیکھتے ہی حیران رہجاؤ گے یہ مکان قائم کس طرح ہے! اسکے بعد تمہیں غالباً کسی کفش دوز کم حیثیت درزی یا قہوہ فروش کا پست سا بدنما چھپر دکھائی دیگا چھپر سے آگے کسی فوارہ کا تنگ آلودہ جنگلہ اور بعد ازاں چار پانچ گز مربع کا چھوٹا سا قبرستان ہوگا۔ جسمیں قبروں کے سرہانے کے سنگی مینار لمبے گھاس کیطرح جھکے ہوئے یا چاروں طرف لیٹے ہوئے ہونگے۔ اس سے

آگے پھر مکانات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا۔ جنمیں سے کوئی سیدھا او مستقیم کھڑا ہوگا اور کوئی خم کھا گیا ہوگا پھر کوئی چھوٹی سی مسجد اُس سے آگے دوسرا قہوہ خانہ بعد ازاں گلی کا سرا جہاں لاغر بدن لڑکے کرایہ کیلیے دو یا تین مضبوط گھوڑے (جو قسطنطنیہ میں اسی طرح کرایہ پر چلتے ہیں۔ جیسے دوسرے شہروں میں گاڑیاں) پکڑے ہونگے۔ پھر یہ گلی دوسرے بازار یا کوچہ میں جا ملیگی۔ غرض یہ نقشہ ہے ترکی آبادی کی گلیوں کا۔ جو پہاڑی سے اوپر نیچے بازاروں اور کوچوں کے برائے نام قابل شرم فرش پر سے گذرتے ہوئے تم کو فصیل شہر کے قرب و جوار تک دکھائی دیگا۔ البتہ مکانوں کی حیثیت اور بناوٹ آبادی کی ہر حصہ میں تمہیں کم و بیش مختلف نظر آئیگی۔ فصیل کے برابر برابر زمین یکبارگی معقول فاصلہ تک پشتہ کی طرح دروازوں اور فصیل کے برجوں کے کھیتوں کی سطح کے برابر بلند ہو گئی ہے ✣

مسجد قہریہ

ہر نووارد اور سیاح قہریہ مسجد کو ضرور دیکھتا ہے۔ یہ کسی زمانہ میں یونانی راہب خانہ اور بڑا کنیسہ تھی۔ اسکی عمارت تو مختصر سی ہے۔ مگر نقش و نگار اور تصویروں کی وجہ سے قابل دید ہے۔ مسجد کا ملا خالص النسل روشن خیال ترک ہے۔ آنکھیں نیلی۔ بال بھورے اور رنگ نکھرا ہوا اُس کا سبز عمامہ بتا رہا ہے کہ وہ آل رسول صلعم ہے[1] اور وہ تھوڑی سی فرانسیسی بھی بول سکتا ہے۔ اور اپنی مسجد کی عمارت کی خوبیوں سے ویسی ہی دلچسپی رکھتا ہے۔ جیسا کہ کسی عجوبہ پسند یورپین سیاح کو ہو سکتی ہے۔ یہ اسی کی طفیل ہے کہ مسجد کی دیواروں سے چونہ کے پلاستر کے حصہ کو دور کر کے پرانے نقش و نگار اور تصویریں آشکارا کر دی گئی ہیں۔ اور عمارت ہر وقت درست حالت میں رہتی ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں ذرا سا گرد بھی مرمت طلب ہوا فوراً درستی کر دیجاتی ہے ✣

قسطنطنیہ کا نظارہ فصیل سے

سنہ کرصدر پشتہ کی چوٹی پر ایک چھوٹا سا قہوہ خانہ حال میں تعمیر ہوا ہے۔ وہاں سے شہر کا ایسا نظارہ ہوتا ہے۔ جو باقی جوانب کے نظاروں سے بہت ہی مختلف ہے۔ اسطرف سے قسطنطنیہ کی شکل ہی بالکل نئی دکھائی دیتی ہے باسفرس سے انسان کو مسجدوں کے گنبد اور مینار کے سوا جنمیں کہیں کہیں تھوڑی تھوڑی سبز یا سیاہ شمشاد یا سرو کے بلند درختوں کا سایہ بھی جلوہ فگن ہوتا ہے اور کچھ بہت ہی کم دکھائی دیتا ہے مگر شہر کے اس سرے سے دیکھنے پر مکانوں کی نسبت درخت زیادہ معلوم ہوتے ہیں

[1] سبز عمامہ کا لازمی طور پر سادات کا نشان ہونا درست نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ خالص النسل ترک ہونا کجا اور سید ہونا کجا بہر نوع عمامہ کا نشان غلط ہے یا ملا ترک نہیں (مترجم)

شہر میں ہر جگہ ہری سبزی خاکی مائل چھتوں کے بیچوں بیچ ابھری ہوئی نظر آتی ہے۔ پائیں میں اور بائیں جانب خلیج گولڈن ہارن کی شکل دکھائی دیتی ہے۔ زیر قدم نشیب میں مشہور قبریہ مسجد او اسکے تین سرو ہیں اور دور فاصلہ پر سر عسکر کے قرب وجوار کی بڑی بڑی عمارتیں اور ایا صوفیا کا دھندلا سا خاکہ نظر آتا ہے۔

فصیل ویدی قلعہ

شہر کے اس حصہ میں آبادی پتلی ہے۔ اور بظاہر تقریباً ویران سا معلوم ہوتا ہے جوں جوں زمین بلند ہوتی جاتی ہے مکان کم اور بہت سے بیڈول سے کشادہ میدان ملتے جاتے ہیں جنپر موسم بہار میں ہری ہری گھاس گرما میں بالشت بھر گرد و غبار اور سرما میں گھٹنوں تک کیچڑ ہو جاتا ہے

شہر کے اسطرف گولڈن ہارن سے لیکر بحیرۂ مارمورا تک وہ پر جدا استحکم فصیل چلی جاتی ہے جسکے سامنے ایوب جیسے نامور غازی کی کوئی پیش نہ گئی اور وہ اسی جگہ مدفون ہوئے جہاں شہید ہوئے تھے اور یہ وہی فصیل ہے جسنے آخری محاصرہ میں محمد فاتح کو کئی ہفتہ شہر کے اندر قدم نہ دھرنے دیا تھا سمندر سے بالکل قریب قلعہ موسومہ یدی قلہ (ہفت برج)، واقع ہے جسنے محمد فاتح نے تعمیر کیا ہے یہ اب بالکل ویران پڑا ہے۔ اسکا فراخ صحن۔ بیشمار برج پھاٹک اور فصیلیں الغرض کل وسیع و فراخ کھنڈرات کا مجموعہ انقلابات زمانہ سے اب ایک بے نام و نشان ارمن موچی کا مسکن بنا ہوا ہے پہلے یہ شہر کا محافظ قلعہ اور گودام تھا پھر قید خانہ ہوا۔ جسمیں سلاطین قانون بین الاقوام او تعلقات باہمی کے من مانتے معنی کر کے ان ممالک کے سفراء کو جن سے جنگ کا اعلان کیا جاتا تھا قید کر دیا کرتے تھے بعد ازاں یہ مدرسہ کا کام دیتا رہا۔ اور اب بالکل کھنڈر پڑا ہے پچھلی دفعہ جب میں وہاں گیا تو حسب معمول پتھروں کی مینڈیر سے مشہور خونی چاہ کو دیکھنے کیلئے بیرونی دروازہ سے گذرتے وقت ایک پتھر سے جو محراب کے نیچے پڑا ہوا تھا مجھے ٹھوکر لگی میں نے اسکو اٹھا لیا۔ وہ کسی عورت کی قبر کے سرہانے کے پتھر کا ٹکڑا تھا کیونکہ اسپر سورج مکھی کا پھول پتھر کو کھود کر بنا ہوا تھا۔ جو عورتوں کی قبروں کا نشان ہے۔ مردوں کی قبروں کی پتھروں پر پہلے عمامہ اور اب فض کا نشان ہوتا ہے۔ پھول کے نیچے کتبہ کا کچھ حصہ موجود تھا جو ابھی تک بخوبی پڑھا جا سکتا تھا پہلے عربی زبان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اسکے نیچے ترکی میں چند الفاظ تھے جنکے معنی یہ ہیں جسمیں اس باغ عالم میں آئی مگر مروت و احسان کا کہیں پتہ و نشان نہ پایا۔ معلوم ہو رہا تھا کہ آگے بھی کچھ عبارت موجود تھی مگر پتھر اسجگہ سے ٹوٹ گیا ہوا تھا۔ ان الفاظ میں عجیب بےقت اور درد بھرا تھا۔ خدا معلوم یہ عورت جو سالہا سال زمانے سے فصیل سے باہر مدفون ہے کون تھی مگر مجھے ایسا معلوم ہونے لگ گیا کہ گویا اس ناشاد عورت کی روح پھر واپس آ کر اس باغ عالم

کے دروازہ کو کھٹکھٹا رہی ہے۔ اور التجا کر رہی ہے کہ زندگی میں تو نصیب نہوا اب ہی کوئی تھوڑی سی مروت اور احسان کر گذرے۔ میری چاروں طرف سناٹا اور ویرانی چھائی ہوئی تھی دھوپ باغ کی پژمردہ جھاڑیوں اور گرد آلود روشوں پر جو کسی زمانہ میں قلعہ کے صحن کی رونق تہا اور نیز سامنے کی ویران پہاڑی پر منہدم مسجد اور خونی چاہ کی منڈیر پر جو کشادہ پہاٹکوں سے پرے تہا خوب تیزی سے پڑ رہی تھی اور اس ہو کے عالم میں اس ترکی عورت کی نامراد روح درمیانی محراب میں کہڑی بیفائدہ رحم وکرم کی درخواست کر رہی تھی جسکو پورا کرنیوالا وہاں کوئی موجود نہ تہا۔

ارمن موچی کا بیان ہے کہ جب محمود ثانی مصلح نے ینگریوں کی فوج کو نیست و نابود کیا تو ینگچریوں کے سر اس کنوئیں میں پھینکے گئے تھے۔ وہ تاریک اور بہت گہرا ہے پانی اسمیں ابتک موجود ہے۔ مگر مقتولین کے سروں کی کوئی کھوپری اب غالباً باقی نہیں رہ گئی ہوگی۔

قلعہ کی وسعت کا اندازہ کسی برج پر چڑہنے سے بخوبی ہو سکتا ہے فصیل پر کھڑے ہونیسے یہ بات حاصل نہیں ہوتی یہ برج بھی بجائے خود نہائیت وسیع اور تاریک ہیں اور اکثر کے گرداگرد چوبی خانے بنے ہوئے ہیں جنپر صرف دستی چوبی زینوں کے راستہ پہنچا جا سکتا ہے یہ خانے کسی وقت سپاہیوں کی خوابگاہوں کا کام دیتے تھے برجوں کے اندر پیچ در پیچ زینے ایسے تاریک ہیں کہ ارمنی موچی کو راستہ دکھانے کیلئے روز روشن میں لالٹین جلا کر ساتھ لانی پڑتی ہے ان برجوں کے نیچے اوپر قید خانے بنے ہوئے تھے نچلے قید خانے کہڑکی دار اور بالائی بلا دریچہ تھے آخری یورپین سفیر جو یہاں قید ہوا فرنچ سفیر مسمی رفن تھا جو ۱۷۹۸ء میں ٹرکی اور فرانس میں جنگ کا اعلان ہونے پر نظر بند کیا گیا جس کمرہ میں اسے قید رکھا جاتا بیان کیا جاتا ہے اسمیں روشنی کیلئے صرف ایک سلاخدار دریچہ ہے جو دو فیٹ مربع سے بھی کم ہے۔ اور فرش سے اسقدر بلند ہے کہ بہت ہی دراز قد آدمی اسمیں سے باہر کو دیکھ سکتا ہے۔ اس امر کا سب کو اعتراف کرنا پڑیگا۔ کہ ترک قانون بین الاقوام کو جس سادگی اور دلیری سے بالائے طاق رکھکر ممالک اجنبیہ کے سفرا کو قید کر دیا کرتے تھے وہ خالی از ہیبت وجلال دلچسپی نہ تھی برجوں کی کہڑکی چہتوں پر پچاس یا زیادہ برسوں کے عرصہ میں آندہیوں سے مٹی کے انبار جمع ہو گئے ہوئے ہیں اور انپر جھاڑیاں بوٹیاں بکثرت اگی ہوئی ہیں۔ موچی کا بیان ہے کہ مقتول سفرا کے روحین جنکے سر اسی طرح فصیلوں کے کنگرہ پر چن دیئے جاتے ہیں جسطرح لنڈن کے ٹمپل بار کے کنگرہ پر رات کو اس باغ آویزاں میں گشت کرتی رہتی ہیں۔

ترکوں کی معاشرت

اکثر دیگر ایشیائی شہروں کی طرح قسطنطنیہ کے باشندے بھی دو مختلف طریق سے زندگی بسر کرتے ہیں:

یعنے اندرون خانہ وبیرون خانہ اکثر ترک علی الصباح گھروں سے نکلجاتے ہیں۔ اور کام سے فارغ ہوکر سہ پہر کو شام کو کچھ پہلے ہی پہلے واپس آتے ہیں دنکو گھروں سے باہر بازاروں وغیرہ میں رہتے ہیں۔ مگر جونہی کہ انکا کام ختم ہوجائے وہ فوراً گھر ونکو چلدیتے ہیں اور اگر اسوقت تم کسی ترک کو گھر پر ملنے جاؤ تو جواب ملیگا کہ وہ حرم میں ہے۔ اور وہاں سے اسکو بلایا نہیں جاسکتا حتی کہ نوکر اسے تمہارے آنیکی اطلاع کرنے سے انکار کردینگے لیکن اگر تمہیں اس سے سخت ضروری کام ہو اور ملاقات کئے بغیر چارہ نہو تو تم کو سلاملق میں بیٹھکر اسکے خود بخود اپنی مرضی سے باہر نکلنے کیوقت تک انتظار کرنا پڑیگا۔ سلاملق مردانہ نشستگاہ کو کہتے ہیں جو ہر ترک کے مکان میں ضرور ہوتی ہے۔ اور اس سے پرے حرم کا پرامن علاقہ ہوتا ہے حرم مروجہ اصطلاح کے مطابق خاص پرائیویٹ (جہاں غیر نہ جاسکیں) کمرہ نکو کہتے ہیں۔ اس لحاظ یہ لفظ مجرد آدمی کے کمرہ و مکان کے پرائیویٹ کمرہ پر بھی جسمیں صرف مرد بستے ہوں صادق آتا ہے مگر بالعموم یہ ہر ایسی جگہ کے لیئے بولا جاتا ہے جو عورتوں کے لیئے مخصوص ہو۔ چنانچہ ترکی ریلوے گاڑیوں کے آخری کمرہ کو بھی جسکے اور گاڑی کے باقیماندہ حصہ کے درمیان پردہ ہوتا ہے حرم کہتے ہیں۔ اسیطرح جہاز میں عورتوں کے کمرہ کو اور مسجد کی جالیدار گیلری کو بھی حرم پکارا جاتا ہے۔ رہائشی مکان میں حرم ہی وہ حصہ ہے جہاں صاحب خانہ کی بیوی بچے اور کنبہ کی دوسری خاتونیں رہتی ہیں۔ ضمناً اسموقعہ پر یہ تحریر کردینا نامناسب نہوگا۔ گو قرآن کریم ایک ہی وقت چار تک اجازت دیتا ہے اور طلاق کا مختار ہونیکی وجہ سے مرد اگر چاہے تو ہمیشہ بیوی کو بدلتا رہسکتا ہے بایں ہمہ آجکل بہت کم ترک ایسے ہیں۔ جنکی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں اب وہ پرانے زمانہ کے ترک جنکی بیشمار بیویاں اور کنیزکیں ہوتی تھیں سوائے شاذ ونادر مستثنیات کے بالکل نہیں رہ گئے البتہ مسلمانوں نے پردہ کو جو مذہبًا اور رواجًا انمیں چلا آتا ہے اور کئی فائدے رکھتا ہے نہیں چھوڑا۔ اس دروازہ کے پیچھے جو سلاملق سے اندر جاتا ہے جو کچھ موجود ہے یا جو کچھ گذرے اسمیں غیر کو مداخلت کرنے کی مجال نہیں حتی کہ وہ لوگ جنہیں مشرقی رسم ورواج کا کچھ بھی علم ہے مکان میں عورتوں کی موجودگی کی نسبت اشارا کرنیکا خیال تک نہیں کرتے ترکوں کی زندگی مکان سے باہر دن کیوقت صرف مردوں کی صحبت میں بسر ہوتی ہے دن کیوقت وہ اپنے کنبہ کی کسی عورت کی صحبت یا رفاقت میں دیکھا جانا پسند نہیں کرتے ہیں ایکدو دفعہ ایکدو ترکوں کو ایشیائی ساحل پر علاقہ کے دور اندر نقاب پوش خاتونوں کے ہمراہ گاڑی پر سفر کرتے ہوئے دیکھا ہے مگر استنبول میں ایسے مشاہدہ کا کبھی موقعہ نہیں ہوا۔ دن کو ترک گھر سے باہر اپنے کار منصبی اور فراغت کے لحاظ سے بازاروں میں یا کھلے میدانوں میں درختوں کے نیچے یا بازار کی دوکانوں میں کھانے پینے اور قہوہ وسگرٹ نوش کرنے میں اپنا وقت صرف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے مصروف اور کاروباری حصہ میں بادرچیخانوں

اور قہوہ خانوں کی بہت کثرت ہے! اور پھیری والوں کا تانتا جو کہانے پینے کی چیزیں بید کے خوانچوں میں رکھے
ہوئے ہجوم میں ادہر ادہر چکر لگاتے رہتے ہیں ختم ہونے میں ہی نہیں آتا۔ جدہر نگاہ کرو کوئی نہ کوئی خونچہ والا
کہڑا ہوگا۔ یہاں ایک شخص ڈبل روٹی "پیدہ" (فطیری روٹی) اور "کیمت" "دبسکٹیں" بیچ رہا ہے اُس سے
چند قدم پر پنیر فروش موجود ہے۔ جو مدور بانسی ٹوکرے میں دو تین قسم کا پنیر اور "یودر" (دہی) رکھے ہوئے
ہے۔ وہاں ایک باورچی کباب گرم گرم پلاؤ۔ ساگ اور دوسری ترکاریونکا سالن بیچ رہا ہے۔ حلوائیوں
مٹھائی فروشوں اور شربت بیچنے والوں کا تو حد و حساب ہی نہیں۔ سب سے زیادہ کثرت سقوں کی ہے
وہ بالعموم ایک ڈھول کی شکل کا آبدان کندھو نپر اٹھائے ہوتے ہیں جسپر دھوپ سے بچاؤ کرنیکیلئے ہری
ٹہنیاں اور شاخیں رکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک ہاتھ میں چرمی نلکی کا پتلی سو ہانہ اور دوسرے میں دو یا
تین وزنی مسی کٹورے ہیں جنکو انگلیوں کی عجب استادانہ حرکت سے وہ ہر وقت بجاتے رہتے ہیں اور
اس آواز سے رہگذروں و تشنہ دہانوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ میاں بہشتی اسوقت کہاں براجتے ہیں
اگر سیاح اٹلی کے راستہ یہاں آیا ہو تو وہ ہر قسم کے ماکولات اور مشروبات کے بیچنے والونکی ذاتی صفائی
اور ستھراپن دیکھکر دنگ ہوجائیگا۔ اور ان کی چیزیں بھی ایسی نفیس ہوتی ہیں کہ خواہ شکم سیر ہو اسے خود بخود
بھوک پیدا ہوجائیگی۔ خونچہ والوں کے علاوہ بازار میں کئی باورچیخانے اور ہوٹل بھی ہیں۔ اسی بازار میں ایک
ایک فربہ اندام خوشرنگ ترک ایسے کباب بناتا ہے کہ کل دنیا میں ویسے کباب بنتے ہونگے۔ اس کی
مختصر سی دکان بازار کے متصل ایک چھوٹے سے چوک میں ہے۔ مرمر کی صاف سل پر جو دریچہ کی ہلیز کا کام
دیتی ہے۔ چوبی سیخوں کی قطاریں لگی ہیں۔ کہ حسب ضرورت فی الفور اٹھا کر آگ پر رکھدی جائیں پلاؤ
بڑی بڑی سینیوں میں پڑا ہے جسکو ہر وقت گرم رکھنے کیلئے سینیوں کے نیچے کوئلے جل رہے ہیں۔ اور پاکیزہ بدن
چابکدست لڑکے گاہکوں کی خدمت کیلئے دست بستہ کہڑے ہیں گاہک یا تو اس میز پر بیٹھکر کھانا کھاتے
ہیں جو باورچیخانہ کے عقب میں بچھی ہوئی ہے۔ یا دروازہ سے باہر خاموش چپ چاپ چوک میں جو باورچیخانہ
کے سامنے ہے۔ سب سے مرغوب کہانیکی ترکیب یورپینوں کو لا کلام نہائت عجیب معلوم ہوگی۔ جو حسب ذیل ہے
"پیدہ" (فطیری روٹی) کے مربع ٹکڑے کاٹ کر شوربے کی رکابی میں اوپر تلے رکھدیئے جاتے ہیں اُسپر بلوی
بلوئی ہوئی ملائی دو انگشت موٹی تہ بچھا دیجاتی ہے۔ پھر اسپر آگ سے اسوقت اترے ہوئے گرما گرم گوشت کی بوٹیوں کا
انبار لگا دیا جاتا ہے۔ بعدہ ان سب چیزوں میں نمک مرچ الائچی اور گرم مصالح ڈالکر ان کو ملا لیا جاتا ہے یہ
کہانا نہائت لذیذ اور بڑی خوبی یہ ہے کہ زود ہضم ہوتا ہے۔
اس امر کی تصدیق ان سیاحوں سے ہوسکتی ہے جو روسمیں ہر چیز کو ترش ملائی کیساتھ کہانیکے عادی

رہے ہیں۔ پلاؤ بھی کوئی بری چیز نہیں میں اُسکے تیار کرنیکی درست ترکیب بتانے سے محترز رہتا ہوں۔ اس کیلیئے بہت جگہ چاہیئے۔ دنیا میں ترکی یونانی ایرانی اور ہندوستانی یہ چار قسمیں پلاؤ کی بہت مشہور ہیں بوجہ ان کے فرق بتانے سے بھی اغماض کرتا ہوں البتہ یہ لکھے دیتا ہوں کہ میری سمجھ میں ایرانی پلاؤ سب پر فوقیت رکھتا ہے۔ باورچی فقط کھانے کی چیزیں دیتا ہے پانی بہم پہنچانا اُسکا کام نہیں اگر تمہیں ضرورت ہو تو اس سقہ کو جو بازار میں چکر لگاتا رہتا ہے بلا کر پانی یا شربت کا کٹورہ خرید لو قسطنطنیہ میں بھی اب تہذیب گہر کر گئی ہے ہر گاہک دوکاندار سے اسبات کا متوقع ہوتا ہے کہ کہانے کیساتھ چھری کانٹا آئے۔ ان دونوں چیزونکو اب ترک نہایت سلیقہ کیساتھ استعمال کر سکتے ہیں ایران میں شوربہ کیساتھ فطیری روٹی علیحدہ دیجاتی ہے۔ جسے گاہک ہاتھ سے توڑ توڑ کر کھاتا ہے۔ اور میری بھی ہمیشہ یہی رائے رہی کہ کانٹے کی نسبت انگلیوں کو ہی بدرجہا مناسب آلہ غذا کھانیکا سمجھنا چاہیئے۔ کہانے والیکو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکی اپنی انگلیاں ہیں۔ اور ان کو اس نے کھانیسے پہلے دھولیا ہے۔ مگر ہوٹلوں اور عام ضیافتوں میں جو کانٹے دیئے جاتے ہیں انکی نسبت دھلے ہوئے ہونیکا کبھی پختہ یقین نہیں ہو سکتا اور خدا معلوم پہلے انکو کس شخص نے اور کس طرح پر استعمال کیا تھا۔ ہم مسواک کرنیکے بغیر رہنے کی تکلیف گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر دوسرے آدمی کی مسواک یا دانتوں کا برش استعمال نہیں کرتے لیکن کانٹے خواہ کل دنیا کے مستعملہ ہوں انکی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے ایں ایک ہی امر سے اکثر بیرونی اور ظاہر دارانہ صفائیوں اور نفاستوں کی قلعی بخوبی کہل رہی ہے۔

ترک جو کچھ بازاروں میں کھاتے ہیں وہ سب ایک طرح سے تیسرے پہر کا ناشتہ ہوتا ہے۔ اصل کہانا وہ شام کے بعد اپنے گہروں میں کھاتے ہیں۔ بازستان کے تاریک کونہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسکے چھوٹے سے مینار کی چوٹی بازار کی ڈاٹ دار چھت کے نیچے بعینہٖ بچوں کے کھلونا مکان کے مشابہ معلوم ہوتی ہے۔ دوپہر کیوقت مؤذن اس مینار پر چڑھکر اسکے دریچہ میں سے اسی زور شور کیساتھ مسلمانونکو نماز کے لیئے بلاتا ہے۔ جسطرح سلطان احمد کی عالیشان جامع کا مؤذن اُسکے سر بفلک میناروں کی چوٹی سے بازار کے کھلا رہنے کے اثنا میں جتنی نمازوں کا وقت ہے اتنی دفعہ یہ مؤذن برابر اذان دیتا رہتا ہی دوپہر (ظہر) کی اذان سے گو چھوٹے بڑے سب کو خبر ہو جاتی ہے۔ کہ دوپہر ہو گئی ہے۔ اسوقت کا کہانا کہانا چاہیئے۔ مگر جسطرح کہ یورپ کے جنوبی عیسوی ممالک میں دوپہر کے کھانیکے وقت لوگوں میں عام ہلچل پڑجاتی ہے۔ یہاں خلقت کے اژدہام میں ویسی کوئی عام دوڑ دھوپ نہیں دیکھی جاتی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ ترک جب گہر سے باہر ہو تو اسکے کھانے کا وقت کوئی معین نہیں ہوتا۔ اور اسے اسبات کی پروا نہیں

ہوتی کہ ٹھیک مقررہ وقت پر کھانا کھائے۔ بلکہ جب فرصت ہوئی کھا لیا۔ صرف شام کا کھانا ایسا ہوتا ہے جسے وہ پابندی کیساتھ پرانے دستور کے مطابق گھر میں بیٹھکر کھاتا ہے ابھی تک کئی ایسے ترکی خاندان ہیں جنکے ہاں کھانیکا دسترخوان ہر روز سلاملق میں بچھایا جاتا ہے۔ اور غریب امیر جو آجائے اسکے لیئے کھلا ہوتا ہے۔ اسوقت جو آجائے اسے کھانے میں شریک کر لیا جائیگا۔ فرق اتنا ہوگا۔ کہ نو وارد صاحب خانہ کی حیثیت کا ہو تو اسکے ساتھ بیٹھ جائیگا۔ اور کم درجہ کا ہو تو دوسرے دسترخوان جو اسی کمرہ میں ذرا علیحدہ کرکے کم درجہ والوں کے لیئے بچھا ہوا ہوتا ہے۔ ترکی میں کھانا کھانے کے یہ معنی ہوتے ہیں۔ کہ مہمان رات بھی وہیں بسر کرے میزبان اپنے مہمان کو پلنگ و بستر کے علاوہ شب خوابی کے کپڑے اور سلیپر بھی بہم پہنچاتا ہے یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ خاتونان حرم اس دسترخوان پر نہیں ہوتیں۔ وہ حرم کے اندر علیحدہ دسترخوان پر کھاتی ہیں۔ میرے ایک دوست کے خانساماں نے تھوڑا عرصہ ہوا مجھ سے سخت شکایت کی۔ کہ عموماً مہمان صبح بہت سویرے اٹھکر وہ سلیپر اور کپڑے اڑا لے جاتے ہیں۔ جو رات کو انہیں دیئے جاتے ہیں اور میرے آقا کی کشادہ دلانہ میزبانی اور مہمان پروری کا یہ کمینہ بدلا دیتے ہیں۔ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ترک میز پر زیادہ دیر نہیں بیٹھتے۔ کھانا ہوتا تو بیشک بہت قسموں کا ہے مگر ہر ایک قسم ہر ایک مہمان کے سامنے صرف ایکدفعہ رکھی جاتی ہے۔ اور جونہی اُسکی رکابیاں خالی ہوئیں۔ ملازم جھٹ پٹ انہیں اٹھا کر دوسری قسم رکھ دیتے ہیں۔

جو سڑک ڈاکخانہ سے نور عثمانیہ کو جاتی ہے۔ وہ قسطنطنیہ کی قابل ذکر سڑکوں میں سے ہے۔ غلطہ پل اور بازار کے درمیان زیادہ تر اسی پر آمدورفت ہوتی ہے۔ اسمیں بھانت بھانت کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ اور ہر ایک قسم کی تجارت اور ہر قوم کے لوگوں کی اسمیں دوکانیں اور کوٹھیاں موجود ہیں اس کی کیفیت ناقابل بیان ہے یونانی اور ارمنی معالج دندان اس نواح میں بکثرت رہتے ہیں انکی دوکانوں کے دروازوں پر بڑے بڑے تختے آویزاں اور بورڈ لگے ہوئے ہیں۔ جو اگر ان کی قابلیت کے مقدار کی لحاظ سے ہیں تو وہ بیشک بڑے ماہر دندان ساز ہونگے۔ اسی جگہ ڈاکخانہ کے قرب و جوار میں منشی اور خطوط نویس ناخواندوں کے نامہ و پیام لکھنے کیلیئے سارا دن سایہ میں بت بنے بیٹھے رہتے ہیں زیادہ تر ترکی مستورات انکی گاہکنیں ہیں جو دھیمے اور رازدارانہ لب و لہجہ میں انکو اپنے خط لکھواتے وقت چہرے انکو بالعموم نقاب سے زیادہ احتیاط کیساتھ ڈھانپ لیتی ہیں اٹلی اور یونان نیز اکثر کئی مشرقی ممالک میں یہ طریق عام مروج ہے۔ مگر پھر بھی ان عورتوں میں جنکے چہروں کی ایک جھلک دیکھنے کیلیئے جو منشی کی میز پر بڑے شوق سے جھکی ہوئیں۔ اسکی تیزی کیساتھ چلتی ہوئی قلم کو دیکھتی رہتی ہیں تھوڑی دیر کیلیئے

ٹھیر جانا تضیع اوقات نہیں ہے ترکی کاغذ کی قلم اسے لکھی جاتی ہے۔ اور دوات میں سوف دار سیاہی ہوتی ہے۔ اسی مقام کے قریب بنی جامع ہے۔ جو قسطنطنیہ کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ اور ہر وقت مختلف الاقوام و العمر نمازیوں کا اسمیں جمگھٹا لگا رہتا ہے۔ بازار کے شور و غل آپا دھاپی اور چمک دمک کو پیچھے چھوڑکر مسجد کے دروازہ پر سے بوٹ پر سلیپر پہننے کے بعد کسی نماز کیوقت متبرک عمارت کے اندر داخل ہو جاؤ وہاں تمہیں بالکل دوسرا نقشہ دکھائی دیگا جو عجیب با متانت اور شاندار ہوگا اور ساتھ ہی تم پر اہالی مشرق کی طرز زندگی کا پر اسرار بقاعدہ اور راز سربسر واضح و آشکارا ہو جائیگا۔ تم دیکھوگے کہ خنک سایہ میں ہر عمر کے مسلمان محراب یا دیواروں کی مقدس تحریروں اور کتبوں کیطرف منہ کیئے رکوع و سجود میں مصروف ہیں۔ انکی حرکات و سکنات مختلف اوضاع اور لب و لہجہ سے ایسی صداقت اور مخلصانہ اعتقاد مترشح ہو رہا ہے۔ کہ وہ جسطرح بلحاظ نوعیت مشرق الاقصیٰ کے مشرکانہ توہم سے بدرجہا افضل و فائق ہے اسیطرح اسکی سادی صداقت اور اخلاص معمولی لیاقت کے عیسائی کی سمجھ سے اعلےٰ و ارفع ہے مسلمانوں میں کچھ عرصہ بود و باش رکھنے کے بعد اس امر کا یقین کامل ہو جانا ممکن ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں کامل مخلص ہیں ان کی مذہبی پرجوشی اور مذہبی رسوم کی پابندی میں ریاکاری کو مطلق دخل نہیں اور کہ جب سجود کا ئینات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کا جھنڈا کھولا گیا جس امر کے وقوع میں آنیکے امکان کو کبھی ہمارے عیسائی بھائی اشارتاً کنایتاً مبہم و مشکوک سا بتاتے ہیں تو اس سے ایسے نتائج پیدا ہونگے جو یورپ کے فلسفہ کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آئے۔

قسطنطنیہ کو دنیا کے دوسرے شہروں پر ایک بڑا فخریہ حاصل ہے کہ اسمیں قدم قدم پر اجتماع ضدین پایا جاتا ہے یہاں کچھ اور نقشہ ہے دو قدم آگے جاؤ تو اس سے بالکل برعکس کیفیت دیکھی جاتی ہے۔ ان اچانک تغیرات میں سب سے زیادہ موثر تغیر وہ ہے جو بازاروں سے مساجد و مقابر میں داخل ہونے پر پایا جاتا ہے اول الذکر میں وہ چہل پہل اور دھکم دھکا کہ الامان چند قدم پر آخر الذکر میں بالکل خاموشی اور مؤدبانہ سکوت کا عالم اکثر جوامع کے اندرونی حصوں کی حیرت افزا زیب و زینت دیکھکر مشرقی خامہ کا سر نہاں ہویدا ہو جاتا ہے اکثر مشرقی ممالک کیطرح یہاں بھی صنعت و دستکاری کے بعض اعلےٰ ترین نمونوں کے دوش بدوش کمال بھدی چیزیں اور مکروہ سجاوٹیں پائی جاتی ہیں اکثر چیزوں کی شان و شوکت جس کیوجہ سے ہی مشرق کو عموماً شاندار مشرق پکارا جاتا ہے۔ بعض بے اندازہ بھدی اور بدسلیقہ چیزوں کے قرب سے جو یورپین کی نگاہ میں کمال کروہ معلوم ہوتی ہیں اور بھی زیادہ نمایاں اور واضح ہو رہی ہے۔ مگر یورپ کیطرح یہاں بھی صنعت و دستکاری اور فنون زیادہ تر مذہب اور مذہبی خیالات سے وابستہ ہیں۔ سنت و الجماعت عقیدہ کے

مسلمانون نے جو کسی جاندار چیز کی تصویر بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ فن تحریر پر اسقدر توجہ صرف کی ہے۔ کہ جسقدر مغرب میں مصوری اور نقاشی پر کی گئی ہے۔ تعلیم یافتہ ترک کو خوشخط قطعہ دیکھکر ویسی ہی خوشی ہوتی ہے جیتنی کہ ہمیں استادزمانہ مصوروں کی بنائی ہوئی تصویریں دیکھکر یورپین کیلیئے عربی رسم الخط سے جو ایک طرح کی شارٹ ہینڈ (مختصر نویسی) ہے کچھ عرصہ میں مانوس ہو جانا مشکل امر نہیں تھوڑی مدت کی مشق سے وہ اسکو اسی تیزی اور روانی کیساتھ پڑھنے کے قابل ہو جاتا ہے جس طرح کہ لاطینی اور گوتھک خط کو پڑھ سکتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے۔ کہ وہ فن تحریر کے ان نکات صنعتوں اور خوبیوں کو کبھی تمیز کرنیکی قابل نہیں ہو سکتا۔ جو ایشیائیوں کے نزدیک ویسی ہی منزلت رکھتی ہیں جیسی کہ ہمارے مذاق میں رنگون کی شوخی یا ہلکاپن اور سایہ و روشنی کے متعلق مصوری اور نقاشی کی باریکیاں تھوڑے دنوں کی بات ہے ایک ترک نے ایک قطعہ کی طرف جو دیوار پر آویزاں تھا۔ اور جسکی سفید زمین پر صرف سیاہی سے ایک آئت لکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی رنگ آمیزی یا گلکاری کسی طرح کی نہیں تھی۔ اشارا کرکے کہا: "یہ تحریر مجھے ویسی ہی خوبصورت اور پیاری معلوم ہوتی ہے جیسی کہ تمہیں ماہر مصور طیلیان کی کوئی تصویر" فن خوشنویسی کے ایسے اعلے نمونوں کو نہائت بیش قیمت۔ چوکھٹوں میں جڑواکر شیشوں کے پیچھے رکھاجاتا ہے۔ مگر بعض نہائت ہی اعلے اور ان سب سے زیادہ خوبصورت نمونے ان روغنی کھپریلوں پر پائے جاتے ہیں۔ جو آرائش اور زینت کے لیئے مسجدوں اور مقبروں میں لگی ہوئی ہیں۔ اُن میں سے بعض کتبوں کی ترکوں کی نگاہ میں ایسی وقعت ہے۔ کہ انکے خیال کے مطابق کہ ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہو سکتی۔ یورپین شائقین صنعت قدیمہ کی نظروں میں بھی بسرعت تمام ان کی یہی وقعت ہوتی چلی جارہی ہے۔ مگر ان کتبوں کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ عموماً مذہبی ہیں اور مذہبی مقدس مقامات میں ہی بالعموم اعلے ترین نمونے پائے جاتے ہیں افسوس مشرق صنعت و دستکاری کا دن بدن تنزل ہو رہا ہے۔ اور ان عجیب و غریب کھپریلوں کے جنمیں سے ابتک ہزاروں موجود ہیں بنانے کا راز ہمیشہ کیلیئے دنیا سے ناپید ہو گیا ہے۔ قسطنطنیہ اب بھی روغنی کھپریلیں یعنی ان کی نقلیں بنتی ہیں مگر بہت ادنیٰ درجہ کی اور بالکل بے حقیقت مزید براں یہ کام سرتاپا یہودیوں کے ہاتھ میں ہے۔

مشرق کی کونسی داستان یا افسانہ ہے جسمیں عربی گھوڑے کا لمبا چوڑا ذکر نہوا۔ اور اسنے اسمیں بہت بڑا حصہ نہ لیا ہو جب میں اول اول استبول کے نخاس اسپان کو گیا۔ تو مجھے خیال تھا۔ میں وہاں ایسے ایسے خالص النسل بدیع الزمان نجیب الطرفین گھوڑے دیکھوں گا۔ کہ لیڈی این بلنٹ اور اس کے

خاوند[1] کے دل بھی انہیں دیکھکر باغ باغ ہو جائینگے۔ مگر مجھے ایسی مایوسی ہوئی کہ عمر بھر ویسی نہیں ہوئی تھی آت بازار نخاس محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کی جامع مسجد سے بجانب شرق ہے۔ اول تو وہاں کوئی گھوڑا ہی نہ تھا۔ لیکن اگر ہوں بھی تو اس مثلث کشادہ میدان سے جسپر فرش کی بجائے چھوٹے بڑے سنگریزے اور پتھر کھڑے ہوئے تھے۔ بڑھکر بُری جگہ خریداروں کو گھوڑے دکھانے کیلئے کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ میدان ایک چھوٹی سی پہاڑی کے عمودی ڈھلاؤ پر واقع ہے۔ اور اسکے چاروں طرف متعدد شکستہ حال چوبی مکان ہیں جنمیں اکثر تاریک دبلا ہوا کوٹھریاں اصطبل کا کام دیتی ہیں اور ان میں متعدد مالکوں کے متعدد چند گھوڑے معمولی تھانوں پر بری طرح سے بندھے رہتے ہیں۔ عموماً دو تین دیو قامت ہنگرین جانور اور بارہ چودہ پست قامت مضبوط جسم سالونیکی یابو وہاں موجود رہتے ہیں ایکدفعہ مینے وہاں ایک عجیب الخلقت گھوڑا دیکھا کہ شاید ساری عمر اسکے ساتھ کا دکھائی نہ دے۔ اسکی ٹانگوں کی لمبائی اسی سے قیاس کرلو کہ وہ پوری اٹھارہ مٹھی بہر بلند تھا۔ مگر طول میں مذکرہ صدر سالونیکی یابوؤں میں سے کسی ایک سے زیادہ نہ تھا۔ ہمارے گہر میں ٹوپیاں رکھنے کا ایک پرانا چرمی بکس چلا آتا ہے سال کا کوئی موسم نہیں جبکا اسے ذاتی تجربہ نہو۔ کوئی ڈاک گاڑی ایسی نہ ہوگی جس کی اسنے سیر نہ کی ہو اور جہاں میں شاید کوئی ہی ایسا شہر ہوگا جسکے نام کے پرچے سبز سرخ سفید زرد نیلگوں وغیرہ رنگ کی اُسپر چپیاں نہو الغرض اس دیو کا سر بعینہ اس ٹوٹے پھوٹے چرمی بکس کے مشابہ تھا۔ یہ جانور فی الواقع ایسا عجیب الخلقت تہا کہ کئی منٹوں تک میری نظر اسپر جمی رہی اس سے میرے رہنما جو نخاس کا مہتمم اور اعلےٰ دلال تہا شبہ سا ہوگیا شاید میں اسے خریدنے کا ارادہ رکہتا ہوں اور وہ میری طرف کمال تعجب و حیرت سے دیکھنے لگ گیا۔ یہ سب سے آخر جو گھوڑا مجھے دکھایا گیا۔ وہ فی الواقع دیکھنے اور خریدنے کے قابل تھا۔ اسے ایک ایسی تاریک کوٹھری کے قعر عمیق سے نکالا گیا کہ اگر یورپ کے کسی گھوڑے کو چند لمحے میں بھی اسمیں بند رکھا جائے تو اسے سکتہ ہو جائے سائیس نے صاف کرنے کیلئے خرخری کے دو چار یونہی سر گردے لگا کر میرے سامنے کیا۔ اس سے بہتر عربی گھوڑا عرب سے بھی دستیاب ہونا مشکل تھا۔ گھوڑے کی جو خوبیاں اور وصف آت بازار جانے سے پہلے میرے دماغ میں ذہن نشین تھے وہ سب اس میں موجود تھے۔ سیدھی گاؤدم ٹانگیں چھوٹے چھوٹے پاؤں۔ سر کسیقدر بڑا اور استخوان دار کان چھوٹے اور سیدھے۔ جلد ریشم ایسی نرم اور

[1] مسٹر ولفرڈ بلنٹ کتاب فیوچر آف اسلام اس جنٹلمین کو گھوڑوں کا بہت شوق ہے عباس اول خدیو مصر نے عربی گھوڑوں کا جو آشتہ قائم کیا تھا۔ وہ اسی شخص نے کئی لاکھ روپیہ کو خدیو خاندان سے خریدا تھا۔ مسٹر موصوف کے اصطبل کل انگلستان بھر میں مشہور ہیں۔ (مترجم)

رنگ شوخ کمیت۔ تازہ ہوائیں پہنچکر اسنے جسم کو جھنجوڑا اور پہر زور سے ہنہنایا۔ گویا اپنے اصطبل پر کمال نفرت ظاہر کی وہ گداگروں میں پادشاہ اور کمینوں میں مرد میدان تھا۔ اور اسے دیکھکر میری توقع و امید کا کچھ حصہ پہر بحال ہوگیا۔

مگر قسطنطنیہ میں ایسے شاندار جانور کم دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ سلطنت عثمانیہ سے گھوڑے باہر لیجانے کی سخت ممانعت ہے۔ کہ بڑے بڑے جلیل القدر بھی اسکی خلاف ورزی کرنیکی جرات نہیں کرسکتے اسوجہسے سلطنت کے اندر عرب گھوڑوں کی عام کثرت ہونی چاہیئے۔ اس امتناعی حکم کی تعمیل کرانا بھی ویسا مشکل نہیں جیسا کہ اس حکم کی تعمیل کرانا جو تمام ایسی چیزوں کے باہر لیجانے کی ممانعت کرتا ہے جنپر کوئی مذہبی عبارت تحریر یا چھپی ہوئی ہو۔

نخاس کا ذکر آجانے پر سراجوں کا بازار بھی یاد آگیا ہے۔ یہ ایک بجائے خود ایک چھوٹا سا محلہ ہے جو استنبول کے مشہور بازار دیوان یول کے متصل واقع ہے زینوں اور سازوں کے بنانے اور چمڑہ کی تیاری کا کام کسی زمانہ میں اس ملک میں بہت زور پر تہا اور ایسے ملک میں جہاں صرف گھوڑوں اونٹوں یا دیگر بارکش جانوروں کے ذریعہ ہی آمدرفت ہوتی تھی ایسا ہونا تھا بھی لازمی امرا اپنے جانوروں کے ساز و یراق کو بڑی بڑی لاگت اور صرف سے بنواتے تھے اور اس کام کی ایسی عزت تھی کہ سراجوں اور زین سازوں کی ایک مستقل جماعت بنگئی تھی۔ دیگر صنعتوں کیطرح یہ صنعت بھی چند برسوں سے ٹرکی میں بہت متنزل ہوگئی ہے۔ لیکن پھر بھی ابتک بعض بعض چیزیں وہاں دیگر ممالک سے بہتر تیار ہوتی ہیں۔ بازار سراجان میں میرے خیال میں ڈیڑھ سو دوکانیں ہونگی۔ یہ پست قامت شیدنما عمارتیں ہیں۔ ان کے آگے بازار کی سطح سے تھوڑی سی بلندی پر چوبی تختے لگے ہوئے ہیں۔ دوکانداران برآمدون میں تیار اسباب فروخت کیلیئے لٹکا کر سارا دن چوبی تختوں پر بیٹھے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اکثر چیزوں کا چمڑا روسی بتایا جاتا ہے۔ مگر دراصل وہ مشرقی (یعنی ملکی) ہی ہوتا ہے۔ جس میں ایک خاص طرح کی بو اس طرح سے پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ چمڑے کو معمولی طریق سے کمانے کی بجائے پتوں کے دھوئیں سے کمایا جاتا ہے۔ ان دوکانوں میں چرمی۔ مخملی یا باناتی بڑے بڑے چارجامے اور انہی کے ہم انداز و زندار لگامیں جنکی باگوں پر دستی سلائی سے بیل بوٹے کاڑھے ہوتے ہیں جسقدر چاہو دستیاب ہو سکتی ہیں۔ خاص دار الخلافہ ان کا عرصے سے رواج نہیں رہ گیا۔ قبول اور خرجیاں بھی ہر قطع و وضع اور حجم کی یہاں تیار ہوتی ہیں۔ ان کی ساخت میں سادگی اور استادی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ اور لمبے سفروں میں جو پشت توسن پر کیئے جائیں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں قسطنطنیہ سے

اکثر لوگ ایشیائی علاقہ کی طرف ایسے سفر پر جاتے ہیں۔ کل بازار میں سب سے عمدہ چیز چمڑی صندوق ہیں یہ مضبوط روسی چمڑے کے ہوتے ہیں اور ایسی استادی مضبوطی اور صفائی سے بنے ہوتے ہیں۔ کہ یورپ بھر میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی۔

میرا خیال ہے کہ ٹرکی میں شہر کی چار دیواری کے اندر مردوں کے دفن کرنیکی ممانعت نہیں مگر قبر پر قبر بنانے کو رواج ایسا ناپسند کرتا ہے۔ کہ قبرستان کیلئے بہت وسیع رقبہ ضروری ہے استنبول اور پیرا کی مساجد کے قرب جوار کے بیشمار چھوٹے چھوٹے قبرستانوں اور ان گنت مقبروں کے علاوہ استنبول اور اسکودرا کے گرداگرد خشکی کی طرف قبرستانوں کا تقریباً نا تمناہی سلسلہ چلا گیا ہے۔

بطور قاعدہ عمومیہ ہر مسجد کے متصل اُسکے بانی اور بانی کے زن و اطفال کی قبریں ایک چھوٹے سے قبرستان یا مقبرہ میں بنی ہوئی ہیں۔ ان مقبروں میں سے بعض کی عمارتیں کثیر الزاویہ اور اکثر کی ہشت پہلو ہیں۔ یہ آٹھ ضلعے۔ اللہ۔ محمدؐ۔ اور چھ اماموں کے نام کی تعداد کی مناسبت سے ہیں۔ شہر کی سب سے شاندار اور مکلف عمارتیں یہی مقبرے ہیں۔ اور انہیں میں وہ کہبہ پلیں لگی ہوئی ہیں جنپر فن تحریر کے بہترین نمونے موجود ہیں۔ متوفی کی لاش اسلامی رواج کے مطابق درمیانہ قد کے آدمی کے برابر گڑھا کھودکر دفن کیجاتی ہے۔ سلطان یا بانی مسجد کی قبر ہمیشہ عین دروازہ کے سامنے اور اسکی بیویوں بچوں کی قبریں اُسکے گرداگرد سلیقہ سے بنی ہوئی ہوتی ہیں۔ ہر قبر پر چوبی صندوق یا تعویز بنا ہوا ہے یہ صندوق مدفون کی قدر و منزلت کے لحاظ سے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ کل استنبول میں سب سے بڑا تعویز محمد ثانی کی قبر کا ہے۔ یہ صندوق سیاہ مخمل کی چادروں سے جنکے حاشیوں پر زردوزی کا بیش بہا کام ہوا ہوا ہے ڈھپے ہوئے ہیں۔ بعض مقبروں میں ان چادروں پر بے بہا دوشالے بھی ڈالے ہوئے ہیں یہ سب چادریں اور دوشالے کچھ عرصہ حضرت سرور کائنات (علیہ الصلوٰۃ والتحیات) کی مرقد منورہ پر رہنے کے بعد ان قبروں پر ڈالے گئے تھے ان کل مقبروں میں سب سے عجیب مقبرہ سلطان سلیم کا ہے جسکی قبر کے گرداگرد اسکی چاروں بیویوں اور تقریباً چالیس لڑکے لڑکیوں کی جو سب کے سب صغر سنی میں فوت ہو گئے تھے۔ موجود ہیں۔ لڑکیوں کی مزاروں سے لڑکوں کی قبروں کی تمیز چھوٹے چھوٹے سفید عماموں سے ہو رہی ہے۔ ایک مقبرہ میں چاندی کا ایک ایک صندوق رکھا ہے۔ جنمیں آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ریش مبارک کا ایک ایک بال تیمناً و تبرکاً بند ہے۔ قبروں کے گرد بنگلے بنے ہوئے ہیں۔ جنمیں سے بعض ٹھوس چاندی کے ہیں ان عمارتوں کا مسجدوں کے برابر ادب کیا جاتا ہے۔ فرشوں پر قالین بچھے ہوئے ہیں۔ جنپر غلیظ پاؤں کوئی لیکر نہیں جاسکتا سلاطین کے مقبروں میں بادشاہوں کی قبروں کے سرہانے بالعموم تین تین چار چار رحلیں جن پر

نہایت اعلےٰ درجہ کی صنعت کا کام کیا ہوا ہے رکھی ہوئی ہیں اور انپر کمال خوشخط زرفشاں قلمی قرآن مجید ہیں انمیں سے مقبرہ کے مہتمم ہر روز چند سورتیں پڑھ چھوڑتے ہیں بعض بعض قرآن شریفوں کی طلاکاری ایسی بدیع اور خوشرنگ ہے۔ کہ یورپ میں ان کی نظیر موجود نہیں اور زمانہ وسطی کی نہایت خوش قلم اور طلاکار کتابوں کے بہترین صفحات بھی ان کے سامنے گرد ہیں۔

مقبروں کے علاوہ مسجدوں کیساتھ چھوٹے چھوٹے قبرستان بھی ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی جگہیں بالعموم خوشنما معلوم ہوتی ہیں انمیں چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں یادگاری ستون مختلف اوضاع میں کھڑے ہیں اور گلاب کے درخت اور دوسری جھاڑیاں ان میں بکثرت لگی ہوئی ہیں۔ ٹرکی میں قبروں کی مرمت کرتے رہنے کا رواج نہیں اسلیئے یادگاری ستون جو عموماً لمبے نازک اور عمودی ہوتے ہیں جلد ٹیڑھے ہو کر ادھر ادھر جھک جاتے ہیں جس سے قبرستانوں کی شکل عجیب و غریب اور ڈراونی سی ہو جاتی ہے سلطان محمود فس کو رواج دینے کے زمانہ تک مردانہ قبروں کے سرہانے کے پتھروں پر عمامے کندہ کیئے جاتے رہے۔ بعد ازاں فس کا عام دستور ہو گیا۔ جنکو شروع میں سرخ رنگ دیا جاتا ہے۔ اور نیلا پھندنا بھی بنا دیا جاتا ہے مگر یہ رنگ جلدی ہٹ جاتا ہے ستونوں کے درمیانی حصہ میں عموماً طویل کتبے لکھے ہوتے ہیں پہلے بسم اللہ اور قرآن شریف کی کوئی آیت اور پھر متوفی کے مختصر حالات درج ہوتے ہیں عورتوں کی قبروں پر یا تو قطعاً کوئی نشان نہیں ہوتا۔ یا زیادہ تر سورج مکھی کا پھول اور بعض بعض پر کوئی بیل بوٹا یا شاخ بنا دیجاتی ہے۔ اُن کے ستونپر بالعموم منظوم کتبے ہوتے ہیں بعض بعض قبروں پر متمولوں نے بڑی قیمت اور لاگت سے شاندار یادگاریں بنوائی ہیں۔ مگر بلا مرمت رہنے سے انکی اصل کیفیت باقی نہیں رہ گئی۔ ان چھوٹے چھوٹے قبرستانوں میں سے اکثر میں خود قبروں کی سطح سے نشیب میں خوب مصفا روشیں موجود ہیں جو دونوں طرف کی بے ترتیب جھاڑیوں اور درختوں کے مقابلہ میں عجیب حیرت بخش معلوم ہوتی ہیں جو لوگ زہد و تقدس میں مشہور ہوں انکو بالعموم خاصکر مفصلات میں علیحدہ احاطہ میں دفن کرکے ان کی قبروں کے گرد جنگلا لگا دیا جاتا ہے اور اوپر چھت یا گنبد بنا دیا جاتا ہے ان بزرگوں کے مزاروں پر جسطرح رومن کیتھولک ملکوں میں عیسائی اولیا کے مزاروں پر ہوتا ہے رات کو عموماً متعدد چراغ روشن دکھائی دیتے ہیں جنکو منتیں ماننے والے جلا جاتے ہیں مسلمان متوفی کو نہ فقط ادب سے یاد رکھتے ہیں۔ بلکہ اُنکا اعتقاد ہے کہ متوفی بزرگوں کی شفاعت اور دعا بھی مستجاب ہوتی ہے بزرگوں کی قبروں کے اردگرد کی جھاڑیوں پر اکثر سینکڑوں ہزاروں چیتھڑے دکھائی دیتے ہیں ان کو زائرین اپنے کپڑوں سے پھاڑ کر جھاڑیوں سے لٹکا جاتے ہیں انکا اعتقاد ہے کہ ایسا کرنیوالا بیماری سے محفوظ رہتا ہے مگر کل مدفنوں میں سب سے زیادہ دلکش اور متوحش وہ بڑے بڑے قبرستان ہیں۔ جو فصیلوں سے باہر ہیں وہاں

مسلمانوں کی قبروں پر بڑے بڑے شاندار سرو جنکی عمریں کئی صدیوں سے کم نہیں سایہ فگن ہیں اور وہ سایہ ایسا گھنا ہے۔ کہ موسم گرما کی دوپہر کو بھی ایک گونہ تاریکی سی رہتی ہے سرو کے سایہ میں کوئی اور پودہ زندہ نہیں رہ سکتا اسلیئے زمین پر کوئی جھاڑی بوٹی نہیں ہر طرف جہانتک نظر جا سکتی ہے خاکی مائل یادگاری ستونوں کی نامتناہی قطار در قطار دکھائی دیتی ہے۔ کوئی سیدھا کھڑا ہے کوئی جھکا ہوا ہے کوئی دائیں بائیں یا آگے پیچھے زمین پر پڑا ہے۔ کہیں کہیں لمبے لمبے فاصلے پر بعض بعض ستونوں پر شوخ رنگ کا نشان چمکتا نظر آتا ہے یہ رنگ مردانہ قبروں کے ستونوں پر صرف ان کا ہے جسے موسم کے انقلابات نے ابھی تک دور نہیں کیا۔ یہ قبرستان دوپہر اور دھندلے یا نیم تاریک شفق کے وقت کسی قدر اور رات کو بالکل ڈراونے اور ہیبت انگیز ہوتے ہیں۔ ان قبرستانوں کو دیکھکر کوئی تعجب نہیں رہجاتا کہ ترک بھوت پریت غول و جناب اور عالم ارواح متعلق تمام دیگر اقسام کی وہمی دہشت انگیز چیزوں پر کیوں اور کس طرح اعتقاد کرتے ہیں۔ عوام الناس ترکوں کو ان باتوں پر ایسا یقین ہے کہ جانباز اور تقدیر کا قائل مسلمان گو اور سب طرح سے موت کا مقابلہ کرنے کے لیئے فی الفور تیار ہو جائیگا۔ لیکن اگر اسے قبرستان میں سے رات کیوقت گذرنا پڑے تو بچہ کی طرح تھر تھرائیگا۔ بہر حال یہ امر واقع ہے کہ قبرستان بالخصوص شام کے بعد ہرگز محفوظ مقام نہیں رہتے کیونکہ اسی وہم کی بدولت فراری مجرموں اور بدمعاشوں کو ان میں خوب محفوظ مامن اور جائے پناہ ملجاتی ہے اور ان میں پناہ جا لیتے ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی طرف سے اکیلے دوکیلے مسافر یا راہرو کے ساتھ جو کچھ سلوک ہو سکتا ہے اسکے بتانے کی کوئی احتیاج نہیں ؎

لیکن اس تاریکی و وحشت اور ویرانی کے باوجود یا شاید انہی باتوں کی طفیل ترکی قبرستان عیسائی قبرستانوں سے بدرجہا دلچسپ اور خوشنما ہوتے ہیں۔ عیسائی قبرستانوں میں یادگاریں بالکل بے مذاق اور بھدی بنی ہوتی ہیں۔ پھولوں کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں قطعًا بے محل معلوم ہوتی ہیں۔ اور کتبے بھی روکھے پھیکے اور بے لطف سے ہوتے ہیں۔ قصہ مختصر ترکی قبرستان ایک صاحب ہوش و ذکا کی نظر میں عیسائی قبرستانوں پر وہی فوقیت اور فضیلت رکھتے ہیں جو ہزاروں برسوں کے پرانے جنگل کو جسکے درخت آسمان سے باتیں کرتے ہوں ایک چھوٹے سے باغ کی مالی کے لگائے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودوں اور کیاریوں پر ہے۔ موجودہ زمانہ کی وہ صنعت جو مذہب سے تعلق رکھتی ہے مجھے بھلی معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ بھی زمانہ کے فیشن کیساتھ ساتھ بدلتی جاتی ہے۔ مسلمان اس غلطی کے مرتکب نہیں ہوئے۔ مردوں کی قبروں کو سجا سجا کر رکھنا اور قرینہ وار بنانا جسطرح کہ کتب خانہ میں کتابیں فہرست کے مطابق عین سلسلہ وار جھاڑ پونچھ کر رکھی جاتی ہیں مجھے تو یہ بات پسند نہیں

موجودہ مسیحی قبرستان کیا نہیں اچھے خاصے تجارتی اور کاروباری دفتر ہیں۔ کہ کوئی چیز قرینہ و سلیقہ کے بغیر نہیں۔ کیا ان لوگوں کی روحوں کو جو پرانے مذاق اور خیالات کے آدمی تھے۔ ایسی جگہ کوئی آرام مل سکتا ہے۔ ہم چینیوں کیطرح قبر اور بزرگ پرست نہیں اور ہم میں سے جنکو آخرت اور عالم ثانی پر اعتقاد ہے۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ راحت و آرام و جزا یا عذاب و سزا روح کیلیئے ہے نہ کہ جسم کیواسطے تو کیا پھر اس چیز کے محفوظ رکھنے کیلیئے جو بموجب اس اصول کے بالکل فضول اور بیکار شے ہے بڑی بڑی رقمیں صرف کرنا حماقت و سفاہت نہیں ہے؟ کسی یورپین شہر میں مرکز زمانہ حال کی نئی بدعتوں صندوقوں مجاور قبرستان، مرمری تعویذ بنانے والے اور میونسپلٹی کی دستبرد اور لوٹ مار کا شکار بننے کی بجائے میں تو اسی ہزار درجہ ترجیح دیتا ہوں۔ کہ بری سیاحت کرتے کرتے اگر موت آجائے تو (تو زیر فلک کسی دامن کوہ پر لیٹ رہ گئے۔ یا (بحری سفر میں موت آ پہنچے تو) پاؤں میں وزن باندھکر لاش کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔ یا غائیت درجہ خیر کسی قبرستان میں ہی زمین کھودکر دفنا دیا جائے۔ اور اوپر سے مٹی ڈالکر قبر کو بے نام و نشان چھوڑ دیا جائے موت کیا اور یہ تکلف کیا۔ لیکن میری نصیحت کون سنتا ہے موت تو اٹل ہے سب کو آئیگی۔ باقی رہی تدفین وہ ہمیشہ قوموں کے اپنے اپنے مذاق پر منحصر رہیگی

پیرا و غلطہ

اب تک میں نے پیرا و غلطہ اور ان گنجان آباد مضافات کا جو خلیج گولڈن ہارن کی شمالی جانب میں ہیں۔ بہت کم ذکر کیا ہے۔ اہالی جنوا کا یہ پرانا شہر (غلطہ و پیرا) قسطنطنیہ میں نہ پہلے کبھی شامل ہوا۔ نہ آئندہ کبھی ترکی دار الخلافہ میں فی الحقیقت داخل سمجھا جائیگا۔ وہ ایک طرح سے شروع سے ہی علیحدہ آبادی چلی آتی ہے۔ یہ درست ہے کہ موجودہ سلطان المعظم "بیشکطاش" کے انتہائی سرے پر یلدیز کوشک میں جو عین باسفورس پر واقع ہے رہتے ہیں۔ اور جیسا کہ دنیا میں ہوتا آیا ہے۔ بادشاہ کی موجودگی کی وجہ سے اکثر بڑے بڑے امراء جلیل القدر اہلکار بھی اسی نواح میں جا بسے ہیں۔ مگر یہ جگہ پیرا اور غلطہ سے پرے ہے۔ ان دونوں جگہ زیادہ تر عیسائی اور یہودی ہی جنمیں بہت سے یورپین ہیں آباد ہیں۔ اور اسی لیئے وہاں کے بازاروں میں بہت کم شرقیت اور بنا بریں بہت کم دلچسپی پائی جاتی ہے۔ یہ ہر ایک معلوم ہے کہ پیرا امراء و متمولین کا محلہ ہے یورپین سفراء موسم سرما میں اسی جگہ رہتے ہیں۔ اور یہیں وہ یورپین صراف و تاجر جن کا کام بن جائے اپنی رہائش کیلیئے بد معاشوں کے خرابا تکدوں کے درمیان اپنے عالیشان اور پر تکلف محل بناتے رہتے ہیں باقی رہا غلطہ اسے کل دنیا کی بد معاشیوں اور خراباتیوں کے منچور کا متعفن اور کھولتا ہوا چوبچہ سمجھنا چاہیئے۔ میرا قیاس ہے کہ دنیا کے کسی شہر میں ایسی سیاہ کار اور بد باطن آبادی نہیں پائی جائیگی۔ جیسی کہ کنارہ آب یعنی

قاسم پاشا سے لیکر توپخانہ علاعرہ (توپ ہانہ) تک کھچا کھچ بھری ہوئی ہے جس شخص کو مجرموں کے علم قیافہ کا شوق ہے۔ وہ اس علاقہ کو اپنے مطالعہ اور علمی تحقیقات کیلیئے نہایت مفید پائیگا کیونکہ یہاں کے غلیظ بازار زہر آلود گلیاں اور مسموم شراب خانے اس قسم کے بدمعاشوں کے بدترین نمونوں سے جنکو مجبوراً مہذب بدمعاش کہنا پڑتا ہے ہر وقت بھرے رہتے ہیں۔ یہ ایسی حیثیت کے لوگ ہیں کہ بالائے محلہ پیرا کے یورپین ہمیشہ ان سے خائف رہتے ہیں اور دوسری طرف (یعنے استنبول) کے ترک بالکل بجا طور پر اُن کو کمال نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں ارمنی اور یونانی باشندے جو ایک طرح سے زیر زمین زندگی بسر کرتے ہیں۔ طرح طرح کی بدمعاشیوں سے خوب روپیہ کماتے رہتے ہیں مگر چونکہ یہ سب لوگ عیسائی ہیں۔ اور کسی نہ کسی یورپین سلطنت کی رعیت بنکر اسکے سفیر کی پناہ میں رہتے ہیں۔ ترکی حکام اپنے ملک کی پولیٹیکل حالت کے لحاظ سے کسی بدمعاش کو گرفتار یا سزا دینے کی جرات نہیں کر سکتے اگر وہ لوگ ان کی آزادی میں ذراسی بھی مداخلت کریں تو ممکن ہے کہ وہ حکومت جسکی پناہ میں ہونگی یہ لوگ مدعی ہوں فی الفور اس امر کو وجہ مخاصمت اور جنگ کا بہانہ بنالے غلطہ میں کوئی ایسا شراب خانہ نہیں جسکے ساتھ مکان کے پچھواڑے کسی خفیہ کمرہ میں قمارخانہ نہو پیرا کے بھی چند نسبتاً معتبر اور معزز قہوہ خانے اس بدعت سے خالی نہیں۔ انمیں گول میز کے ذریعہ سے جوا کھیلا جاتا ہے جنپر گھڑی کے ڈائل کیطرح نمبر اور بڑی سوئی لگی ہوتی ہے۔ چکر میں دو جگہ صفر اور نو یا دس جگہ اعداد لکھے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی نووارد بفرض محال خوش نصیبی سے کچھ جیت بھی لے تو کیا یہ ممکن کہ وہ جیتی ہوئی رقم کو اپنے ساتھ لیجا سکے۔ ہر ایک قمارخانہ میں مصنوعی پولیس موجود ہوتی ہے جو اشارہ پاتے ہی فوراً اُس شخصکو کمرہ سے باہر نکلتے ہی لوٹ لیتی ہے۔ اور اگر ضرورت آپڑے تو اسکو قتل کر دینے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

باقی رہا اسکودرہ جو باسفرس کے ایشیائی ساحل پر واقع ہے۔ اسکا رنگ ڈھنگ بالکل نرالا ہے اس میں زیادہ تر ترک آباد ہیں۔ عیسائی بہت کم ہیں ناظرین سے ترکوں کا ایشیائی حصہ ہونا مخفی نہیں مگر دونوں براعظموں کے محل اتصال پر اپنی اوصاف حمیدہ سے انہوں خاص امتیاز حاصل کر ناچاہے اسکودرہ کے کوچہ بازار میں طمانیت اور سکون سا برستا ہے دو طرفہ مکانات کی کھڑکیاں اور دیگر جالی دار میں جن سے خود بخود معلوم ہو جاتا ہے کہ انمیں مسلمان آباد ہیں مکانات کی قطع وضع اور حیثیت سے گو واضح ہو رہا ہے۔ کہ انکے مالک چنداں خوشحال اور فارغ البال نہیں۔ تاہم وہاں کچھ ایسی خوشگوار خاموشی اور آسائش پائی جاتی ہے کہ استنبول کے بارونق اور پر از ہجوم بازاروں اور غلطہ کے دماغ کو متشمر

کر دینے والے خرابکدوں سے نکلکر طبیعت کو اسجگہ بہت فرحت اور راحت ملتی ہے۔ بازاروں میں خلقت کا بہت کم اژدہام رہتا ہے۔ اور ایسی گاڑیاں پرانی قسم کی اور بھدی ہیں۔ بیلوں کے چھکڑے بھی بافراط ہیں۔ یہ چھکڑے پچھلے ادبلیے سے بہت بھدے اور موٹے اور اتنے بڑے ہوتے ہیں۔ کہ کنبہ کا کنبہ مع کل اثر کھنگران میں سما سکتا ہے۔ اور ایسا اکثر مشاہدہ میں آتا ہے کہ عورتیں اور بچے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خوب بھنس کر اور کنبہ کا مالک عموماً گاڑی کے پیچھے آلتی پالتی مارکر بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ اُسکے چہرہ کا بشرہ اُسوقت بعینہ ویسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ ایسے حالات میں یورپ خاندان کے بزرگ کا ہوتا ہے۔ یعنی تردد تکان آزردگی اور حجاب یہ سب باتیں اُس بشرہ میں پائی جاتی ہیں۔ جوا ہل مشرق کے متین اور ثقہ چہرہ پر ہرگز زیب نہیں دیتیں۔ مگر عورتیں جنکے نقاب استنبول کی عورتوں سے زیادہ دبیز اور نیچے ہوتے ہیں سفر کا بڑی دلچسپی سے لطف اٹھاتے ہیں اور راستے میں ہر ایک چیز کو بڑے شوق سے دیکھتی جاتی ہیں۔ اور جسوقت کسی یورپین کی ہلکی پھلکی گاڑی فراٹے بھرتے ہوئی انکے پاس سے گذرتی ہے تو وہ اچنبھے کی نگاہ سے اُسے تکتی رہتی ہیں جوں جوں مضافات میں بڑھتے جاؤ بیلوں کے چھکڑوں کی تعداد زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اسکودرہ میں قابل دید چیزیں کوئی زیادہ نہیں ہاں اگر تم وہاں کی عمودی پہاڑ پر چڑھنے کی تکلیف گوارا کرو تو اسکی چوٹی سے تم چاروں طرف فی الواقع نہایت شاندار نظارہ کر سکو گے۔

قاضی کوئی

قصبہ قاضی کوئی جو قدیم قصبہ کا لیسڈوں کے موقع پر آبادی ہے سکودرہ سے بہت زیادہ دلچسپ ہے اسکا محل وقوع بھی نہایت خوشگوار اور خوشنما ہے۔ اور مزید برآں اسمیں ایک ترکی تھیئٹر بھی ہے کل قسطنطنیہ اور اسکے قرب و جوار میں یہی ایک تھیئٹر ہے۔ تانگ گھر شہر کے پچھواڑے ایک عریض مرغزار کے سرے پر چوبی تختوں کی بھدی سی عمارت ہے جہاں کی معمولی موسیقی قابل نفرت اور تماش بین صرف مرد ہی مرد ہوتے ہیں۔ عورتوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا۔ مگر اُس مالک اور منیجر ایک اعلےٰ پایہ کا ایکٹر (سونگ بھرنیوالا نقال) ہے وہ ٹھیٹھ ترک ہے اور اگر اسکی پوری پوری سرپرستی اور معاونت کیجائے تو اُسکا تھیئٹر دنیا کے کسی اور تھیئٹر سے کم نہ رہے۔ ہفتہ دو یا تین دفعہ تماشا ہوتا ہے۔ جو فقط دن کو کیا جاتا ہے اور یہ نہیں کہ وقت مقرر پر پردہ اُٹھا کر کھیل کو شروع کر دیا جائے۔ بلکہ سامعین و ناظرین کی آسایش و فراغت کو وقت کی پابندی پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ عمارت گو چوبی ہے مگر تمبا کو نوشی کی کوئی ممانعت نہیں سب سگرٹ پیتے رہتے ہیں۔ اور یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ جہاں ترکوں کا کچھ مجمع ہو۔ قلفی بیچنے والے اور قہوہ فروش ضرور

موجود ہونگے - ناٹکوں کے محل وقوع عموماً وہ فرضی ایشیائی ممالک ہوتے ہیں - جو قصہ کہانیوں میں مذکور ہیں - کھیل کی روح و رواں صرف مالک و مینیجر ہے - جو ایسی عمدگی سے ایکٹ (کھیل) کرتا ہے - کہ جو لوگ ترکی زبان نہیں سمجھتے - وہ بھی عش عش کر اُٹھتے ہیں -

قاضی کوئی سے پرے بحیرۂ مارمورا کے ساحل پر ہی جزائر شاہزادگان کے مقابل ایسا مقام ہے - جو خوبصورتی اور خوشنمائی قرب و جوار کے کل مقامات پر فضیلت رکھتا ہے - اُس کا نام "فنار باغچہ" (روشنی کے مینار کا باغ) ہے - یہ خوبصورت جنڈا ایک چھوٹی سی راس (سمندر کی طرف کے انتہائی سرے) پر واقع ہے - اسکے شمشاد سینکڑوں زمانے اور انقلاب دیکھے ہوئے ہیں - کبھی وہ دیبی ہیرا کے مندر پر سایہ افگن تھے - بعد ازاں قیصر جسٹینین کے تابستانی محل پر پرتو فگن رہے - اور اب اُن خود رو اور جنگلی پھولوں پر سایہ ڈال رہے ہیں - جو ان دونوں عمارتوں کے در و دیوار اور منہدم بنیادوں پر اُگے ہوئے ہیں - گرمی کے موسم میں یہاں ہر وقت سطح سمندر سے ٹھنڈی ہوا آتی رہتی ہے - یونانی ماہیگیر اپنے جالوں کو خشک کرنے کے لئے دھوپ میں بچھا کر خود سایہ میں بیٹھے رہتے ہیں - اور امرا کے مرغوب خاطر مقام موودا بورنو (راس موودا) اور اُس کے مقام کے درمیان کی خلیج میں جو سرکنڈوں کی خلیج کہلاتی ہے - چند چھوٹی بڑی تفریحی کشتیاں دکھائی دیتی ہیں -

اس نواح کی قدر و منزلت دن بدن لوگوں کے دلوں میں بڑھ رہی ہے - تابستانی رہائش کے لئے اب اُسے زیادہ پسند کیا جانے لگ گیا ہے جس سے باسفرس کی قدر گھٹتی جاتی ہے - اور اس طرف زمین کی قیمت روز بروز ترقی پر ہے - یہاں کی ہوا نسبتاً خشک ہے - اور شام کو وہ سخت خنک ہوا نہیں ہوتی - جو باسفرس کی طرف بحیرہ اسود سے آتی ہے - اس نواح کے ساحل میں صرف یہ ایک نقص ہے - کہ موودا بورنو اور فنار باغچہ ایسے متعدد موقعوں کے سوا درخت تقریباً ناپید ہیں -

باسفرس

باسفرس کی مفصل کیفیت بیان کرنے کی اس مختصر سے رسالہ میں گنجائش نہیں ہو سکتی - اسکی خوبصورتی اور دلفریبی کے متعلق سیاحوں کی رایوں میں بہت اختلاف ہے - میرے نزدیک تو وہ خلیج نیپلز (اٹلی

یاکریمیا کے جنوبی ساحل سے لگا نہیں کھاتی - ایک نا قدرشناس امریکن سیّاح مجھ سے بھی بڑھ گیا ہے - وہ لکھتا ہے - کہ سوٹزرلینڈ کی خلیج کومو اور باسفرس میں صرف یہ فرق ہے - کہ پہلی چوڑی زیادہ ہے - اور آخرالذکر تار کی طرح لمبی کھنچی ہوئی ہے - اس میں اس نے گو بہت مبالغہ سے کام لیا ہے - مگر یہ بیان صداقت سے بالکل معرا نہیں - رومیلی اور اناطولی حصاروں یعنی یوروپین و ایشیائی قلعوں اے گرانڈیل برج جن قلعوں کو محمد ثانی نے تعمیر کرایا تھا - بے شک نہایت پُرجلال عظیم الشوکت اور خوشنما ہیں - اور اُن کے درمیان باسفرس کی دہار ایسی تیزی سے بہتی ہے - کہ اُس کا نام ہی "شیطان کی دہار" پڑ گیا ہے - مگر ماسوا ازیں اسکودرہ سے لیکر بحیرہ اسود کے دہانہ تک اس آبنائے پر کوئی چیز ایسی نہیں پائی جاتی - جسے شاندار اور عظیم الشوکت کہا جا سکے - اس کے دونوں ساحل دیہات - بنگلے اور دولمہ باغچہ و یکلر بک ایسے عالی شان سلطانی محلات سے لیکر غریب و نادار ماہیگیروں کی بے حقیقت جھونپڑیوں تک جو اناطولی فواق کے پاس ہیں - ہر حیثیت اور ہر قسم کی عمارتوں سے معمور ہیں - مگر کچھ عرصہ گذرا ہے کہ تب تک باسفرس وزراء سلطنت - سفراء دول اور متمول یونانیوں کی مرغوب و دل پسند تابستانی رہائش گاہ تھی - موسم گرما میں یہ سب وہیں رہتے تھے مگر جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں - اب اُس کی قدر گھٹتی جاتی ہے - اور امراء و متمولین موداپورنو اور جزائر شہزادگان کو زیادہ پسند کرنے لگ گئے ہیں - تاہم یہ آبنائے بجائے خود خوبیوں سے خالی نہیں - اور یہ خوبیاں اور دلفریبیاں صرف اسی کا حق ہیں - دونوں طرف کی پست قامت پہاڑیوں کے نشیب و فراز باغات سے ڈھنپے ہوئے ہیں - اکثر عمارات عین برلبِ آب واقع ہیں - اور خود سطح آب ہر وقت گوناگون کشتیوں اور جہازوں سے پٹی رہتی ہیں - دیہات عموماً یکساں وضع کے ہیں - مگر بعض بعض شلاً درہ آب نیلی - تھراپیا - بیوک درہ - اور وادی گلاب - خاص حسن و ملاحت رکھتے ہیں - درہ آب نیلی میں جسے یورپین

اِلشپا کا آبِ شیریں" کہتے ہیں۔ یورپ کے آبِ شیریں یعنی کاغذ خانہ (بلفظ کیات ہانہ) کی طرح اکثر ترک جمعہ کے سہ پہر کے وقت زن و فرزند سمیت کل کنبہ تفریح کے لئے جاتے ہیں۔ اور اس کے خوشگوار سایہ میں برلبِ دریا سگرٹ و قہوہ کا مزہ اُڑاتے ہیں۔ بلغراد کا مشہور پُر فضا جنگل بیوک درہ (وادی کلان) سے ہی شروع ہو کر میلوں چلا جاتا ہے۔ اور آخر بحیرۂ اسود کے سواحل پر ختم ہوتا ہے۔ اس جنگل میں کئی نہایت عمدہ سڑکیں مختلف اطراف کو جاتی ہیں۔ اور پگ ڈنڈیاں تو بے شمار ہیں۔ ان میں سے سوار کسی پر موسم گرما کی سہ پہر کو خواہ تیس میل چلا جائے۔ درختوں کا سایہ کسی جگہ بھی اُسکے سر سے دُور نہ ہوگا۔ جو انسان اجتماعِ ضدین۔ دھوپ و سایہ۔ پست و بلند۔ نور و ظلمت ویرانی و رونق۔ وغیرہ وغیرہ دیکھنے کا مشتاق ہو۔ اس سیر سے اس کا یہ اشتیاق بھی پورا ہو جائیگا۔

فرض کرو کہ اس سیر کے لئے تم اپنے ہوٹل (واقع تھراپیا) سے چار بجے گھوڑے پر سوار ہوتے ہو۔ سوار ہوتے ہی تمہیں تقریباً قریباً اپنے گرد و پیش یہ سماں دکھائی دیگا۔ کہ بیوک درہ کی گھاٹ پر انبوہ جمع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ کچھ سٹیمر پیلیپا یہ کو آرہے اور کچھ وہاں سے واپس جا رہے ہیں۔ سفید پوش قایقچی مسافروں کو قابو کرنیکے لئے اپنی اپنی کشتیوں پر مستعد بیٹھے ہیں۔ ایرانی تاجر سودا سلف لگانے کے لئے درختوں کے نیچے اپنے اپنے قالین بچھائے ہیں۔ بارہ چودہ ترکی سائیس اپنے اپنے مالکوں کے تیز و طرار گھوڑوں کو جن پر زینیں کسی ہوئی ہیں لئے ہوئے ادھر ادھر ٹہل رہے ہیں۔ بازاری حجام سایہ دار گوشہ میں ایک ملاح کی حجامت کر رہا ہے۔ اور قفلی فروش۔ "دو ندرمہ قیماق" کے آوازے لگا رہا ہے۔ ادھر ساحل

سے پرے تین چار بادبانی کشتیاں لہر اور ہوا کا مقابلہ کرتی ہوئیں آہستہ آہستہ سطح آب پر تیرتی جا رہی ہیں۔ ان پر کوئی سفیر سوار ہونگے۔ جن کو بیکار بیٹھے ہوئے فتنہ و شرارت کی کھچڑی پکاتے رہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ ادھر گلاب کی بھینی بھینی خوشبو روسی سفارت خانہ کے باغ کے پھاٹکوں سے نکلکر دماغ کو معطر کئے دیتی ہے۔ چند لمحوں بس تم ان سب چیزوں کو پیچھے چھوڑ جاتے ہو اور پھر سامنے اسکے چھوٹے سے بازار میں جسکے دونوں طرف قصابوں نانبائیوں اور غلہ فروشوں کی دوکانیں ہیں۔ گذر کر وسیع میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں سے تم کچھ دیر دائیں ہاتھ کو وادی میں سے اوپر کو بڑھے جانے کے بعد اس پُر اسرار جنگل میں داخل ہو جاتے ہو اور استنبول۔ باسفرس۔ یونانی۔ ترک۔ ارمنی اور سفراء سب پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ سب صرف غلطہ کی طرح تمہارے دماغ سے محو ہو جاتے ہیں۔ اور تم خدائی کائنات کی قدرتی صنائع و بدایع کے تماشہ میں مستغرق ہو جاتے ہو۔ اب اگر تم برابر بڑھے جاؤ۔ تو شام کے قریب آخر ایک سنسان دلدل کے کنارے پہنچ جاؤگے۔ جو یکبارگی عمودی چٹانوں پر جاکر ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر ان چٹانوں سے سمندر کی لہریں ٹکرا رہی ہیں۔ تم چاہو تو یہاں گھوڑے سے اتر پڑو۔ اور ان کھنڈرات کے قریب جو کسی وقت جلاوطن "اوڈو" کا مسکن تھے۔ کھڑے ہو کر بحرِ بے پایاں (یعنی

بحیرۂ اسود) کی موجوں کا جو ڈوبتے ہوئے سورج کی ترچھی
کرنوں سے زردی مائل ہو رہی ہیں۔ نظارہ کرو۔
اور اُس وقت غالباً تمہارا تصوّر اس تمام سر
زمین (یعنی علاقہ کوہ اراراٹ و کوہسار آرمینیا وقاف)
کی طرف بھی جا دوڑے۔ جو اس موقع سے جہاں تم کھڑے
ہوگے۔ کوئی بہت دُور نہیں۔ اور جو اُن
جبلی یا بڑی قوموں کا گہوارہ رہ چکی ہے۔
جو دُنیا کی سب سے بڑی استخوان متنازعہ
قسطنطنیہ پر لڑتی۔ اور لڑ رہی ہیں اور
ابھی اَور صدیوں تک لڑتی رہیں گی ؛

کتاب قسطنطنیہ دونوں حصص ختم ہوئی

یکم مئی سنہ ۱۹۱۲ء

صحت کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔ بچوں کی تعلیم اور مدارس و مساجد میں تقسیم کرنے کے لئے خاصکر موزون ہے۔ تقطیع کلاں ۱۸×۲۲/۴ تعداد صفحات ۶۱۴۔ کاغذ کی عمدگی اور صحت کے مقابلہ میں ہدیہ گویا کچھ بھی نہیں۔ قیمت بلا جلد ہر رنگ کی کاغذ کی عہ
قیمت جلد پارچہ ۱۲ آ۔ قیمت جلد چرمی .... ۱۴ ر

(۵) **قرآنِ مجید مُعرّا ۱۵ اسطری** بخط بمبئی۔ تقطیع خورد ۲۰×۲۶/۸ صفحات .. (۵۴۴)
جلد پارچہ والے کی قیمت .... ۱۴ ر

کتبِ تفاسیر

(۶) **مقدمہ تفسیر القرآن** مرتبۂ کارخانہ وطن لاہور۔ ضخامت (۴۸) صفحے قیمت .... ۴ ر

(۷) **تفسیر القرآن جلد اوّل** سورۂ الحمد و سورۂ بقر کی مکمل و مفصل تفسیر۔ سینکڑوں محبانِ ملت اور مقتدر علماء اس کے ازبس مفید ہونے کی تصدیق کر کے لکھتے ہیں۔ کہ فی زمانہ ایسی تفسیر کی اشد ضرورت تھی۔ ضخامت ۹۸۶ صفحات۔ قیمت .... ۵ ر

(۸) **تفسیر القرآن جلد دوم** یعنی تفسیر سورۂ آل عمران۔ ضخامت ۴۳۶ صفحے قیمت .... ۲ ر

(۹) **تفسیر القرآن جلد سوم** یعنی سورۂ نساء کی مکمل تفسیر۔ قرآن کی منزل اول اس جلد پر ختم ہوتی ہے۔ ضخامت (۲۸۲) صفحے
قیمت .... ۲ ر

(۱۰) **تفسیر القرآن جلد چہارم** جس میں سورۂ مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال توبہ۔ یونس کی مشرح تفسیر ہے۔ ضخامت (۶۱۰) صفحے
قیمت .... ملے

(۱۱) **اُردو ترجمہ تفسیر کبیر جلد اول** (فاتحۃ العلوم) یعنی امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی

تفسیر الحمد شریف کا مکمل ترجمہ - آج تک کسی کو اس کے ترجمہ کی ہمت نہ پڑی تھی فی ملے

اِسلامی تاریخ

قوم کو ترقی و فلاح کے اسباب موجبات یقینی کا علم صرف سلف صالحین کے حالات اور اسلام کی ابتدا اور نشو و نما کی تاریخ پڑھنے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے - بنابریں کارخانہ وطن اس مدعا کو پورا کرنے والی کتابوں کے بہم پہنچانے میں روز افزوں کامیاب ہو رہا ہے - ان میں سے ایک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ایسے اہل دل اور ولی کامل عالم متبحر کی مستند ترین تصنیف

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاءٗ

کا اُردو ترجمہ ہے - اِس سے معتبر اور صحیح تاریخ در بارہ خلافتِ اسلامی کا بہم پہنچنا مشکل ہے جو تین حصوں میں مشتمل ہے - اور تینوں کی قیمت آٹھ روپے . . . . ہلے

دوسری عصر جدید

کے مشہور ترین اسلامی فلاسفر اور مؤرخ رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب بالقابہٖ کی

انگریزی تاریخ اسلام کا اُردو ترجمہ

ہے - اس تاریخ اسلام کی قیمت باوجود بے شمار خوبیوں اور صفائیوں کے صرف عہ

نیز افریقہ کی واحد باقی ماندہ آزاد اسلامی سلطنت مراکو کی حالت آج کل جیسی کچھ مخدوش ہے - باخبر ناظرین سے مخفی نہیں - موجودہ معاملات کو سمجھنے ہمسایہ حریفوں کی مساعی کی تہ کو پہنچنے اور اس سلطنت کی حقیقی اہمیت کو محسوس کرنے میں تاریخ مراکو کے مطالعہ سے چونکہ خاص مدد مل سکتی ہے - مکمل ہر دو نسخے قیمت . . . . . . ملے

کیفیت سالہ عہد حکومت: سلطان عبد الحمید خان ثانی غازی مع تصاویر طبع چہارم ۱؎ - تاریخ خاندان عثمانیہ کل ۱۲؎

مقدمہ تاریخ ابن خلدون کا اُردو ترجمہ تین جلدوں میں تینوں کی قیمت ۸؎ - تاریخ عرب عراق قیمت . . ۱؎

المشتہر مینجر اخبار وطن لاہور